راه است لا)



راه است لام

فَمَنْ يُرُدِ اللّٰهُ اَنَّ يَهَ دِيَهُ مِيشَرَحْ صَدْرَهُ وَ لِلْإِسْلاَمْ وَمَنْ يُرِدُ اَنْ يُضِلَّهُ مِيجُعَلْ صَدْرَهُ مِنْ يَقِا حَرَجًا كَانَمَا يَصَمَّعَدُ فِي السَّمَا وَكَذَلِاثَ يَجَعَلُ اللهُ الرِّجْسَ كَانَمَا يَصَمَّعَدُ فِي السَّمَا وَكَذَلِاثَ يَجَعَلُ اللهُ الرِّجْسَ عَلَى اللّٰهِ يرَفِ لا يُؤْمِنُونَ ﴿ وَهَذَا صِرَاطُ رَيَّكِ مُسْ تَقْهِم أَفَدُ فَصَلَنَا الْمُأْلِاتِ لِقَوْمٍ يَذَ صَحَدُونَ ﴾

#### ترجمه:

پس خدا جے ہدایت دینا چاہتا ہے اس کے سینے کو اسلام کے لئے کشادہ کردیتا ہے اور جس کو گراہی میں چھوڑنا چاہتا ہے اس کے سینے کو ایبا نگ اور دشوار کردیتا ہے جیسے آسان کی طرف بلند ہورہا ہو، وہ اسی طرح بے ایمانوں پر ان کی کثافت کو مسلط کردیتا ہے اور یہی تمہارے پروردگار کا سیدھارات ہے۔ ہم نے نصیحت حاصل کرنے والوں کے لئے آیات کو مفصل طور پر بیان کردیا ہے۔

(سوره انعسام: آیات ۱۲۵، ۱۲۹)

راه اکل

اسلامی علوم و معارف اور علمی و ثقت فتی افکار و عقائد کاتر جمان شاره: ۲۴۲-۲۴۳-۲۴۴ جون <u>۱۲۰۸</u> تا فروری ۱۲۴۹

ایران کلچر باؤس، ۱۸۔ تلک مارگ، نئی دہلی۔۱۰۰۰۱۱ فون : ۲۳۳۸۳۳۳، فیکس : ۲۳۳۸۵۵۳۷ فون : ichdelhi@gmail.com http://newdelhi.icro.ir راه است



شاره: ۲۴۲-۲۴۳-۱۲۴۴ جون ۱۱۰۸ تا فروری ۱۹۹

## **مشاورین علی** پروفیسر سید محمد عزیز الدین حسین، پروفیسر اختر الواسع، پروفیسر سید علی محمد نقوی

چیف ایڈیٹر : ڈاکٹر علی دہگاہی

ایڈیٹر : پروفیسرسیداختر مہدی رضوی

**جوائث ایڈیٹر** : خان محمہ صادق جو نیوری

صغحه آرائی : قاری محمدیسین

تزكين جلد : عائشه فوزيه

ناظراشاعت : حارث منصور

پریس : الفاآرٹ، نویڈا، یو۔پی۔

ISSN: YTE9 - . 90.

صرف غیر مطبوعہ معتالہ ہی ارسال فرمائیں۔ اگر ممکن ہوتو مقالہ ، بذریعہ ای میل ichdelhi@gmail.com ارسال فرمائیں۔ مقالہ ، ایران کلچر ہاؤسس کے پتہ پر پوسٹ بھی کرسکتے ہیں۔ مقالہ کی اشاعت کے لئے ایڈیٹوریل بورڈ کا فیصلہ حتی ہوگا۔ مقالہ نگار افراد کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔ راه استلام

# و المحالة المح

1		ادارىي
٣	مؤلف: سید علی طباطبائی متر جم: مولا ناڈاکٹر محمد جعفر	خاتم الانبياءً كاروحانى مقام ومرتبه
٣١	مؤلف: رضاحق پناه مترجم: شبیه عباس خان	نبوت، امامت کی زبان سے
۵۷	مؤلف: ڈاکٹر مجم السحر	غیر مسلموں کے ساتھ پیغیبر اسلامؓ کا حسن سلوک (غزوات کے خصوصی حوالے سے)
42	مؤلف: بخش على قنبرى مترجم: مولاناڈاکٹر محمہ جعفر	تۆكل، نىچ الىلاغە كى روشنى مىيں
98	مؤلف: ڈاکٹر مہدی ابراہیمی متر جم: مولانا نثار احمد زین پوری	صحیفه سجادیه میں دعا کی عرفانی تجلیات
1+4	مؤلف: حميد مقامی متر جم: مولاناڈاکٹرر ضوان حيدر	اسلام کاتر بنی نظام صحیفہ سجاد بدکے تناظر میں
١٣٥	مؤلف: فردین احمدوند مترجم: شبیه عباس خان	اخلاق، صحیفه سجادیه کی روشنی میں
101	مؤلف: ڈاکٹر قدرت اللہ قربانی مترجم: شبیہ عباس خان	انقلاب حسینی کی ترویج میں عضر عقلانیت کا کردار

جناب زینب (<sup>()</sup> کے کو فہ و شام کے خطبوں میں موَلف: اصغر طہماسبی بلدا چی ا قرآ نی استنادات متر جم: مولا نا ڈاکٹر گلزار احمد خان جناب زینب (<sup>()</sup> کے خطبوں کا فلسفیانہ تجزیہ مترجم: مولانا مقداد حیدر روحانی ادارىي

#### ادارىيە

انسانی زندگی میں دین کی کیااہمیت ہے، خاص طور پر آج کے ترقی یافتہ دور میں اس کی کیاافادیت ہے؟ اس سوال کے جواب میں اتناہی کہناکانی ہوگا کہ دین، انسان کی ایک بنیادی ضرورت ہے۔ بغیر دین کے اور صرف عقل کے سہارے انسان کبھی بھی حقیقی کامیابی حاصل نہیں کر سکتا ہے۔ دین مختلف طریقوں سے انسان کی مدد کرتا ہے مثلًا بعض مسائل کی شاخت و درک کے لئے دین، عقل کو سہارا دیتا ہے جیسے اللہ تعالی کے بعض صفات یا حقیقت معاد وغیرہ، چنانچہ انبیاء کی بعثت کا ایک اہم مقصد، لوگوں کی عقلی ارتقا ہے۔

انسان ایک ساجی مخلوق ہے، اسی گئے وہ دوسرے انسانوں کے ساتھ رہنا پیند کرتا ہے اور ظاہر ہے کہ لوگوں کا اپنا اپنا انداز و سلیقہ ہوتا ہے جس کی بنیاد پر وہ زندگی گزارتے ہیں، اسی لئے قانون کا ہونا بہت ضروری ہے کہ عمالے و ہے کہ اس کے بغیر ساجی شخفظ اور عدالت کا قیام نا ممکن ہے اور قانون بنانے کے لئے انسان کے مصالے و مفاسد کو درک کرنا بھی بہت ضروری ہے اور اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ عقل و علم ، انسان کے مصالے و مفاسد کو پوری طرح سمجھنے سے قاصر ہیں البندا ضرورت اس بات کی ہے کہ ایک جامع اور محیط ذات اس ذمہ داری کو نبھائے، اسی لئے اللہ تعالی نے خود قانون وضع کئے اور اس کو نافذ کرنے کے لئے انبیاء کو بھیجا۔ اسی قانون کے مجموعہ کو دین کہا جاتا ہے۔

دین، انسان کی زندگی میں معنی و مفہوم پیدا کرتا ہے اور یہ بتاتا ہے کہ اس کی خلقت کا ایک مقصد ہے اور مرنے کے بعد وہ فنا نہیں ہوتا بلکہ اِس د نیا کے بعد بھی ایک زندگی ہے اور اِس د نیا میں اپنے اعمال کی بنیاد پر وہ اُس د نیا میں عیش و آرام یا تکلیف میں رہے گا۔ دین، انسان کے د نیاوی اور اخروی دونوں پہلوؤں کی حفاظت کرتا ہے اور اسے فلاح و بہود عطا کرتا ہے، لہذا یہ تصور غلط ہے کہ دین صرف آخرت کو سنوار تا ہے بلکہ دین، انسان کی د نیاوی زندگی کو بھی بہود بخشا ہے، اسی لئے اس کے پاس انسانی زندگی کے مر پہلو کے لئے احکامات و قوانین بھی موجود ہیں۔

راه است لا

آج کے ترقی یافتہ دور میں دین اور معنویت کی ضرورت اور زیادہ محسوس ہورہی ہے کیونکہ آج کا انسان دنیاوی نغمتوں میں اتناغرق ہو گیا ہے کہ وہ بھول گیا ہے کہ کیا ہے اور اس کی خلقت کا مقصد کیا ہے۔

پنج بر اسلامؓ نے اپنی تیکیس سالہ دور رسالت میں اللہ تعالی کے احکام و قوانین کو لوگوں تک پہنچا یا اور ادی الحجہ سنہ دس ہجری میں غدیر خم کے میدان میں حضرت علیؓ کی جانشینی کا اعلان کرکے، قرآنی تعبیر کے مطابق دین اسلام کو پایہ ہمکیل تک پہنچادیا، پھر ائمہ معصو بین علیہم السلام نے ہر دور میں انہی احکام و قوانین کے ذریعہ لوگوں کی ہدایت و رہنمائی فرمائی اور غیبت امام زمانہ (ﷺ) کے دور میں آیات عظام و مجہدین اس مہم کو بخوبی انجام دے رہے ہیں اور انشاء اللہ ظہور امام زمانہ (ﷺ) اور قیام قیامت تک یہ سلسلہ جاری رہےگا۔

کے طور پر آپ دیکھ سکتے ہیں کہ امام خمینی (۱۰) ایر انی عوام کی حمایت اور ولایت فقیہ کے نظریہ کی بنیاد پر ایران کے طور پر آپ دیکھ سکتے ہیں کہ امام خمینی (۱۰) ایر انی عوام کی حمایت اور ولایت فقیہ کے نظریہ کی بنیاد پر ایران میں ایک نیا جو ش میں ایک بیادہ و شروش پیدا ہوا۔

فصلنامہ راہ اسلام کی ہمیشہ سے یہ کوشش رہی ہے کہ اسلامی معارف اور دینی تعلیمات کو بہتر سے بہتر انداز میں قارئین کی خدمت میں پیش کرے تاکہ اسلامی تعلیمات کے سایہ میں ہم سب مل کر ایک باو قار زندگی اور اچھے معاشرہ کی تعمیر کر سکیں۔امید ہے کہ یہ فصلنامہ اس راہ میں ایک مثبت اور تعمیری قدم ہوگا۔

اواره

യെ ത്ര

# خاتم الانبياء كاروحاني مقام ومرتبه

مؤلف: سيد على طباطبائى مترجم: مولانا ڈاکٹر محمد جعفر

اس مضمون میں خاتم الانبیاء (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بے مثال شخصیت اور ان کے روحانی مقام و مرتبہ کے بارے میں گفتگو ہو گی اور آپؓ کے مقدس وجود کے مختلف پہلوؤں کو اسلامی عرفان اور قرآنی آیات و روایات المبیت علیہم السلام کی روشنی میں بیان کیا جائے گا تا کہ یہ واضح ہوجائے کہ آنخضرت کی ذات گرامی اپنے وجودی کمالات اور عالم امکان میں اپنی تا ثیر کے اعتبار سے تمام ممکنات سے برتر ہے۔ آپ کی ذات گرامی تمام ممکنہ فیوضات کا منشا و ماوا، عالم امکان کا پہلا انتخاب، تمام نوری کلمات کی بنیاد، نام اللہ کا ممکل مظہر اور عصمت، وحدت وجود اور کثرت شہود کا کمال ہے۔

در حقیقت عرفانی صحیفوں میں نہ صرف نبی اعظم کے روحانی مقام و منزلت کو مرکز قرار دیا گیا ہے بلکہ نبوت اور وحی البی کو ہی اسلامی عرفان کا سرچشمہ بتایا گیا ہے۔ پینمبر اکرم کے روحانی مقام کو معرفت کی دقیق نگاہ سے دیکھنے سے انسان کو سرور وانسباط میسر ہوتا ہے اور حضرت باری تعالی کی خاص عنایت کے سبب اس کابر گزیدہ بندہ الطاف خداوندی اور عرفانی باتوں سے مزین ہوجاتا ہے۔ چنانچہ ایسے عرفانی خیالات ہی دلنشین عرفانی فضائی آ مادگی کا سبب بنتے ہیں اور دل کی خلوت کو ذکر کی حلاوت سے سکون فراہم کرتے ہیں اور انسانی حیات کو بامعرفت اور بامعنی بناتے ہیں۔

آج کے دور میں عرفانی اور قرآنی تعلیمات ایسے دلوں کے لئے شفا بخش اور بہترین نسخہ ہیں جو صنعتی اور ترقی یافتہ زمانہ سے پریشان ہو کر کسی ایسے راستہ کی تلاش میں ہیں جو انہیں انسانی فطرت کے تقاضوں کے مطابق زندگی گزار نے کی راہ فراہم کردے۔ بہت سے ایسے افراد ہیں جو اپنی تنہائی سے آگاہ ہوگئے ہیں اور کوشش کر رہے ہیں کہ خود کو بھول کر اپنی اصل کو پالیں اور ہر چیز سے چھٹکارا پاکرخودی کی سیر کریں اور

راه اسک لا)

ا پنے وجود کی معرفت حاصل کرکے انوار قدسی کے زیر سایہ اس کی تربیت کریں۔ انوار قدسی کو اولیائے الی کے یاگ دلوں بالخصوص حضرت ختمی مرتبت کی ذات والا صفات میں ہی جبتی کیا جانا چاہیے۔

اس مضمون میں خاتم الانبیاء کے فضائل و مراتب کو عرفانی صحیفوں کی روشنی میں بیان کیا گیا ہے۔ علم عرفان کے اکابرین نے قرآن و روایات سے الہام حاصل کرتے ہوئے نبی اکر م کے معنوی مرتبہ کو دلنشین تعبیروں کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ہم نے ایسے مسائل کی ضرورت کو احساس کرتے ہوئے اور اپنے قلم کی وسعت کے اعتبار سے حضرت ختمی مرتبت کے روحانی مقام کو بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ آپ کی وسعت کے اعتبار سے حضرت نحمی مرتبت کے روحانی مقام کو بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ آپ کی ایمثال و بے نظیر منزلت کو مفہوم اور الفاظ میں ڈھالا نہیں جاسکتا البتہ اس بیکراں سمندر سے ایک قطرہ ہی کافی ہے۔

اس مضمون میں اصل موضوع پر گفتگو کرنے کے ساتھ ساتھ قرآن اور عرفان کے در میان رابطہ کو بھی بعض آیات وروایات کی روشنی میں بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ عرفان کے وجود میں آنے میں ذوق کا بھی بڑااثر رہا ہے اوراس لئے یہ موضوع اہمیت کا حامل ہے کیونکہ بعض افراد عرفان کے بارے میں غلط تصور رکھتے ہیں اور عرفان کو قرآن و شریعت کے مقابلے میں لاکر کھڑا کردیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ عرفان کا تعلق انسان کے ذوق سے ہے، حالانکہ ذوق کو حق کی معرفت کا معیار قرار نہیں دیا جاسکتا۔

#### تمام امكاني فيوضات كاسر چشمه

عالم امکان میں حضرت ختمی مرتبت کی ذات والا صفات مرفیض کا سرچشمہ ہے۔ ساری کا ئنات اور عالم امکان میں رسول خدا کا مقد س وجود ہی ایسا ہے جس کا کوئی ثانی نہیں ہے کیونکہ پہلے نبی سے لے کرآخری نبی امکان میں رسول خدا کا مقد س وجود ہی ایسا ہے جس کا کوئی ثانی نہیں ہے کیونکہ پہلے نبی سبجی کا سرچشمہ سکت اور اس کے علاوہ دوسرے لوگ جو بھی حقائق و معارف اور فیوضات حاصل کرتے ہیں سبجی کا سرچشمہ حضرت ختمی مرتبت گاوجود ہے اور بیرایک برمانی، عرفانی اور قرآنی حقیقت ہے۔

# انسان كامل كے وجود كاعقل بسيط سے اتحاد

صدرالمتالھین نے عاقل و معقول کے در میان اتحاد کی بحث میں عقل اول کو عقل بسیط سے تعبیر کیا ہے اور انسان کامل بھی اسی عقل بسیط کے ساتھ وجودی اتحاد پیدا کرتا ہے، اسی لئے نظام ہستی کے تمام موجودات اس کا جزو قراریاتے ہیں کیونکہ اذا کان العقل کان الاشیاء۔ ترجمہ: عقل اول ہی سے اشیاء کا

وجود ہے، کومد نظر رکھتے ہوئے انسان کامل کا عقل بسیط سے بیہ اتحاد ہو نا محی الدین ابن عربی کی فرمائشات سے کہیں زیادہ بالاتر ہے، جہاں آپ ہباء کی بحث میں فرماتے ہیں:

فلم یکن اقرب قبولا فی ذلک الهباء الاحقیقة محمد المساة بالعقل، فکان سید العالم باسره (فکان مبتدء العالم باسره) و اول ظاهر فی الوجود، فکان وجوده فی ذلک النور الهی و من الهباء و من الحقیقة الکلیة و فی الهباء و جد عینه و عین العالم من تجلیه و اقرب الناس الیه علی ابن ابی طالب امام العالم و سرالانبیاء اجمعین ترجمه: بهبل عبارے میں قریب ترین قابل قبول معنی سوائے حقیقت محمد یہ کی تحمد نہیں جس کا نام عقل ہے، چنانچہ آپ مکل طور سے سید کا ننات ہیں (آپ مبداکا ننات ہیں) ظاہر ہونے والے پہلے وجود ہیں، آپ کا وجود نورخدا سے ہے، آپ کا وجود حقیقت کی ہے، آپ کا وجود ہوا، کی تربی سب وجود کے اعتبار سے آپ سب سب علی این افی طالب کا وجود ہے۔ ا

صاحب فتوحات کی نظر میں دو ہی لوگ اس عالم امکان میں ہباء کے مرتبہ پر فائز ہیں، ایک خاتم الانبیاء اور دوسرے سید الاوصیاء ۔ ہباء اللہ تعالی کے ناموں میں سے ایک نام ہے اور حضرت ختمی مرتبت کی ذات والا صفات اپنے وجود، اعتدال مزاج اور ذاتی قابلیت کے اعتبار سے اپنے سیر صعودی میں اللہ تعالی کی ذات سے متصل ہوجاتی ہے جو نظام ہستی کے تمام موجودات کا سرچشمہ ہے اور پھر تمام موجودات اس کے وجود کا جز ہوجاتے ہیں:

قُل لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمَاتِ رَبِّي لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ أَن تَنفَدَ كَلِمَاتُ رَبِّي وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهِ مَدَدًا- ترجمہ: آپ کہہ دیجئے کہ اگر میرے پروردگارے کلمات کے لئے

ا۔ ابن عربی، محی الدین،الفتوحات (ج1)، ص ۱۲۹

سمندر روشنی بن جائے تو کلمات رب کے ختم ہونے سے پہلے ہی سارے سمندر ختم ہو جائیں گے چاہےان کی مدد کے لئے ہم ویسے ہی سمندر اور بھی لے آئیں۔ ا

یقینااس نظام ہستی میں حضرت ختمی مرتب کے وجودِ مقدس کے علاوہ کسی کو یہ مقام حاصل نہیں ہے اور صاحب فتوحات کے قول کے مطابق دولوگ ہباء کے مقام پر فائز ہیں ایک خاتم الانبیاء اور دوسرے سید الاوصاء ، لیکن سید الاوصاء حضرت امیر المومنین تابع ہیں جبکہ حضرت خاتم الانبیاء اس عالم امکان میں اصل وفرید ہیں۔

#### حقيقت محديد ياعالم امكان كايبلا وجود:

جناب صائن الدين على بن محمه تُركه اصفهاني اپني كتاب تمهيد القواعد ميں لکھتے ہيں كه:

ثم ان الذات باعتبار اتصافها بالوحدة الحقيقية تقتضى تعيناً يسمى باصطلاح القوم بالتعين الاول تارة و بالحقيقة المحمدية احرى ـ ترجمه: ذات ، حقيقت وحدت سے متصف ہونے کے اعتبار سے متقاضی ہوئی تعین کی، جس کو علماء کی اصطلاح میں کبھی موجود اول اور کبھی حقیقت محمدی کہاجاتا ہے۔ ا

اس لحاظ سے وحدتِ حقیقی، مطلقہ تشخص سے جدا نہیں ہے بلکہ تعین اور لا تعین کے در میان کی ایک لکیر ہے، لہذا اگر مطلقہ تشخص کو ایک ذات اور وحدتِ حقیقی کو وصف تصور کیا جائے تو ذات کا تعین اس وحدتِ ذاتیہ سے اتصاف کے اعتبار سے ہوگااور اہل معرفت کی اصطلاح میں اس تعین کو پہلا تعین نام دیا گیا ہے اور کبھی کبھی اسی کو حقیقتِ محمد یہ کے نام سے جانا جاتا ہے۔

اس تعین کواس لئے حقیقت محمریہ کہتے ہیں کیونکہ انسانِ خاتم اپنے وجود کے ارتقاء واعتلاء اور صعود و عروج میں خداکے اذن سے تمام موجودات سے برتر ہے اور اس وحدتِ حقیقیہ میں فانی ہوجاتا ہے اور درسے موجودات اس کاجز قرار پاتے ہیں۔ آنخضرتؑ کاارشاد ہے:

ا \_ سوره کہف، آیت ۱۰۹ ۲\_ علی ترکد اصفهانی، صائن الدین، تمہیدالقواعد، ص ۱۲۹

اول ما حلق الله العقل و انا العقل: ترجمه: الله تعالى في سب سے پہلے عقل كو خلق فرمايا اور ميں ہى عقل ہوں۔

یہاں پر" انا العقل" سے بیہ مراد نہیں ہے کہ آپ کے وجود کی حد عقل ہی تک ہے بلکہ آنخضرت کے حدوث کے بعد اس تعبیر کے ذریعہ اپنی صعودی شان کی خبر دی ہے۔ کیاالیا نہیں تھا کہ جب آنخضرت کے حدوث کے بعد اس تعبیر کے ذریعہ اپنی گئے جہال جبر کیل نے ان سے عرض کی:

لو دنوت انملة لاحترقت ـ ترجمہ: اگر انگل کی ایک پورکے برابر بھی آگے بڑھاتو

خاکشر ہو جاؤ نگا۔<sup>ا</sup>

اور آنخضرت نے بھی فرمایا:

لی مع الله وقت لا یسعنی فیه ملک مقرب و لا نبی مرسل ترجمہ: اللہ کے ساتھ میر اایک وقت ہے،اس میں کسی کی گنجائش نہیں نہ فرشتہ مقرب کی اور نہ نبی مرسل کی۔ ۲

فرشتے اور نبی مر ایک سیاقِ نفی میں نکرہ ہیں جو آنخضرت کو بھی شامل ہے جنہوں نے تمام تعینات کو اپنے اندر سمولیا ہے۔ صحف عرفانیہ میں اس مرتبہ کو "مقامِ فوقِ خلافت" سے تعییر کیا جاتا ہے کیونکہ سفارت کے لحاظ سے خلافت خلق کی طرف رجوع کرتی ہے اور ایسے مقام پر سلطان کا ظہور، ولایت مطلقہ ہے۔

شے کی شیئیت اس طرح سے ہے کہ انسان ایک طرف سے صعودی ترقی پاتا ہے تواسے عروج ملتا ہے اور وہ مقامِ فعلیت تک پہنچ جاتا ہے اور جوانسان مقامِ فعلیت تک پہنچ جاتا ہے وہ ام الکتاب اور امام مبین ہوتا ہے۔ اگراس کا نفس کامل ہوتا ہے تو قدسی روح کامالک اور اس آیت کا مصداق قراریاتا ہے:

وَكُلَّ شَيْءٍ أَخْصَيْنَاكُ فِي إِمَامٍ مُّبِينٍ۔ ترجمہ: اور ہم نے مرشے كوايك روش امام میں جمع كرديا ہے"۔

ا ـ حسن زاده آملی، حسن ،مزار و یک نکته ، ص ۱۱۹

٢\_الضاً

۳\_سوره لیس،آیت ۱۲

راه است لا)

اور اگر انسان کا نفس کامل نہ ہوگا جیسا کہ اکثر لوگ اسی زمرے میں آتے ہیں تو وہ اعتلائے وجودی پیدا کرے گااور امام سے اپنے وجودی تقرب اور اپنے اچھے اعمال کے ذریعہ اس کے نورسے روشنی لے گا۔

#### حضرت ختمی مرتبت سے تمام نوری کلمات (وجود) کا تعلق وارتباط:

اول سے لے کرآخر تک سبھی ختمی مرتبت کے وجود اور ان کی حقیقت سے استفادہ کرتے آرہے ہیں جس کی حقیقت نور محمر ہے اور یہی نور عقل اول ہے جس کے نور سے تمام انبیاء نے روشنی لی ہے۔ وہ تمام انبیاء اسی نور کے مختلف شعبے ہیں اور جتنے بھی علوم اور حقائق و معارف انسانوں تک چنچتے ہیں سب کے سب انبیں کے وجود سے ارتباط رکھنے کی وجہ سے ہے۔

# موجودِ المل اوراسم الله كامكل مظهر:

نوع انسانی کے لحاظ سے آنخضرت اشرف المخلوقات ہیں لیکن شخصیت کے لحاظ سے وہ الهی کمالات کا مکل مظہر، عالم امکان کا محور اور امام عصر ہیں اور انہیں نوعِ انسانی کی اکمل فرد کہا جائے گالہذا سبھی ان کے وجود کے گرد ہیں اور وہ تمام لوگوں کا قبلہ ہیں۔

مر نبی اسم کلی کا مظہر ہوتا ہے اور مرکلی اسم، اسم اعظم ہے اور چونکہ اسم اعظم ایک نسبی امر ہے لہذا یہ تمام اسمائے اعظم اسم جلالہ "اللہ" کے ماتحت ہوں گے اور جواللہ کا ممکل مظہر ہے وہ حضرت خاتم الا نبیاء ہیں اور اسی اکملیت کی وجہ سے وجود ان کی ذات سے شروع ہوا یعنی سب سے پہلے مرحلہ میں حضرت ختمی مرتبت کی روح وجود میں آئی (جے اہل حکمت عقل کہتے ہیں اسے اہل عرفان روح کہتے ہیں) اور وہ عقل اول اور پہلی تخلیق آنخضرت کی روح ہے، اسی لئے آپ اپنے بارے میں خبر دیتے ہیں کہ میں صعود وار تقاواعتلا کے سفر کے دوران عالم اجسام سے گزرتا ہوا، عالم مثال سے ہوتا ہوا، عالم نفوس و عقول سے گزرتا ہوں۔ پہلی تخلیق میری روح ہے اور میں صعودی طور پر اس سے مل جاتا ہوں اور اس سے متحد ہو کر خود وہی ہوجاتا ہوں۔

انسان کا نفسِ ناطقہ عقل بسیط سے اتحادِ وجودی پیدا کرنے کی قابلیت رکھتا ہے۔ انسانِ کامل مثلاً جناب ختمی مرتبت جو قطب الاقطاب ہیں ، صعودی اور عروجی طور پر روح عالم سے متصل ہوجاتے ہیں اور الی صورت میں تمام عالم ان کے جسم کی منزل میں ہوتا ہے۔ آپ خود فرماتے ہیں

كه "كنت نبيا و آدم بين الماء والطين" - اور دوسرى جله خبر دية بي كه "اول ما خلق الله العقل " - آپ كا نات كى فرض غائى بوجاتے بين اور سلسله نبوت ورسالت آپ كى ذات پر ختم بوتا ہے -

نازل شدہ تمام آسانی کتابوں میں صرف حضرت ختمی مرتبت کی کتاب یعنی قرآن "جمع" ہے، اور تمام ماسلف انبیاء کی کتابیں فرقان ہیں اور حق و باطل کے در میان امتیاز کرنے والی ہیں۔ قرآن کریم جامع اور جمع ہے اور دوسرے انبیاء کی کتابیں اور ان کی تفصیلات فرقان ہیں وہ نہ قرآن ہیں اور نہ جامع و جمع ہیں۔ جامع اسے کہتے ہیں جو تمام چیزوں کو اپنے اندر سمولے جبیا کہ خود حضرت رسول خدا کی ذات گرامی بھی ایسی ہی ہے۔ وہ اپنی نبوت میں خاتم ہیں اور ان کی کتاب بھی خاتم ہے، قرآن ہے، جامع ہے۔ اس میں اب کوئی ایساخلا باقی نہیں ہے جسے کسی چیزسے پر کیا جائے بلکہ یہ قرآن جمع ہے اور دیگر کتابیں اس کی صورت اور اس کی تفصیل وفرقان ہیں۔

#### وجودِرب يرسب سے آسان دليل:

بنی نوع بشر میں حضرت ختمی مرتبت کی ذات گرامی سب سے اکمل ہے الہذا یہ خود اپنے رب کی سب سے بہترین دلیل ہے۔ سب سے بہترین دلیل کیوں؟ کیونکہ تمام موجودات نشانیاں ہیں اور ہم وجود اپنی اصل کو بیان کرنے کاذر بعہ ہے تو وہ موجود جو وسعت کے اعتبار سے اپنی اصل کو بتاتا ہے، جب ہم وجود اپنی اصل کو بیان کرنے کاذر بعہ ہے تو وہ موجود جو تمام موجود ات سے برتر ہے اور اسم اعظم الهی ہے، وہ پر وردگار کی بہترین ولیل ہوگا، جبیبا کہ آپ نے خود فرمایا: "أعطیتُ جَوامع الکِلَم" یہ ختمیت کے راز کی طرف اشارہ ہے کیونکہ وہ جوامع کلم کے حامل ہیں اور جو جوامع کلم کا حامل ہوتا ہے وہ مقام ختمی رکھتا ہے۔ جو کچھ حضرت داود، حضرت سلیمان، حضرت نوح اور دیگر انبیاء کے پاس تھاان میں سے ہم ایک کلمہ، اسم اعظم کا اسم کلی تھاجود وسرے کلمات کو اپنے اندر لئے ہوئے تھا۔ حضرت فرماتے ہیں" اعطیت جوامع الکلم" یعنی تمام اشیاء کی حقیقوں کا علم مجھے دیا گیا ہے اور قرآن کا ارشاد ہوتا ہے: و عَلَّمَ آذَمَر الاسماء کُلِّها الیہ تمام باتیں ختمیت کے راز کو

ا \_ سوره بقره ، آیت ۳۱

\_

راه اسک لا)

بیان کررہی ہیں کیونکہ کوئی شخص "اعطیت جوامع الکلم" نہیں کہہ سکتا سوائے حضرت ختمی مرتبت کے للذاآب بہترین دلیل ہیں۔

چونکہ اپنے مدلول پر دلیل کی دلالت ذاتی ہوتی ہے اور اسے کسی دوسرے کی ضرورت نہیں ہوتی ہے لہذا رسول خدا کی اپنے رب پر دلالت ذاتی ہے اور بید دلالت کسی دوسرے کی مختاج نہیں ہے ، جب کہ دوسرے موجودات کے لئے ایسانہیں ہے اور ان سے کوئی چیز اس وقت تک صادر نہیں ہوسکتی جب تک کہ وہ ترے خضرت کے وجود سے فیض نہ حاصل کرلیں۔

دلیل جتنی زیادہ اپنے مدلول سے نزدیک ہوگی اتنی ہی اس کی دلالت بھی واضح اور روشن ہوگی اور دلیل جتنی زیادہ اپنے مدلول سے دور ہوگی اتنی ہی زیادہ اس کے لئے مقدمات کی ضرورت ہوگی اور اس میں ابہام پایا جائے گا اور ہم کو یہ معلوم ہے کہ کلماتِ وجودیہ سبھی رب پر دلالت کرتے ہیں لیکن کوئی بھی کلمہ خاتم الانبیاء جتنا رب سے نزدیک نہیں ہے لہذا آ مخضرت کا مقدس وجود، باری تعالیٰ پر سب سے آسان دلیل ہے۔

#### رسول خاتم كاوجود كامل اور عبوديت تامه كي ضرورت:

رُسولِ فاتم کاوجود ممکل بندگی کا حامل ہے اور اپنے اعتلائی وجود میں "اول ما خلق" ہے اور سبھی موجودات ِ خارجی کے تمام نوری کلمات اسی نور سے نکلے ہیں لہذا خداوند عالم نے رسول اللہ کو فاعلیت کار تبہ دیا ہے جو تمام اہل عالم کے فیض کا سبب ہے جس کی وجہ سے تمام ارواح اور ان کے مظاہر وجود میں آئے ہیں۔ آنخضرت کی فاعلیت کار تبہ اور اس کی تا ثیر کا مقام وہی المی خلافت ہے۔ آنخضرت "خلیفۃ اللہ" اور خدا کے حکم سے مقام "کن" کے حامل ہیں لہذا کا نئات میں تصرف کا حق رکھتے ہیں اور جیسے ہی چاہتے ہیں وہ فعل محقق ہوجاتا ہے۔ صاحب فتوحات آنخضرت کے بارے میں لکھتے ہیں کہ "اب الاکوان بفاعلیة و ام الامکان بقابلیة" ۔ یہی فاعلیت کار تبہ ہے اور یہ جانا چاہیے کہ فاعلیت کار تبہ عبودیت کے لحاظ سے متاخر سے کیونکہ عبودیت میں قابلیت اور انفعال کا پہلویا یا جاتا ہے۔

#### حقیقت ِ محمری پاشب قدر:

حقیقت و فطرتِ محدی، قرآن کے نزول کاظرف ہے" انا انزلناہ فی لیلة القدر"۔ اوہ ظرف لیلة القدر ہے لیکن قرآن اس لیلة القدر کے زیر سایہ نازل نہیں ہوا بلکہ وہ اس جگہ نازل ہوا جہاں وہ مسقر ہے لیمن "مزل فیہ" ایک ایسا ظرف ہے جس نے قرآن کو اپنے دامن میں لے لیا ہے تواب "منزل فیہ" کا واقعی مصداق کون ہے؟ مفسرین قرآن کہتے ہیں کہ "انا انزلناہ فی لیلة القدر هی البنیة المحمدیة" یا ہے کہتے ہیں کہ نزول کاظرف محدگا سینہ ہے جس نے قرآن کو اپنے دامن میں لے لیا ہے۔

انسانِ کاملِ خاتم کادل عرش الرحمان ہے اور سب سے وسیع دل ہے۔اس بارے میں آیت اللہ حسن زادہ آملی دامت برکانة فرماتے ہیں:

ليلة القدر هي بنية الانسان الكامل اى القلب الذى هو عرش الرحمن و هو اوسع القلوب قوله سبحانه "نُوَلَ بهِ الرُّوحُ الأَمين عَلَى قَلْبِك" و قوله تعالى شانه "إنّا القلوب قوله سبحانه "نُوَلَ بهِ الرُّوحُ الأَمين عَلَى قَلْبِك" و قوله تعالى شانه "إنّا مَين كَلَ الْمَرْحُ لَكَ الْوَلْمَانُ فَي لَيلَةٍ مُبَارَكَةٍ "و هو الصدر المشروح، قوله عز من قائل "الم نُشرَحُ لَك صدرك" "فليلة القدر هي صدر الخاتم اى البنية المحمدية والقدر هو عظم منزلته و خطره و شرفه صلوات الله و سلامه عليه و هذا الصدر ينبغي ان يكون منز لا فيه و منز لا اليه و قابلا و حاملا قول جل و على "إنّا سَنُلقى عَلَيك قولاً ثقيلاً" و حملة الامر ان القرآن الكريم انزل دفعة في ليلة القدر المباركة الزمانية في ليلة القدر المباركة الختمية التي هي صدر سيدنا محمد رسول الله اقرا و ارقه -

ا ـ سوره قدر، آیت ا

۲\_سوره شعراء ، آیت ۱۹۳ ، ۱۹۴

س\_سوره دخان،آبیت س

م-سوره الشرح، آيت ا

۵۔سورہ مزمل، آیت ۵

راه اسک لا)

ترجمہ: لیۃ القدر بی انسانِ کامل کی بنیاد اور حقیقت ہے یعنی ایسادل جوعرش الرحمٰن اور سب سے وسیع دل ہے ۔ خداوند عالم فرماتا ہے: "روح الامین (جبرئیل) نے قرآن کو تمہارے قلب پر نازل کیا ہے"۔ اسی طرح ارشاد ہوتا ہے: "ہم نے قرآن کو ایک مبارک رات میں نازل کیا ہے" ۔ وہ وہی (صدر مشروح) کشادہ سینہ ہے جس کے بارے میں خداوند متعال کاارشاد ہے: "کیا ہم نے تمہارے سینہ کو کشادہ نہیں کیا" ، البذالیلۃ القدر حضرت خاتم کا سینہ ہے اور ایسا ہی سینہ ، منزل فیہ اور منزل الیہ اور قابل وحامل ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ خداوند متعال کاارشاد ہے" ہم عنقریب تم پر ایک بھاری حکم نازل کریں گے"۔ قرآن کو کہ کے اس خلاصہ کا مطلب یہ ہے کہ شب قدر جیسی مبارک رات میں یہ قرآن پوراہمارے سیدوسر دار لیعنی محمد رسول اللہ پر نازل ہوا ہے۔ ا

مقاماتِ حقیقی کی معرفت اورانسانی شرح صدر کو مد نظر رکھتے ہوئے روایات سے جو نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے وہ یہ ہے کہ لیلۃ القدر سے مراد حضرت خاتم ہیں جو "منزل فیہ" اور "منزل الیہ" کے مصداق ہیں جو حقیقت میں ایک ہی ہیں اور "منزل فیہ" سے مراد آنخضرت کا کشادہ سینہ ہے، اگرچہ اس کا ظرفِ زمان، عضری خلقت کے اعتبار سے انہی متعارف راتوں میں سے کوئی ایک رات ہے اس لئے کہ جامع حقیقت کا نئات جو لیلۃ القدر اور یوم اللہ ہے اس مادی خلقت کے اعتبار سے منزل "متی" میں ہے اور اس کا عضری وجود ظرفِ زمان ہے للذا"منزل فیہ "حقیقت میں آپؓ کا صدر مبارک ہے اور مقام قلب، اشیاء کے شہود کا تفصیلی مقام ہے جس کا مقام روح کے بعد کا ہے اور مقام روح خود مقام جامع ہے۔

#### انسان کی حقیقت

آنخضرت "الانسان" کی حقیقت ہیں لینی ایک ایسا مکل فرد جو انسانی حقیقت کا جامع اور قطب الا قطاب ہے۔ آپ تمام انبیاء، تمام اولیاء اور تمام الهی سفیروں کے محور ہیں۔ سبھی انہیں کے وجود ختمی کی روشنی اور ضیاء سے استفادہ کرتے ہیں۔ خاتم الانبیاء اس نظام ہستی میں اسم "اللّه" کا مظہر ہیں۔ ان کے ختمی ہونے کا مطلب ختم زمانی نہیں ہے، وہ امام الکل فی الکل ہیں اور چونکہ آپ مرکز اور ججت اللّه ہیں

ا ـ شرح فص حكمت عصمتيه، ص ٢٧٥

اس لئے دوسرے لوگ ان کے گرد ہوتے ہیں اور سبھی اسی حقیقت کی طرف راجع ہیں۔ اس عالم میں تکوین کے لحاظ سے ایک ہی محور و مرکز ، ایک ہی نقطہ ، ایک ہی مقام اور ایک ہی شخص کا وجود پایا جاتا ہے، دو قطب ہونے کا کوئی مطلب ہی نہیں ہے لہٰذااس عالم امکان میں صرف ایک ہی مرکز و مقام ہے اور یہ مقام نا قابل تقسیم ہے، یہ نزول کے لحاظ سے کلمہ علیا اور اسم اعظم اور عروج کے لحاظ سے لیاۃ القدر اور اسی طرح یوم اللہ اور یوم ظہور ہے۔

#### "اوادنیٰ" کی منزل

حضرت خاتم الانبیاء کی سیر، انسانی سیر کی انتها ہے جس کے آگے تصور ناممکن ہے۔ یہ صدی سیر ہے جہاں کسی طرح کی کوئی خالی جگہ کسی اور کے لئے نہیں ہے۔ جس طرح آنحضرت کی نبوت صدی ہے اسی طرح آپ کا قرآن بھی صدہے جس میں دوسری کتاب کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے۔ اگرچہ "قاب قوسین" طرح آپ کا قرآن بھی صدہے جس میں دوسری کتاب کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے۔ اگرچہ "قاب قوسین او اُدنی" اُ کامقام بہت ہی اہمیت کا حامل ہے، "وھو بِالاُفْقِ الاَعلی ثُمَّ دَنَا فَتَدَدُ بِّی فَکَانَ قَابَ قَوسَینَ اَو اَدنی" اُ لیکن 'او اَدنی" کی منزل بھی خاتم الانبیاء ہے مختص ہے جس کے بارے میں کچھ کہنا بہت دشوارہے اور اس کا سمجھنا بھی انسان کے لئے آسان نہیں ہے۔

انسان معلول ہے اور معلول، واقعی علت تک نہیں پہنچ سکتالیکن ایبا بھی نہیں ہے کہ انسان مبداعالم کے سلسلہ میں علم شہودی حاصل نہیں کر سکتا ہے۔ انسان بحر وجود کا ایک حصہ اور اس سے وابستہ ہے اور اپنے وجود کی وسعت کے لحاظ سے اس ہستی کے دریائے بیکراں سے مطلع ہو سکتا ہے۔ دنیا میں موجود تمام چیزیں، اس کا نئات کا ایک حصہ ہیں اور اپنے وجود کی وسعت کے اعتبار سے ایک باریک نہر کی طرح ہیں۔ دوسری نہریں ممکن ہیں اس سے بڑی ہوں۔ اسی طرح آگے بڑھتے رہیں تو اس وجود تک پہنچیں گے جو اس کا نئات کا بحر بیکران ہے اور سبھی ہے چاہتے ہیں کہ اپنے کو اس تک پہنچالیں" واُنَّ إِلَیٰ دَیِّكَ الْمُنتَقَعٰیٰ "۔" بیہ حضرت ختمی مرتب سے خطاب ہے اور سبھی ان سے ملحق ہو نا چاہتے ہیں۔ پہلے نبی سے لے کرآخری نبی اور ولی تک جنتے بھی ہیں۔ پہلے نبی سے لے کرآخری نبی اور ولی تک جنتے بھی ہیں۔ پہلے نبی سے لے کرآخری نبی اور ولی تک جنتے بھی ہیں سب کے سب اسی دریائے بیکران سے فیض حاصل کرتے ہیں۔

ا۔ سورہ نجم، آیت ۷-۹ ۲۔ سورہ نجم، آیت ۴۲ راه اسک لا)

#### امير المومنين كي نظرمين خاتم الانبياء كي ب مثال شخصيت:

حضرت امير المومنينً نے نبی اکرمٌ کو سپر دخاک کرنے کے بعد فرمایا:

اللهم هذا اول العدد و صاحب الابد، نورک الذی قهرت به غواسق الظلم و بواسق العدم و جعلته بک و منک و الیک، و علیک دالا دلیلا روحه نسخة الاحدیة فی اللاهوت .... و قلبه خزانة الحی الذی لایموت، طاوس الکبریاء و حمام الحبروت ترجمہ: پالئے والے! بیر پہلا وجود ہے .... بیر تیرا نور ہے جس کے ذریعہ تو نے تاریکی و ظلمت کو ختم کیا۔اس وجود کو تو نے خلق کیا، بیر تجھ سے ہے، تیرے ساتھ ہے اور تیری طرف پلٹ کر جائے گا۔اس کی دلیل سب سے محکم دلیل ہے۔اس کی روح مظہر احدیث ہے...اس کا دل اسرار کا خزانہ ہے۔وہ طاوؤس کبر با اور کبوتر ملکوت ہے۔ا

اسی سے مثابہ جملہ ہم زیارت جامعہ کبیرہ میں پڑھتے ہیں: ''بِکُم فَقَحَ اللهُ وَ بِکُم یَحتِمُ''، لیمی خداوند سجان نے آپ کے واسطہ سے اس کا نئات کو بنایا اور افتتاح کیا اور آپ ہی پر کتاب خلقت کو ختم کیا۔ یہ بات آل مُحرَّکے اسرار پر دلالت کرتی ہے کہ ہر چیز انہی اسرار کے ذریعہ شروع ہوتی ہے اور ہر چیز کا خاتمہ بھی انہی اسرار پر ہوگا۔

"اول العدد" ہے مراد وجوداول بھی ہوسکتا ہے کیونکہ مجلی اعظم اس نظام ہستی کاوجودِ اول ہے لیعنی پہلی الیمی تکثیر جوحق تعالی کی مجلی کے سبب اس کا ئنات میں واقع ہوئی ہے۔ مقام واحدیت میں تکثر اور تمایز اور تمایز علین تکثیر اور حقیقت ِمحمہ یہ ہوگاوہ اعیانِ ثابتہ ہے کہ جس سے اساء کی کثرت مراد لی گئی ہے۔ وہ خلیفہ حق جو اسم اعظم اور حقیقت ِمحمہ یہ ہوگاوہ اساء اور صفات کی کثرت کا حامل ہوگا۔ یہ کثرت تمام کثرات کا مبدااور تمام افعال کا منشااور تمام خیرات و برکات کی کلید ہے اور تمام خلقی تعینات کا مبدا بھی وجودی مرتبہ ہے۔

آپ نے جو فرمایا کہ نور ک الذی قهرت به غواسق الظلم و بواسق العدم۔اس کا مطلب بیہ ہے کہ تمہاری بیہ تجل اور تمہارا یہ نور ایک ایسی حقیقت ہے جو ظلم کی تاریکیوں پر غلبہ پالیتی ہے اور چونکہ تعین اول،

ا ـ مزار و يك نكته ، ص ۲۴۴

عقل اول، صادرِ اول اور خلق اول ہے لہذا اس کے وجود کے واسطہ سے خارج میں عدم کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ شاید اسی وجہ سے قرآن نے آپ کو سراج منیر کے نام سے یاد کیا ہے:

یَا أَیُّهَا النَّبِیُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِیدًا ﴿٤٥﴾ وَدَاعِیًا إِلَى اللَّهِ بِإِذْنِهِ وَسِرَاجًا مُّنِیدًا - ترجمہ: اے پیغمبر ہم نے آپ کو گواہ، بثارت دینے والا، عذاب اللّٰی سے ڈرانے والا اور خداکی طرف اس کی اجازت سے دعوت دینے والا اور روثن چراغ بناکر بھیجاہے۔ ا

پھر آپ نے فرمایا: "و علیک دالا دلیلا"۔ نظامِ مستی کے تمام وجودی کلمات الهی نشانیاں ہیں۔مر وجود اپنی وسعت کے اعتبار سے اپنی اصل کی شناخت کا ذریعہ ہے لیکن وہ اسم اعظم جو تمام کلمات کا مجموعہ ہے وہ وجودِ حق تعالی پر بہترین دلیل قرار پائے گا۔وہ ایسی حقیقت ہے کہ عالم امر اور عالم خلق میں اس کی مثال نہیں ہے۔

پھرآپ نے یہ فرمایا کہ "و قلبہ عزانة الحی الذی لایموت "۔ وجودِ ختمی کے پاس خدا کے اذن سے مفاتیح غیب ہوتا ہے اور اس کا عرشی دل اسرار ور موز البی کا خزانہ اور روح القدس کا مؤید ہوتا ہے اور ملک سے لے کر ملکوت تک تمام مراتب اسی انسانی کا مل کے ہوتے ہیں۔ اسی وجہ سے وہ بنی نوع انسانی کے قافلہ کا امام ہوتا ہے، جس کے سفر کی غایت و انتہا صراط متنقیم لیمی صراط الی اللہ ہے تاکہ دوسرے افراد اس سے تقرب عاصل کرکے اپنے انسانی کمال کو پاسکیں۔ کامل مخلوق کی حقیقت کی وجہ سے الہی اسرار، مظہر میں ظاہر ہوتے ہیں اور کا نئات کے تمام ذرات اور تمام اسرار اسی حقیقت کے سبب سے قائم ہیں۔

#### كمال عصمت

ا گرچہ تمام موجودات الهی کتاب ہیں لیکن انسانِ کامل اور ختمی مرتبتً کا وجود ایک الیی کتاب ہے جو تمام کتابوں کا مجموعہ ہے۔سب سے شریف، منظم، بزرگ اور لطیف ترین آئینہ جو حقیقت نما ہے اور عصمت

ا ـ سوره احزاب، آیت ۲۸ ـ ۵۸

کے درجہ پر فائز ہے، وہ خاتم الانبیاء کا کمالِ طہارت اور کمالِ عصمت ہے۔ یہ خاتم ، نظامِ ہستی میں کمالِ انسانیت، کمالِ عصمت، کمالِ طہارت، کمالِ نبوت اور کمالِ ولایت کا حامل ہے۔

اس لئے اس کا عرشی دل حقائق الهی کامشرق ہے اور بید دل ایسامشرق ہے جس سے حقائق طلوع ہوتے ہیں الہذا وہ اساء کے حقائق کوروشن کرنے والا ہے لینی وہ القدر کے اسرار سے آگاہ ہو جاتا ہے اور سر القدر الیسے احکام ہیں جو اعیانِ خابت پر متر تب ہیں۔انسانِ کامل اساء کے حقائق کوروشن کرتا ہے اور اس کے ہم طرح کے اسرار سے آگاہ ہو جاتا ہے اور اس سے متعلق احکام کو بیان کرتا ہے، چیاہے وہ تشریعی احکام ہوں یا تکلیفی اور تکوینی احکامات۔

#### وحدت وجودى اور كثرتِ شهودى كامر تبه

انسانِ کامل، مقام جمع وفرق دونوں میں ذاتِ الی کا مظہر اور حق تعالیٰ کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ وہ وحدتِ وجود اور کثرتِ شہود کے مرتبہ پر فائز ہوتا ہے۔ اس کئے ختمی مرتبت خلیفۃ اللہ، انسانِ کامل اور احدیت جمع اور شہود کی حقیقتِ کلی کا مظہر ہے اور تمام فیوضات اور تجلیات پہلے اسی انسانِ کامل تک پہنچتی ہیں پھر وہاں سے اپنے تمام شعبہ جات تک پہنچتی ہیں الہذا یہ انسانِ کامل اور الهی خلیفہ، روح اور عالم امکان کے دل کے مانند ہوتا ہے اور تمام موجود ات اس کے جسم اور رعایا جیسی ہوتی ہیں اور رعایا کے اوپر اس کی اس حقیقت کی رعایت کرنا اپنے درجات کے مطابق لازم ہے اور اپنی اپنی صلاحیت کے مطابق مر ایک کے اوپر اس کی اطاعت کرنا بھی ضروری ہے۔

#### حق تعالی کے تکوینی اساء اور موجودات کی پرورش

کا نئات کی ہر موجود کی عالم اساء کے کسی ایک اسم کے ماتحت تربیت و پرورش ہوتی ہے اگر چہ ان کو بید معلوم نہیں ہوتا کہ وہ کس اسم کے تحت زیر تربیت ہیں اور کس طرح ترقی کر رہے ہیں، چونکہ رسول خداً کا وجود اسم "اللّٰد" کا مکل مظہر ہے اور اسم "اللّٰد" تمام اسائے الی اور صفات کمالی کا مجموعہ ہے لہذا وہ اسم جو خاتم الانبیاء کا مربی ہے وہ یہی اسم "اللّٰد" ہے، یعنی اس کا رب "اللّٰد" ہے اور اسم "اللّٰد" تمام اسائے الی کا کعبہ و قبلہ ہے اور تمام اساء اس کے گرد طواف کرتے ہیں۔ اسی طرح جو شخص اسم "اللّٰد" کا مظہر ہوگا وہ بھی سبجی کا قبلہ و کعبہ ہوگا۔ اللّٰہ کے مظہر کو بھی من جملہ مظامر کا مکل آئینہ ہونا چاہیے کیونکہ آنخضرت اللّٰہ کی

طرف دعوت دینے والے ہیں اور مرنبی ورسول ،اللہ کی طرف دعوت دیتا ہے۔اس لئے مریخیمرایک خاص اسم کا مظہر ہوتا ہے جواسم "اللہ" کے پر چم تلے اپناکام انجام دیتا ہے اور اس طرح تمام انبیاء خاتم الانبیاء کے پر چم تلے قراریاتے ہیں لہٰذاآپ نے فرمایا: "آدم و من دو نه تحت لوائی"۔

#### حضرت ختمی مرتبت کی روحانیت کا سرچشمه

اس بحث میں قابل توجہ نکتہ یہ ہے کہ تمام اولو العزم انبیاء کے لئے ضروری ہے کہ وہ تمام عقلی مراحل اور عوالم سے عبور کرنے کے بعد حق تعالیٰ کے اساء و صفات کی سیر کریں اور اساء کی سیر ، ذات میں فنا ہونے اور محوکے بعد صحو سے ہی حاصل ہوتی ہے۔ البتہ حضرت ختمی مرتبت تمام اساء و صفات کی سیر کرتے ہیں اور دوسرے انبیاء صرف بعض اساء کی سیر کرتے ہیں، لہذا حقیقی اعتدال حضرت ختمی مرتبت کی خصوصیات میں سے ہے اور دیگر انسیاء ان کی تجلیات اور حسنات سے ہیں۔

آ مخضرت اس مقام تک پہنی گئے کہ خبر دیتے ہیں: ''لی مع الله وقت لا یسعُنی فیه ملک مقرب و لا نبی مرسل'' ۔ اس مرتبہ کے بعد کوئی صعودی منزل باقی نہیں رہ جاتی سوائے مقام احدیت کے۔

#### حضرت ختمی مرتبت کاوجود، فیض کاذر بعه

تمام فیوضات کا مبدا، وماوی رب العالمین کی ذات ہے۔ وہی جود و کرم کا دروازہ اور نور کا مرکز ہے اور رسول خداً یقیناً ان فیوضات کا ذریعہ ہیں، انہیں کے نور کے ذریعہ کا ئنات کے حقائق ظاہر ہوتے ہیں، جیسا کہ حدیث قدسی میں ذکر ہواہے کہ "لولاک لما حلقت الافلاک" لہ

#### آله اور واسطه میں فرق:

یہ معلوم ہونا چاہیے کہ واسطہ اور آلہ کے در میان تباین کی نسبت پائی جاتی ہے۔ وجود کے طولی سلسلہ میں جب بھی واسطہ کی گفتگو ہوگی تو یہ واسطہ اپنے سے بالاتر مراتب کے لئے معلول اور اپنے سے نچلے مراتب کے لئے علت ہوگا۔

ا ـ بحار الانوار (ج۲۸)، ص ۲۵

نظام کا نتات کا سلسلہ حق تعالی کے علم عنائی پر استوار ہے الہذام بلند مرحلہ اپنے سے پست مرحلہ کے واسطہ ہے۔ واسطہ اسے کہتے ہیں جو اذنِ خدا سے ہم دل میں پوشیدہ رہنے کے علاوہ خود اس میں بھی کچھ تأثیر ہوتی ہے۔ وہ بلند مرحلہ اپنے سے پست مرحلہ کے لئے علت ہے اور اس فیض کا واسطہ بھی ہے جو اعلی سے صادر ہوتا ہے اور بہ عمل آلہ کے برخلاف ہے۔ جو کچھ فاعل کے اندر ہے وہ آلہ میں نہیں ہوتا، آلہ صرف ایک آلہ ہی ہے لیکن واسطہ میں جو کچھ بلند مرحلہ میں ہوتا ہے وہ اپنے وجودی وسعت کے لحاظ سے واسطہ میں پایا جاتا ہے۔ واسطہ جو کچھ بھی عالی (بلند) مرتبہ سے لیتا ہے اسے اپنے سے بنچے والوں تک پہنچاتا ہے، الہذا واسطہ وہ شخص ہوگا جو نظام عالم میں علیت اور فاعلیت دونوں کو انجام دے اور جو حضرت امیر المومنین نے نہج البلاغہ میں فرمایا کہ ''فِانًا صَنائِعُ رَبَّنَا وَ النَّاسُ بَعدُ صَنائِعُ لَنَا ''ا۔ اس حقیقت اور واقعیت کو بیان کرتا ہے کہ وہ لوگ فیض پہنچانے کا واسطہ ہیں۔

#### فيوضات ميں واسطه كى ضرورت

اس کا ننات میں فیض کے لئے ختمی مرتب گاواسطہ ہو نااس لحاظ سے ہے کہ حقیقت ہستی سے بلاواسطہ فیوضات کا جاری ہو نا ناممکن ہے۔ عالم امکان ایک بند و تاریک فضا کی طرح ہے۔ آفتاب حقیقت کی شعائیں الی فضامیں بلاواسطہ چمک نہیں سکتیں، حضرت ختمی مرتبت گاوجود ایک آئینہ کی طرح ہے جو باہر سے الی ناریک اور بستہ فضامیں اشراقِ نور کا واسطہ ہے لینی یہ واسطہ آفتاب کے نور کو اس فضامیں منعکس کرتا ہے اور اسے نور آفتاب کے ذریعہ روشن کرتا ہے۔ یہ ایک خدانما آئینہ ہے جو آفتاب حقیقت سے نور کو لے کر اس تاریک فضا کو منور کرتا ہے۔ جب اس فضا کو نور میسر ہوتا ہے تواس وقت اس وجود کے واسطہ اور نور سے خطاب ہوتا ہے:

الَّهُ تَرَ إِلَىٰ رَبِّكَ كَيْفَ مَنَّ الظِّلَّ وَلَوْ شَاءَ لَجَعَلَهُ سَاكِنَّا ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّهْسَ عَلَيْهِ دَلِيلاً ـ ترجمہ: كياآپ نے نہيں ديھاكه آپ كے پروردگار نے كس طرح سايہ كو پھيلا ديا ہے اور وہ چاہتا توايك ہى جگہ ساكن بناديتا پھر ہم نے آفتاب كواس كى دليل بناديا ہے۔ ا

> ا۔ نیج البلاغہ، خط ۲۸ نسب یہ

۲ ـ سوره فر قان، آیت ۴۵

اُس فضائے وجود کانور اِس آئینہ سے ہاور اس آئینہ کانور آفتاب سے ہے۔ اس سربسۃ اور تاریک فضا سے کہا گیا ہے: جو فیض اور نعمتیں تمہارے پاس ہیں اگرچہ وہ اسی آئینہ کے وجود کی برکت سے ہیں لیکن سے جان لو کہ اللّہ نُورُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ اَسِاور اس آئینہ سے بھی کہا وَمَا رَمَیْتَ إِذْ رَمَیْتَ وَلَلْكِنَّ اللّٰهَ رَمَیٰ۔ ا

الہذا حضرت ختمی مرتبت کا مبارک وجود فیض کا واسطہ ہے۔ اگر وہ نہ ہوں تو یہ کا نئات معدوم اور تاریک ہو جائے گی۔"لولاک لما حلقت الافلاک "۔ یہ انسانِ کامل اور یہ الهی خلیفہ ربوبی صفات کا حامل ہو اور وجودی ارتقاء میں اس بلندی تک پہنچ چکا ہے کہ ربوبی صفات اس کے اندر مجلی کیں اور اسی طرح تمام اساء بھی اس کے اندر جمع ہیں۔ وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِیمٍ "۔ ایسا انسان نظام ہستی میں ربوبی صفات کا حامل اور خدا نما آئینہ ہے۔ ایسے کامل انسان کے لئے کوئی نظیر نہیں پیش کی جاسکتی ہے۔

#### خليفة الله اور قطب الاقطاب

خداوند متعال مختلف اساء کا مالک ہے اور مراسم کا اپنا ایک خاص مظہر ہے۔ یہ جزئی اساء اسم اعظم کے ماتحت ہیں اور جو ار تباط اساء کے در میان ہے وہی اساء کے مظاہر کے در میان بھی ہے۔ جس طرح جزئی اساء اسم اعظم کے ماتحت ہوتے ہیں اسی طرح جزئی اساء کے مظاہر بھی اسم اعظم کے ماتحت ہوتے ہیں اور چو نکہ "اللہ" اسم اعظم ہے تو اس کا مظہر بھی تمام جزئی اساء کے مظاہر کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ اور جو نکہ "اللہ" اسم اعظم ہے تو اس کا مظہر بھی تمام جزئی اساء کے مظاہر کو بھی تمام اساء کے مظاہر کا مجموعہ بس طرح اسم اعظم میں منہیں ہے کہ اسم اعظم کے دو مظہر ہوں لہذا اسم اعظم کا مظہر قطب ہوگا لیمنی یہ منزلت صرف ایک فرد کے لئے مختص ہے اور وہ کامل انسان اور کا نئات کا محور رسول خداً کا وجود مبارک ہے مزراسی حقیقت محمد کی "کے نام سے جانا جاتا ہے۔

ا\_سوره نور، آیت ۳۵

۲\_سوره انفال،آیت ۱۷

سر سوره قلم ،آبیت ۴

راه است لا)

دوسرائلتہ یہ ہے کہ تمام کا ئنات خداوند متعال کے جزئی اساء کا مظہر ہونے کے ساتھ ساتھ اس حقیقت کا بھی مظہر ہے اور یہ حقیقت چونکہ اسم اعظم کا مظہر ہے لہذا کوئی دوسری چیز خارج میں الی نہیں ہے جواس مظہر کے ماتحت قرار پائیں گے لہذا یہ حقیقت مظہر کے ماتحت قرار پائیں گے لہذا یہ حقیقت قطب الاقطاب ہوجائے گی۔

#### فاتحة الكتاب اور سوره بقره كے آخرى حصد كو خاتم انبيا سے مخص كرنے كاراز

کامل انسان اور حقیقت ِ محمدی جو که اسم اعظم کا مظہر ہے، ان کے لئے ضروری ہے کہ پوری کا نئات کا نمونہ بھی ان کے پاس ہو اور چونکہ وہ اسم اعظم کا مظہر ہیں، اس لئے انہیں رب اور دوسرے اساء کا مظہر ہو نا چاہئے لیعنی خارجی و نیا میں جو بھی فیض جزئی موجودات کو پہنچ رہے ہیں وہ سب اس کامل انسان کی برکت سے ہیں اور یہ کامل انسان کی برکت سے ہیں اور یہ کامل انسان عبر بھی ہے اور مربی ہے اور جسے رب بھی ہونا چاہیے لیعنی مدہر اور مربی بھی ہونا چاہیے اور چو نکہ اس کی ربوب بھی ہونا چاہیے اور چو نکہ اس کی ربوبیت کادائرہ بہت وسیع ہے اس لئے آپ فرماتے ہیں: حصصت بفاتحة الکتاب و حواتیم سورة البقرة ۔ اس حدیث میں دوبنیادی باتوں کو بیان کیا گیا ہے:

ا۔ خداوند متعال نے فاتحة الکتاب کو مجھے عطا کیا ہے اور دوسرے انبیاء کو نہیں دیا۔

۲۔ خداوند متعال نے سورہ بقرہ کے اختتام کو صرف مجھے سکھایا ہے اور کسی کو نہیں سکھایا۔

رسول خداً کو فاتحة الکتاب سے مختص کرنے کا رازیہ ہے کہ آپ تمام اسائے حسنی اور صفاتِ علیا کے مظہر ہیں اور چونکہ اسم "اللّٰد" وجود کے ظاہر و باطن کا مبدا ہے اور کامل انسان اسی اسم کے توسط سے تمام اساء اور اس کے مظاہر میں متجلی ہے لہٰذا فاتحة الکتاب کے شروع میں فرمایا: "الحمد للّٰد رب العالمین"۔ ارواح واجسام پر مشتمل تمام کا ئنات کا مربی اور یالنے والا یہی الی کلی حقیقت ہے۔

#### بشریت اور ربوبیت انسان کامل کے دو پہلو

یہ کہا جاچکا ہے کہ تمام کا ئنات اللہ کی ربوبیت کے ماتحت ہے اور وہ تمام عالمین کارب ہے۔ اگر کوئی ذات عبد ''اللہ'' اور مظہر ''اللہ'' ہوگی تو وہ بھی اس اعتبار سے رب عالمین ہو گی، چاہے وہ عالم ملکوت ہویا عالم جبروت۔ اگرچہ اسے بشریت کے زمرے میں قرار دیا جاتا ہے اور اس لحاظ سے وہ عبد اور مربوب ہے۔ لہٰذاایٹ کامل انسان کے دو پہلو ہوتے ہیں ایٹ بشریت کا پہلو اور دوسرا ربوبیت کا پہلو۔ خداوند متعال نے دونوں پہلوؤں کی طرف اشارہ کیا ہے۔بشریت کے پہلوکے بارے میں ارشاد ہوتا ہے:

قُلُ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثُلُكُمْ يُو تَىٰ إِنَّيَّ-ترجمہ: آپ کہہ دیجئے کہ میں تمہارا ہی جیسا ایک بشر ہوں مگر میری طرف وحی آتی ہے۔ ا

اوراسی طرح چونکہ بشریت کالازمہ عبودیت ہے لہذااس کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے:

وَأَنَّهُ لَمَّا قَامَ عَبُلُ اللَّهِ يَهُ عُوهُ گَادُوا يَكُونُونَ عَلَيْهِ لِبَدًّا۔ ترجمہ: اور په که جب بندہ خداعبادت کے لئے کھڑا ہوا تو قریب تھا کہ لوگ اس کے گرد ہجوم کرمے گریڑتے۔ ۲

رسول خداً کی عبودیت ایک خاص عبودیت ہے کیونکہ آنخضرت اللہ کے عبد ہیں نہ کہ کسی دوسرے اساء کے ، لہذا انہیں ربوبیت کے مقام میں ہونا چاہیے۔ وہ اپنی حقیقت کے لحاظ سے ربوبیت اور اپنی بشریت کے لحاظ سے عبودیت کے مامل ہیں۔ ربوبیت کے لحاظ سے آپ میں اتنی قدرت ہونی چاہیے کہ پوری دنیا پر تسلط رکھ سکیں اور تمام جہان کو فیض پہنچاتے رہیں۔ لہذا انسان کامل اور ختمی مرتبت میں یہ دونوں صفتیں موجود ہونی چاہیے اور چونکہ ان دونوں صفتوں کا جمع ہونا اصالت کے اعتبار سے مستحیل ہے لہذا ان کی بشریت اور ان کی عبودیت بالا صالہ ہے اور لازمی طور پر ان کی ربوبیت نیابت اور بالتبع ہوگی۔

#### انسان كامل كى خلافت

اب یہاں پر خلافت کامسکہ سامنے آتا ہے کیونکہ انسانِ کامل "اللہ" کامظہر اور خلیفہ ہے اور اس کاکام انجام دیتا ہے۔ اسم "اللہ" کلی اسم ہے اور تمام جزئی اساء سے بالاتر ہے اور جو اللہ کا مظہر ہوگا اس کے لئے ضروری ہے کہ ہر موجود کو اس کی استعداد کے مطابق فیض پہنچائے، لہٰذا اسے تمام الهی اوصاف کا حامل ہونا چاہئے۔ قرآن نے بھی الیمی خلافت و ربوبیت بالتبع کی طرف اشارہ کیا ہے:

ا۔ سورہ کہف،آیت •اا د یہ

۲\_سوره جن ،آیت ۱۹

وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ رَهَىٰ حَرْجِمه: يس تم لو گول نے ان كفار كو قتل نہيں كيا بكہ خدا نے قتل كيا ہے۔

یہ آیت خلافت کی ضرورت کی طرف اشارہ کرتی ہے جس میں خدانے ان کے کام کواپنے سے نسبت دی ہے۔ اس لئے انسان کامل خداوند متعال کے اذن سے پوری دنیا میں اس خلافت کا مستحق ہے۔ پوری دنیا فرشتوں کی تدبیر کے ماتحت ہے۔ فرشتے امور کا نظام کرنے والے ہیں۔ فَالْمُدُرَّدِّوَاتِ أَمْرًا۔ اور انہیں تمام امور کی آگاہی ہونی چاہئے تا کہ وہ امور کو منتظم کر سکیں اور وہ یہ آگاہی اپنے معلم یعنی انسان کامل سے اخذ کرتے ہیں اور اپنے معلم کے سامنے خضوع و سجود کے ساتھ پیش آتے ہیں: فَسَجَدَ الْمُدَلَّدِ کُتُهُمُ اللّٰہ تعالی سے اخذ کرسکیں۔ افر کرسکیں۔ افر کرسکیں۔ افر کرسکیں۔

خداوند عالم نے ملائکہ سے فرمایا:

وَعَلَّمَ آذَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلَائِكَةِ فَقَالَ أَنبِئُونِي بِأَسْمَاءِ هَكُولُاءِ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ـ ترجمہ: اور خدانے آدم کو تمام اساکی تعلیم دی اور پھر ان سب کو ملائکہ کے سامنے پیش کرکے فرمایا کہ ذراتم ان سب کے نام تو بتاؤاگر تم اپنے خیالِ استحقاق میں سجے ہو۔ "

فرشتول نے جواب میں کہا:

قَالُوا سُبُحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا۔ ترجمہ: ملائکہ نے عرض کی کہ ہم تواتنا ہی جانتے ہیں جتنا تونے بتایا ہے۔ " اس وقت خداوند متعال نے انسان کامل سے کہا:

> ا۔ پھرامور کا انظام کرنے والے ہیں۔ (سورہ نازعات، آیت ۵) ۲۔ تو تمام ملا ککہ نے سجدہ کرلیا۔ (سورہ ص، آیت ۲س) سرسورہ بقرہ، آیت ۳۱ ۴۔ سورہ بقرہ، آیت ۳۲

.

# قَالَ يَا آذَهُ أَنبِئُهُم بِأَسْمَائِهِم - ترجمه: ارشاد مواكه آدم اب تم انهيں باخبر كردو- ا

بہ تعلیم نہیں ہے بلکہ انباء ہے وہ بھی بغیر واسطر کے نہیں ہے بلکہ واسطر کے ساتھ ہے، اس لئے تمام فرشتے اس کامل انسان کے سامنے خاضع ہیں اور یہ خضوع تکوینی ہے۔فرشتے امور کا ئنات کے مدہر ہیں اور ان کی تمام قدرت، قادرِ محض سے ہے اور در حقیقت انسان کامل جہان کو چلار ہاہے اور چونکہ یہ انسان کامل فیض رسانی کا ذریعہ ہے اور ضروری ہے کہ اس کے واسطہ ہر حقدار کاحق اس تک پہنچتارہے لہٰذا ہیہ امر الهی نظام میں واجب ہوگا۔ الی نظام میں یہ واجب ہے کہ ایک ایبارابط ہو جس کی وجہ سے حقدار کا حق اس تک پہنچتا رہے پس انسان کامل ضرورت کے طور پر خدا کی طرف سے ہوتا ہے۔

#### سالک کی نظر میں انساء کی وحدت

چو نکہ انسان کامل کا صدور اور ظہور کیار گی میسر نہیں ہے لہٰذاانسان کامل کے نمونہ بتدر بج ظہور پذیر ہوتے رہے۔ بیدافراد جنہیں ہم انساء اور اولیاء کے نام سے جانتے ہیں ،اسی انسان کامل کے نمونے ہیں۔اگر انسان ان لو گوں کو ایک دوسرے سے جدا تصور کرے گا تو بیر مسئلہ سامنے آئے گا کہ کون اول ہے اور کون بعد میں ہے لیکن اگران کو وحدت کی نگاہ سے دیکھا جائے توارشاد ہو تاہے:

لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدِ مِّن رُّسُلِهِ - ترجمہ: ہمرسولوں کے درمیان تفریق نہیں کرتے۔ ا

بہ وہی کثرت پر وحدت کا غلبہ ہونے کا پہلو ہے۔ جیساکہ رسول خدا نے فرمایا: حصصت بفاتحة الكتاب و حواتيم سورة البقرة - دوسر علوك انسياء كومتكثر تصور كرتے بين البته اس معنى ميں نہيں كه انساء کی وحدت و کثرت کا سلسلہ اعتباری ہو بلکہ یہ سالک کی نگاہ پر منحصر ہے۔ جب تک سالک کثرت کی آفرینش میں غوطہ ور ہوتا ہے وہ انساء کو دیکھتا ہے اور کہتا ہے کہ سبھی تشریف لائے ہیں اور اپنے ساتھ خدا کا یغام بھی لائے ہیں لیکن جب کثرت کے مرحلہ سے گزر جاتا ہے اور وحدت کی بلندی تک رسائی حاصل

> ا\_سوره بقره، آیت ۳۳ ۲ ـ سوره بقره ، آیت ۲۸۵

کرلیتا ہے ، تواس وقت وہ کہتا ہے کہ کثرت کا کوئی مطلب نہیں ہے ، صرف ایک حقیقت ہے اور سبھی ایک حقیقت ہیں۔ یہی وحدت میں کثرت کا مفہوم ہے۔

اسی لئے حضرت ختمی مرتب نے فرمایا: میں اس مقام تک پہنچا ہوں کہ مجھ سے وحدت میں کثرت کی زبان میں باتیں کی جاتی ہیں، جب کہ دوسر بے لوگ یہاں تک نہیں پہنچ ہیں اور ان سے کثرت میں وحدت کی زبان میں گفتگو کی جاتی ہے۔ انہیں چند پیغیبر کہا جاتا ہے ، جب کہ مجھے کہاجاتا ہے کہ ان کے در میان کوئی فرق نہیں ہے، لہذا مجھے سورہ بقرہ کے اختتام سے مخصوص کیا گیا ہے۔ میں ایسے مقام تک پہنچ گیا ہوں کہ سبجی کو یجادیکھا ہوں۔

یہ مفہوم دوسری صور توں میں بھی بیان کیا گیا ہے۔ مثلاً یہ کہاجاتا ہے کہ معراج میں سبھی ان کی اقتدا کرتے ہیں، یعنی وہ ایک واحد اور ایک حقیقت اور ایک کامل فرد ہیں اور دوسرے لوگ اس کامل کا پر تو ہیں جو کمالات کے حامل ہیں۔ یہ معنی سورہ بقرہ کی آخری آیات کے مفہوم کے منافی نہیں ہے جس سے حضرت ختمی مرتبت کو مخصوص کیا گیا ہے، آنخضرت مظہریت تامہ کے حامل ہیں اور فاتحة الکتاب اور سورہ بقرہ کے آخری حصہ کو آپ سے مخص کیا گیا ہے۔ اس موضوع کو ممکل طور پر سمجھنا اور اس کے اندر پوشیدہ راز کو دریافت کرنا ہمارے لئے مشکل ہے اور اس کا ممکل فہم خاندان عصمت و طہارت سے مختص ہے۔ اور دوسرے لوگ اس کے بارے میں مکان بعید سے آواز دیں گے:

وَاسْتَمِعْ يَوْمَ يُنَادِ الْمُنَادِ مِنْ مَكَانِ قَرِيبٍ - ترجمہ: اور اس دن كو غور سے سنو جس دن قدرت كامنادى اسرافيل قريب ہى كى جگه سے آواز دےگا۔ ا

خلیفۃ اللہ ہونے کے لحاظ سے حضرت ختمی مرتبت مستخلف عنہ کاکام انجام دیتے ہیں یعنی خداوند عالم کے حکم سے دنیا کی ربوبیت کو اپنے ہاتھ میں لئے ہوئے ہیں اور قہری طور پر ہر موجود کے ظہور میں فیض رسان ہیں۔ باطنی وجود کے اعتبار سے باطنی امکانی حقائق کے مربی ہیں اور ظاہری وجود کے اعتبار سے اشیاء میں ظہورِ حق کی بجی ہیں لہذا حقیقت محمد یہ تمام مظاہر کارب ہے۔ امکانی حقائق میں حق تعالی کی بجلی عین نابت محمد گی اور ائمہ طامرین کے طربق سے ہے، لہذا ائمہ معصومین علیہم السلام سے منقول ہے کہ "بنا عرف

اله سوره ق،آیت اسم

الله و بنا عبد الله" كيونكه جواسم اعظم كامعنى ب بلكه ظامر و مظهر كے اتحاد كے لحاظ سے عين اسم اعظم ب وہ وجود ك فيض كى تجلى اور تجلى حق كاطريق ب اور اس كے وجود سے تمام موجودات كومدد ملتى ب اجسام و ارواح كى تمام كائنات اس كے ظهور اور تجليات كامظهر ہے۔

علمی ثبوت کے اعتبار سے یہ انسانِ کامل عقلِ اول کے ظہور کا واسط ہے لہذا عقل اول اس کی مجلی ہے اور عقل اول کی مجلی جو اس کے حسنات کا ایک حسنہ ہے تمام موجودات کی امداد کو پہنچتی ہے بلکہ یہی حقیقت ہے جو کبھی عقل کی صورت میں اور کبھی نقوش اور عالم برزخ کے مراتب کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔

# حقائقِ کی تخلیق کاواسطہ اور ذاتی بچلی کا مظہر

حضرت خاتم کی ربوبیت اس لحاظ سے ہے کہ باطنی وجود کے اعتبار سے اعتدال کے اعلیٰ مر تبہ پر فائنز ہیں اور ان کی حقیقت وہی اسم اعظم ہے جو تمام اساء کا مجموعہ ہے لبندام برخدار کو اس کا حق پہنچاتے ہیں اور مر موجود کو اس کے عین فابت کی اقتضاء کے مطابق اس کے شائستہ کمالات تک پہنچاتے ہیں۔ وہ بھی حقائق کی خلیق کا ذریعہ بیں اور اسی طرح حق تعالیٰ کی ذات و صفات کی خبر مجمی دیتے ہیں اور اسی طرح حق تعالیٰ کی ذات و صفات کی خبر بھی دیتے ہیں اور عبادات اور اصولِ شریعہ کے ذریعہ کمال تک بینچنے میں لوگوں کی مدد کرتے ہیں لہذا تمام موجودات آپ ہی کے فیض سے بہرہ مند ہوتے ہیں اور آپ ہی کی ذات تمام خلائق کی ابتدا اور محضور کے جائے میں واسطہ ہے۔ یہ تمام با تیں حضرت امیر المو منین اور آپ ہی کی ذات تمام خلائق کی ابتدا اور محضور کے واس کی تعلیٰ والم معبور کی خاتم ہوتے ہیں اور آپ ہی کی ذات تمام خلائق کی ابتدا اور محضور کے لئے بھی فاجت ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ حضرت ختی مرتب ڈاتی مخلی کا مظہر ہیں لیکن دیگر تمام انہیاء حق تعالی کے اساء دوسری بات یہ ہے کہ حضرت ختی مرتب ڈاتی مخلی کا مظہر ہیں لیکن دیگر تمام انہیاء حق تعالی کے اساء وروں اس کے تعلیٰ اور ظہور کا مبدا حقیقت ذات ہے لہذا تمام صورت اور تمام برکات کی ابتدا وانہا ہے اس لئے تمام خیرات و فیوضات آپ کے عرشی وجود سے ہیں ہوتے ہیں۔ عقول، نفوس، عالم برزخ اور عالم اجسام کے جتنے بھی مراتب ہیں سب اس کے وجود سے ہیں ہوتے ہیں۔ عقول، نفوس، عالم برزخ اور عالم اجسام کے جتنے بھی مراتب ہیں سب اس کے وجود سے ہیں حساکہ گذشتہ مباحث میں ہم نے ذکر کیا ہے۔ پہلا تعین جو حقیقت بستی سے جدا ہوااور وجود میں اس تعین سے عبدا ہوااور وجود میں اس تعین سے وار دو اسم اعظم ہے، یعنی اسم اعظم حقیقت محمد کی باطنی صورت ہے اور یہ حقیقت نظام ہستی کا پہلا تعین ہے۔

#### باب الله اور كونِ جامع

کائنات مطلقہ میں ایبا موجود بھی ملے گاجو شجر وجود کا کھل اور عالم امکان کا مرکز ہے۔ در حقیقت یہ موجود ہی اصل وجود ہے جو نظام ہستی کا مرکز اور باب اللہ ہے اور تمام موجود ات اس کے ارد گرد گھو متے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اس باب کے ذریعہ کمال حاصل کریں۔ اگرچہ ظام کی لحاظ سے اس کو آخر میں قرار دیا گیا ہے۔ اس انسان کامل یعنی حضرت ختمی مرتبت گوان کی شان ، احوال واوصاف کے مطابق مختلف اساسے یاد کیا جاتا ہے اور چو نکہ اسائے الی غیر متناہی ہیں الہذاوہ ان تمام اساء کے حامل ہیں اور اپنے مقامات کے مطابق مراسم کا اظہار کر سکتے ہیں اور کہہ سکتے ہیں کہ اس اسم کے ظہور کے لحاظ سے میں اس اسم کا مالک ہوں۔ اسی حقیقت کو "کون جامع" بھی کہتے ہیں۔

#### روایتوں میں حضرت ختمی مرتبت گامقام ومرتبه

حقیقت محمد ین باطنی صورت اسم اعظم ہے۔ ثقة الاسلام جناب کلیدی نے اصول کافی میں نقل کیا ہے کہ:
محمد عن احمد بن محمد، عن ابن محبوب، عن محمد بن الفضیل، عن ابی
الحسن النظام قال: ولایة علی مَکتوبة فی جمیع صُحْفِ الانبیاءِ وَ لَن یَبعَثَ اللهُ رَسولاً
الحسن النظام قال: ولایة علی مَکتوبة فی جمیع صُحْفِ الانبیا کے صحفوں میں موجود ہے
الا بِنُبوة مُحمَّدٍ وَ وَصَیة علیّ - ترجمہ: علی کی ولایت تمام انبیا کے صحفوں میں موجود ہے
اور الله تعالی کسی بھی نبی کو مبعوث نہیں کرتا مگریہ کہ اس سے پیغیر اسلام کی نبوت اور علی کی ولایت کا اقرار لیتا ہے۔ ا

اگر مربیغیمراپنے زمانے میں قطب ہے تو حضرت ختمی مرتب قطب الاقطاب ہیں لیمی آنخضرت کا وجود اولین سے لے کر آخرین تک تمام انہیاء ، اولیاء اور الهی سفیروں کے لئے قطب ہے۔ سبھی حضرت ختمی مرتب کے چراغ سے روشنی لیتے ہیں اور استفادہ کرتے ہیں۔ وہ حقیقت اصلی ، واقعی اور فعلی ہیں۔ اگر ان کو جع کرنا چاہیں تو اسم الاعظم ، اسم الجامع ، اسم الجا

ا اصول كافي (ج1)، ص ٢٣٧

روشنی اخذ کرتے ہیں۔ ختمی ہونے کا مطلب ختم زمانی نہیں ہے بلکہ وہ امام الکل فی الکل اور قطب الاقطاب ہیں اور چونکہ وہ قطب، ججت اللہ ہیں لہذا دوسرے لوگ ان کے گرد ہوتے ہیں۔

امیر المومنین علی بن ابیطالبً کا وجود مطهر ، سرّ انبیاء اور خاتم الانبیاء کی جان ہے جوان کی حقیقت سے جدانہیں ہے۔ اس لئے حضرت امام موسی کاظمّ اس نورانی حدیث میں فرماتے ہیں :

"لن يبعث الله رسولا الا بنبوة محمد و وصية على" ـ

#### دوسری حدیث میں ارشاد ہوتا ہے:

عن ابى جعفر قال: سَمِعتُهُ يَقُولُ: واللهِ إِنَّ فى السَّماء لَسَبعين صَفّاً مِنَ المَلَائِكَةِ لَو احتمع اهلُ الارضِ كُلُّهُم يَحصُونَ عَدَدَ كُلِّ صَفٍّ مِنهُم مَا اَحصُوهُم وَ إِنَّهُم لَيَدينُونَ بولايتنا ترجمه: حضرت امام باقرِّ نے فرمایا: خداکی قتم آسان میں فرشتوں کی سر صفیں بیں۔ اگر روئے زمین پر رہنے والے لوگ مل کر ان فرشتوں کو شار کرنا چاہیں تو وہ نہیں کر سکتے۔ وہ تمام فرشتے ہماری ولایت کا عقیدہ رکھتے ہیں۔

جی ہاں! اولیائے محمدی کی ولایت الی نور کا ایسا چراغ ہے جس سے تمام فرشتے اور انسان روشنی پاتے ہیں۔ اس حقیقت کو امام جعفر صادق نے اس طرح واضح فرمایا ہے:

نَحْنُ شَجَرَةُ النُبُوَّةِ وَ بَيْتُ الرَّحْمَةِ وَ مَفَاتيحُ الحِكْمَةِ وَ مَعْدَنُ العِلْمِ وَ مَوضِعُ الرِّسَالَة وَ مُحْتَلَفُ المَلائكةِ وَ مَوضِعُ الرِّسَالَة وَ مُحْتَلَفُ المَلائكةِ وَ مَوضِعُ سِرِّ الله وَ نَحنُ وَدِيعَةُ اللهِ فِي عِبادِه وَ نَحْن حَرَمُ الله الاكبر و نَحُن ذِمَّةَ اللهِ وَ نَحنُ عَهدُ الله فَمَن وَفي بِعَهْدِنَا فَقَد وَفي بِعَهْدِ الله وَ مَنْ خَفَرَها فَقَد خَفر ذَمَّة الله وَ عَهْدُهُ لَهُ وَ عَهْدُهُ لَهُ وَ عَهْدُهُ الله وَ عَهْدَهُ الله وَ عَهْدُهُ اللهُ وَ عَهْدُوهُ اللهُ وَ عَلَاهُ وَ عَهْدُوهُ اللهُ وَ عَهْدُهُ اللهُ وَاللهُ وَاللهِ وَاللهُ وَاللهُ وَاللهُ وَاللهُ وَاللهُ وَاللهُ وَاللّهُ وَاللهُ وَاللّهُ وَالم

# انبياء ظهور خاتم كي عجلي بي

حضرت ختمی مرتبت دایرہ وجود کے مرکز ہیں اور تمام انبیاء انہیں کے ظہور کی مجلی ہیں جس میں آ دم ابوالبشر آ فتاب نبوت کا مبدا و مطلع ہیں اور عضرِ خلقت کے لحاظ سے انبیاء کے پدر ہیں لیکن معنی اور باطن

ا ـ اصول كافي (ج1) ، ص ۲۲۱

راه اسلا

کے اعتبار سے حقیقتِ خاتمیہ کے فرزند اور حضرت ختمی مرتبت کی حسنات میں سے ایک حسنہ ہیں۔ نوح و ابراہیم و موسی و عیسی علیم السلام اگرچہ حضرت محمد سے نہیں ہیں لیکن حقیقت، واقعیت اور ظاہر و مظہر کے اتحاد کے اعتبار سے انہیں کے ظہور کی مجلی ہیں۔ انبیاء اور اولیائے ماسلف بھی انہیں کی تجلیات کا مظہر ہیں۔ ان کی شریعت اور شاخیں اور شعائیں ولایت محمد بیہ سے نکلی ہوئی ہیں۔

#### عالم خلقت کے سمس الشموس

جو پچھ بیان کیا گیا ہے اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ایسا قطب جو حقیقت کا نتات، احکامات اور وجود کا محور و مرکز ہے،ایک ایسی و سیع حقیقت ہے جو ذات کے اعتبار سے واحد اور کثرت میں ظہور کے اعتبار سے متعدد ہے۔ وجود کا محور و مرکز اور کا نتاتِ کا شمس الشموس حقیقت محمد یہ ہے جس کا ظہور انبیاء واولیا میں ہوتا ہے اور کوئی زمانہ بھی اس کے مظہری وجود سے خالی نہیں ہے۔ "والعصر"، عصر کا یہ مطلب نہیں ہے کہ صرف پیغیبر اسلامؓ سے لے کر اب تک عصر محمدی ہوگا بلکہ ان سے پہلے آ دم سے لے کر ہمیشہ کے لئے عصر محمدی ہے۔ "والعصر" اس زمانہ تک محدود نہیں ہے جب آپ کا عضری وجود اس عالم میں تھا بلکہ سبھی محمدی ہیں اور اس وقت ہم بھی عصر محمدی میں زندگی بسر کر رہے ہیں۔ حضرت ابر اہیم خلیل اللہ بھی عصر محمدی میں تقے اور سب نے یہی بتایا کہ جو پھے بھی وہ لوگ لائے سے وہ سب قرآن کا ایک حصہ تھا۔ تمام انبیاء واولیاء اور ان کے وجود کی مظاہر ، ولایت ختمی مرتبت کے باطن میں پوشیدہ ہیں۔ آ نحضرت اپنے ذاتی تعقل، شہود حق اور خلقی مظاہر کے ساتھ اس آ فاق وانفس میں نمودار ہوئے اور کا نیات و آ دم کا ظہور ہوا۔ لیس انبیاء معارف کے اخذ کرنے میں لین نا بیاء معارف کے اخذ کرنے میں ان کے وجود کے تا بلع ہیں۔

# شجره طوبي

مر تبہ ُ محمد یہ جملہ انبیاء کے مراتب پر محیط ہے، چاہے وہ نبوت ہویا ولایت ہو، کیونکہ تمام مراتب اسی محمد ی مرتبہ کی فرع ہیں جس طرح اس کی کلی روح سے تمام ارواح نکلی ہوئی ہیں۔ وہ حقیقت میں شجرہ طولی

ا\_سوره عصر،آیت ا

ہے اور انبیاء اس شجر کی شاخ ہیں۔ شخ کلیٹی خاتم الانبیاء کی افضیلت کے بارے میں امام جعفر صادق سے نقل کرتے ہیں:

إِنَّ بَعْضَ قُرَيشٍ قَالَ لِرَسول الله بِأَيِّ شَيءٍ سَبَقْتَ الانْبِياءَ وَ أَنْتَ بُعِقْتَ آخِرَهُم وَ خَاتِمَهُم وَ خَاتِمَهُم وَ فَقَال: إِنِّي كُنْتُ أَوّلَ مَنْ آمَنَ بِرَبِّي وَ أَوّلَ مَنْ أَجَابَ حَيث أَخَذَ اللهُ مِيثاقَ النَّهِ مِيتَى وَ أَوّلَ مَنْ أَجَابَ حَيث أَخَذَ اللهُ مِيثاقَ النَّبِيتِينَ ... فَكُنْتُ أَنَا أَوّلَ نَبِي وَ قَالَ: بَلَى، فَسَبَقَتْهُم بَالإقرارِ بِاللهِ عَزَّ وَجَلّ ترجمه: وريس فَكُنْتُ أَنَا أَوّلَ نَبِي وَ قَالَ: بَلَى، فَسَبَقَتْهُم بَالإقرارِ بِاللهِ عَزَّ وَجَلّ ترجمه: وريس فَل النّبيا بِ وريس فَل اللهِ عَلَى اللهُ ا

یہ اولیت اور خاتمیت کسی زمانے سے مخصوص نہیں ہے بلکہ اس انسان نے جس کی حقیقت انسانیت ہے، اپنے وجودی ارتقاء اور ذاتی اعتلاء میں ایسے مقام کو پالیا ہے جس کی بدولت صفات نے اس کے اندر تجلی کرلی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت ختمی مرتبت گااپنے روحانی مقام میں تخلیق اول کے ساتھ وجودی اتحاد ہوگیا ہے اور اس تخلیق اول کی ایک قید ہے اور وہ قید اطلاق ہے۔ خداوند متعال اس قیرِ اطلاق سے بھی مطلق ہے۔ پہلا صادر خلق اول کے علاوہ ہے کیونکہ خلق اول وہی عقل اول ہے۔ عقل اول وہ پہلا کلمہ ہے جو پہلے صدور پر استوار ہوتا ہے اور پہلا صادر نظام ہستی کا منشور ہے، تمام کلماتِ وجودی اس پر تکیہ کئے ہوئے ہیں۔ وہ حقیقت جس نے اس پہلے صادر سے وجودی اتحاد کرلیا ہے، یہی حقیقت حضرت ختمی مرتبت ہوجائے گی اور وہی اصل وجود اور اول موجود ہیں، چا ہے ان کا یہ مقام وعظمت مادی اور زمینی موجود ات کے ادراک سے بالاتر ہی کیوں نہ ہو۔

اس لئے قرآن نے رسول خدا کی مقدس ذات کو احد کے نام سے یاد کیا ہے:

وَإِذْ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ إِنَّى رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُم مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَاةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُولِ يَأْتِي مِن بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَلُ فَلَمَّا جَاءَهُم

ا اصول كافي (ج ١٠)، ص ٢

بِالْبَیِیْنَاتِ قَالُوا هَانَا سِحْرٌ مُّبِینَ۔ ترجمہ: اور اس وقت کو یاد کروجب عیلی بن مریم نے کہا کہ اے بنی اسرائیل میں تمہاری طرف اللہ کارسول ہوں اپنے پہلے کی کتاب توریت کی تصدیق کہا کہ اے بنی اسرائیل میں تمہاری طرف اللہ کارسول کی بشارت دینے والا ہوں جس کا نام احمد صدیق کرنے والا اور اپنے بعد کے لئے ایک رسول کی بشارت دینے والا ہوں جس کا نام احمد ہے لیکن پھر بھی جب وہ مجزات لے کرآئے تولوگوں نے کہہ دیا کہ بیاتو کھلا ہوا جادو ہے۔ احمد جناب فیض کاشانی رضوان اللہ علیہ نے تفسیر صافی میں نقل کیا ہے کہ سَأَلَ بَعْضُ الیَهود رسول الله جناب فیض کاشانی رضوان اللہ علیہ نے تفسیر صافی میں نقل کیا ہے کہ سَأَلَ بَعْضُ الیَهود رسول الله اللہ سَمَّیْتَ اَحْمَد قَال لانی فی السماءِ اَحْمَدُ مِنّی فِی الارض۔ ا

حضرت کے اس نورانی کلام کے دو معنی ہو سکتے ہیں۔ایک بید کہ حضرت خاتم کا آسانی وجود ان کے زمینی وجود سے حامد تر جانا گیا ہے اور دوسرا معنی بیہ ہے کہ وہ آسان اور عالم مفارقت نوری میں زمین سے محمود تر ہیں، نتیجتاً اہل آسان کے نزدیک معروف تراور محمود تر جانے گئے ہیں۔

#### منابع و مآخذ

- الله عرآن
- نهج البلاغه
- 💠 حسن زاده آملی، حسن، مزار ویک نکته ، مرکز نشر فرنجگی رجاء ، تهران ، ۲۷ ۱۳ اش
  - 🚓 مجلسی، محمد باقر، بحار الانوار، دار الاحیاء التراث العربی، بیروت، ۴۰ ۱۳ اهد
  - کلینی، ثقه الاسلام، اصول کافی، دارالکت الاسلامیه، تیر ان، ۱۳۸۸ش
- 💠 فيض كاشاني، محمد ابن مرتضى (محن)، تفيير صافي، مكتبة الصدر، تهران، ١٦٠ اه
- 💠 آ ثنتیانی، جلال الدین، شرح مقدمه قیصری، دفتر تبلیغات اسلامی حوزه علمیه قم، ۵۷ ساش
  - 💠 ابن العربي، محى الدين، الفتوحات المكيه، بيروت، دار صادر
- 💠 على تركه اصفهاني، صائن الدين، تمهيد القواعد، صائن الدين على بن محمد التركه، انتشارات الزمراء، قم، ٧٤ ١٣٠ ش
  - 💸 حسن زاده آملی، حسن، شرح فصوص الحکم ، دفتر تبلیغات اسلامی حوزه علمیه قم ، ۷۹ ساش

ا ـ سوره صف ،آيت ٢

۲۔ تفسیر صافی (ج۵)، ص۱۲۹

اس می نبوت، امامت کی زبان سے

# نبوت، امامت کی زبان سے

مؤلف: رضاحق پناه مترجم: شبیه عباس خان

بلا شبہ تاریخ کی بزرگ اور مؤثر شخصیات کے بارے میں شاخت حاصل کرنا بہت زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔ اسی طرح اس میں بھی کوئی تردید نہیں ہے کہ تاریخ بشریت کی مؤثر ترین شخصیت خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفاً کی ذات اقد س ہے، لیکن یہاں پر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کون ہے جس کو اس مقد س وجود کی مکل معرفت حاصل ہے؟ ہم کو اس بات کا اقرار کرنا ہوگا کہ م زاویہ اور پہلو سے پنجیر اکرم کی شاخت حاصل کر پانا ہمارے لئے ممکن نہیں ہے، کیونکہ پنجیر اکرم کا وجود قرآن کے مانند ہے اور آپ کی شاخت قرآن کی شاخت کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی۔

قرآن وحی مکتوب ہے اور پینمبر اکرمؓ وحی مجسم۔ جس طرح بہت سے لوگ قرآن کی معرفت حاصل کرنے سے معذور ہوتے ہیں اسی طرح ان کو پینمبر اکرمؓ کی صحیح معرفت بھی حاصل نہیں ہو پاتی، نیز جس طرح قرآن کریم کے اپنے درجات ہیں اور ہر شخص اپنی ہمت اور وسعت کے حساب سے اس سے فیض یاب ہو پاتا ہے، اسی طرح پینمبر اکرمؓ کی شخصیت کی معرفت حاصل کرنے کے بھی درجات ہیں اور ہر انسان اپنے قرب اور معرفت کی بنیاد پر آپ کی جامع الاطراف شخصیت کے ایک یا چند پہلوؤں کی شاخت حاصل کر سکتا ہے۔ رہبر معظم انقلاب اسلامی (حفظہ اللہ تعالی) پینمبر اکرمؓ کی شاخت حاصل کرنے اور اپنے لئے نمونہ بنانے کی ضرورت کے سلسلے میں فرماتے ہیں:

"آج امت مسلمہ اور ہماری قوم کو ہمیشہ سے زیادہ اپنے پیغیبر اعظم کی ضرورت ہے، آپ کی ہدایت کی، آپ کی بشارت اور انذار کی، آپ کے معنوی پیغامات کی وغیرہ۔ آج پیغیبر اسلام کا اپنی امت اور عالم بشریت کے لئے جو درس ہے وہ عالم بننے کا ہے، وہ قوی ہونے کا

ہے، بانطاق اور با کرامت بنے کا ہے، جہاد، عزت اور پائیداری کا ہے"۔

الیے میں وہ شخص جس کو پغیبر اکر م کے چہرہ انور کی بہترین شاخت اور معرفت حاصل ہے، وہ آپ کے شاگرد مولاعلیٰ ہیں جن کو ہر زاویہ ہے آپ کی عمیق معرفت حاصل ہے، کیونکہ مولاعلیٰ کو پوری طرح سے قرآن کی بھی معرفت حاصل ہے اور پغیبر اکر م کی ذات کو بھی بخوبی درک کیا ہے۔ روایت میں ہے کہ خدااور علیٰ کے سوا پنجیبر کو کسی نے نہیں پچانا ہے، لہذااب ہم کو مولائے کا ئنات کے کلمات کی طرف رجوع کرنا ہوگا تاکہ ہم کو مختلف زاویوں سے پنجیبر اسلام کی معرفت و شناخت حاصل ہو سکے، کیونکہ اہل بیت ادری بمانی البیت۔

### پیغمبرا کرم تمام مخلو قات کے سر دار:

امام علیّ اس سلسلے میں فرماتے ہیں:

وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ وَسَيِّدُ عِبَادِهِ، كُلَّمَا نَسَخَ اللهُ الْحَلْقَ، فِرْ قَتَيْنِ جَعَلَه فِي خَيْرِهِمَا -لَمْ يُسْهِمْ فِيه عَاهِرٌ ولَا ضَرَبَ فِيه فَاجِر - ترجمه : ميں گوائی ديتا ہوں كه محدًّ اس كے بندے اور رسول اور بندوں كے سيدوسر دار ہيں - شروع سے انسانی نسل ميں جہال جہال سے شاخيں الگ ہو كيں مر منزل ميں وہ شاخ جس ميں الله تعالی نے آپ كو قرار ديا تھا وہ دوسرى شاخوں سے بہتر تھی، آپ كے نسب ميں كسى بدكار كاسا جھا اور كسى فاسق كي شركت نہيں ہے '۔

## پنیبراکرم مطهر نسل ہے:

ر سول اکرم خود انبیاء کے سر دار ہیں اور تاریخ ور وایات کے مطابق آپ کے آبا واجداد ہمیشہ سے موحد و کیتا پرست تھے اور کبھی بھی اپنے افکار کو شرک میں مبتلا نہیں کیا "بیعثت سے قبل آپ کے اجداد شرک آلود ماحول میں بھی دین حنیف کے پیرواور حضرت ابر اہیم کے تابع تھے "۔امام علیؓ اس بارے میں فرماتے ہیں:

ا\_پیام نوروزی، ۱۳۸۵

۲\_ نهج البلاغه، خطبه ۲۱۲

سرشخ مفید، محمد بن محمد بن نعمان، تضج اعتقادات الامامیه، ص ۱۱۷؛ حویزی، عبد علی بن جمعه، تفسیر نورالثقلین (ج۱)، ص ۲۵۹ ۲۰ شیر ستانی، محمد بن عبدالکریم، الملل والنحل (ج۲)، ص ۲۵۰

نبوت، امامت کی زبان سے ٣٣

اخْتَارَه مِنْ شَجَرَةِ الأَنْبِيَاءِ ومِشْكَاةِ الضِّيبَاءِ وذُوَّابَةِ الْعَلْيَاءِ وسُرَّةِ الْبَطْحَاء ومَصَابِيح الظُّلْمَةِ ويَنَابِيع الْحِكْمَةِ-ترجمه: خدان يَغْمِر كاا تَخَاب انبيائ كرام كے شجره، روشنیوں کے فانوس، بلندی کی پیشانی، ارض بطحا کی ناف زمین، ظلمت کے چراغوں اور حکمت کے سرچشموں کے در میان سے کیا ہے۔ ا

#### اسی طرح آپ فرماتے ہیں:

حَتَّى بَعَثَ اللَّهَ مُحَمَّداً صلى الله عليه و آله وسلم، شَهيداً وبَشِيراً ونَذِيراً ، خَيْرَ الْبَرِيَّةِ طِفْلًا، وأَنْحَبَهَا كَهْلًا، وأَطْهَرَ الْمُطَهَّرِينَ شِيمَةً، وأَجْوَدَ الْمُسْتَمْطَرِينَ دِيمَةً ترجمہ: آخر اللہ نے محمہ کو بھیجا در آن حالی کہ وہ گواہی دینے والے، خوشخبری سنانے والے اور ڈرانے والے تھے۔ جو بچپین میں بھی بہترین خلائق اور سن رسیدہ ہونے پر بھی اشرف کا ئنات تھے اور پاک لو گوں میں خصلت کے اعتبار سے پاکیزہ تر اور جود و سخا میں ابر صفت بر سنے والوں میں سب سے زیادہ لگاتار بر سنے والے تھے۔ '

# پنجبرا کرم بعثت سے قبل

بعثت سے قبل کے عرب معاشرہ کے بارے میں تحقیق بہت اہم ہے جس سے ہم کویہ پتہ چاتا ہے کہ پنجمبر اکرمؓ نے کن مشکلات کاسامنا کر کے لو گوں کی زندگی میں تبدیلی پیدا کی۔ یہ طریقہ پنجمبڑ کے اہداف کو درک کرنے میں معاون ہو گااور حقیقت کے متلا ثی کے لئے دین اور دیگر مسائل جیسے ترقی، آزادی، سکون، تحفظ اور علم کے در میان را بطے کو واضح کرے گا۔ بنیادی طور پر کسی بھی تحریک اور اس کے اہداف کی شناخت، اس تحریک کے اسباب و وجوہات کو پیچانے بغیر اگر نا ممکن نہ بھی ہو تو بہت مشکل ہے۔ دین اسلام کی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت ہیہ ہے کہ اس کے تمام تاریخی پس منظر بہت اچھی طرح سے اور پوری وقت نظر کے ساتھ تاریخ میں ثبت ہیں <sup>ا</sup> بعثت سے قبل کے معاشر ہے کو پیچاننے کے لئے قرآن کریم کے بعد

ا في البلاغه، خطبه ۱۰۲

۲ ـ ایضاً، خطبه ۱۰۳

سر دانشنامه امام على (جلد m)، ص ۵۱

دوسراسب سے معتبر ذریعہ حضرت علی کے اقوال ہیں جونہ صرف دینی اعتبار سے بلکہ تاریخی روسے بھی بہت فیمتی ہیں۔ حضرت علی نے بہت خوبصورتی کے ساتھ بعثت کے وقت کے سابی اور تہذیبی ماحول کو نہج البلاغہ میں بیان کیا ہے۔ آپ دور جاہلیت کی مصیبت بھری مادی اور معنوی زندگی کے بارے میں اس طرح فرماتے ہیں:

إِنَّ اللهَ بَعَثَ مُحَمَّداً ولَيْسَ أَحَدُّ مِنَ الْعَرَبِ يَقْرَأُ كِتَاباً ولَا يَدَّعِي نُبُوَّةً فَسَاقَ النَّاسَ حَتَّى بَوَّأَهُمْ مَحَلَّتَهُمْ وبَلَّعَهُمْ مَنْجَاتَهُمْ فَاسْتَقَامَتْ فَنَاتُهُمْ واطْمَأَنَّتْ صَفَاتُهُمْ - ترجمه: حتَّى بَوَّأَهُمْ مَحَلَّتَهُمْ وبلَّعَهُمْ مَنْجَاتَهُمْ فَاسْتَقَامَتْ فَنَاتُهُمْ واطْمَأَنَّتْ صَفَاتُهُمْ - ترجمه: الله نے حضرت محکم کو اس وقت مبعوث کیاجب عربوں میں نہ کوئی آسانی کتاب پڑھنا جانتا تھا اور نہ کوئی نبوت کا دعویدار تھا۔ آپ نے لوگوں کو کرامت انسانی کے مقام تک پہنچایا اور ان کے حالات انہیں منزل نجات سے آشا کیا۔ یہاں تک کہ ان کی کجی درست ہو گئی اور ان کے حالات استوار ہو گئے۔ ا

حضرت علیؓ کے مطابق خدانے پیغیبرا کرمؓ کو اس دور میں مبعوث کیا جب رسولوں کا سلسلہ مو قوف تھا اور امتیں خواب غفلت میں تھیں ':

أَرْسَلَه وأَعْلَامُ الْهُدَى دَارِسَةٌ و مناهج الدِّينِ طَامِسَةٌ، فَصَدَعَ بِالْحَقِّ و نَصَحَ لِلْخَلْقِ، وهَدَى إِلَى الرُّشْدِ وأَمَرَ بِالْقَصْدِ ترجمه: خدا نے انہیں اس وقت بھجا جب ہدایت کے نشانات مٹ چکے تھے اور دین کے راستے بے نشان ہو چکے تھے انہوں نے قق کو آشکار کیا اور لوگوں کو نصیحت کی، ہدایت کی جانب رہنمائی فرمائی اور در میانی راستہ پر چلنے کا حکم دیا۔"

حضرت علیٌ دوسرے مقام پر ارشاد فرماتے ہیں:

بَعَثَه حِينَ لَا عَلَمٌ قَائِمٌ و لَا مَنَارٌ سَاطِعٌ و لَا مَنْهَجٌ وَاضِحٌ- ترجمه: پروردگار نے اپن رسول کو اس وقت مبعوث کیا جب نه کوئی نشان بدایت قائم ره گیا تھا، نه کوئی مناره دین

ا ينج البلاغه، خطبه ۳۳

۲\_ایضاً، خطبه ۸۹، ۹۴، ۱۳۳، ۱۵۱، ۱۵۸، ۱۹۹

٣-ايضاً، خطبه ١٩٣

سوت، امامت کی زبان سے

روشن تھااور نہ کو ئی راستہ واضح تھا۔'

اسی طرح ارشاد ہوتا ہے: خدانے آپ کواس وقت بھیجاجب دین کی شخکم رسی کے بل کھل چکے تھے۔ '' حضرت علیؓ بعثت کے حالات اس طرح بیان فرماتے ہیں :

أَهْلُ الأَرْضِ يَوْمَئِذٍ مِلَلٌ مُتَفَرِّقَةٌ، وأَهْوَاءٌ مُنْتَشِرَةٌ وطَرَائِقُ مُتَشَيِّة، بَيْنَ مُشَيِّه لِلّهَ بِحَلْقِهِ أَوْ مُلْحِدٍ فِي اسْمِهِ، أَوْ مُشِيرٍ إِلَى غَيْرِهِ، فَهَدَاهُمْ بِه مِنَ الضَّلَالَةِ وَأَنْقَذَهُمْ بِهِ مِنَ الْحَهَالَةِ ترجمہ: اس وقت زمین پر بسے والوں کے مسلک جدا وأنْقَذَهُمْ بِمَكَانِه مِنَ الْحَهَالَةِ ترجمہ: اس وقت زمین پر بسے والوں کے مسلک جدا حدا، خواہشیں متفرق و پراگندہ اور راہیں الگ الگ تھیں۔ یوں کہ پچھ اللہ کو مخلوق سے تشییہ دیتے، پچھ اس کے ناموں کو بگاڑ دیتے۔ پچھ اسے چھوڑ کر اور وں کی طرف اشارہ کرتے تھے۔ خداوند عالم نے آپ کی وجہ سے انہیں گرائی سے ہدایت کی راہ پر لگا یا اور آپ کے وجود سے انہیں جہالت سے چھڑا یا۔ "

دوسرے مقام پر حضرت علیؓ نے بعثت کے وقت کے معاشرے کی اعتقادی اور ساجی آشفتگی کو اس طرح بیان فرمایا ہے:

والنَّاسُ فِي فِتَنِ انْجَذَمَ فِيهَا حَبْلُ الدِّينِ وتَزَعْزَعَتْ سَوَارِي الْيَقِينِ واخْتَلَفَ النَّحْرُ وتَشَتَّتَ الأَمْرُ، وضَاقَ الْمَحْرَجُ وعَمِيَ الْمَصْدَرُ، فَالْهُدَى خَامِلٌ والْعَمَى شَامِلٌ، النَّحْرُ وتَشَتَّتَ الأَمْرُ، وضَاقَ الْمَحْرَجُ وعَمِيَ الْمَصْدَرُ، فَالْهُدَى خَامِلٌ والْعَمَى شَامِلٌ، عُصِيَ الرّحْمَنُ ونُصِرَ الشَّيْطَانُ وخُدِلَ الإِيمَانُ، فَانْهَارَتْ دَعَائِمُه وتَنكَّرَتْ مَعَالِمُه، ودَرَسَتْ سُبُلُهُ وعَفَتْ شُرُكُه، أَطَاعُوا الشَّيْطَانَ فَسَلَكُوا مَسَالِكَه و وَرَدُوا مَناهِلَهُ بِهِمْ سَبُلُهُ وعَفَتْ شُرُكُه، أَطَاعُوا الشَّيْطَانَ فَسَلَكُوا مَسَالِكَه و وَرَدُوا مَناهِلَهُ بِهِمْ سَارَتْ أَعْلَامُه وقَامَ لِوَاؤُه فِي فِتَنٍ دَاسَتْهُمْ بِأَخْفَافِهَا و وَطِئَتْهُمْ بِأَظْلَافِهَا وقَامَتْ عَلَى سَارَتْ أَعْلَامُه وقَامَ لِوَاؤُه فِي فِتَنٍ دَاسَتْهُمْ بِأَخْفَافِهَا و وَطِئَتْهُمْ بِأَظْلَافِهَا وَالْمَعْمَ وَعَامِلُهُ مَا اللَّهُ مِنْ وَعَلَيْهُمْ مُنْهُمْ مُنْهُ وَيَعْ مَعْرَدُ وَكُحُلُهُمْ دُمُوعٌ ، بِأَرْضِ عَالِمُهَا مُلْجَمٌ وجَاهِلُهَا مُكْرَمٌ حَرَبُهُ اللَّهُ مُنْ مُعُودٌ و كُحُلُهُمْ مُهُودٌ و كُحُلُهُمْ مُنُهُودً و خَاهِلُهَا مُلْحَمٌ وجَاهِلُهَا مُكْرَمٌ حَامِلُهُ مُنْ مُنُولُهُ مَا مُلْحَمْ و جَاهِلُهَا مُكْرَمٌ و جَاهِلُهَا مُكْرَمٌ و خَاهِلُهُمْ مُنْ مُنْ عَنْ مُؤْمُ مُ مُعُودٌ و كُحُلُهُمْ مُ مُعُودٌ و كُحُلُهُمْ مُ مُعُودٌ و مُعَامِلًا مَا مُعْرَمٌ و حَاهِلُهَا مُلْحَمْ و جَاهِلُهَا مُعْرَمُ و مَنْ مُنْ مَعْ مُنْهُ مُ مُنْ عَنْ بِأَرْضِ عَالِمُهُمْ مُ مُعُودٌ و كُحُلُهُمْ مُنْ مُنْ عَنْ الْحَمْ و وَلَوْلَا مُنْ مُنْ مُ مُنْ عَنْ مُنْ مُنْ مُنْ عَلَى اللَّهُ اللَّهُ مُنْ عَلَى اللَّهُ اللَّهُ مُنْ عَلَوالَ مُنْ مُنْ مُنْ مُنْ مُ مُعُودٌ و مُعْمَا مُلْوعًا مُنْ اللَّهُ و الْعُهُمُ الْعُولُ وَالْمُوعُ الْعُهُمُ مُ اللَّهُ مُنْ عَلَى اللَّهُ مُنْ عُلُولُ اللَّهُ مُنْ عَلَالَهُ اللَّهُ مُنْ عَلَا لَهُ مُعُولُونَ مُنْ عَلَالَهُ مُنْ عَلَالِهُ اللْعُلُولُ مُعْلِعُ اللَّهُ مُنْ عَلَا لَمُ الْعُلِهُ الْمُعُولُ مُنْ عُلُولُ مُنْ عُلُولُ مُنْ عُلُولُ مَا مُعْرَقِ عَلَالِهُ مُنْ عُمُوعُ مُ الْعُلُولُ مُنْ عَلَمُ اللَّهُ مُنْ عَلَا لَمُ الْعُلُهُ الْمُعُولُ ا

ا لي البلاغه ، خطبه ۱۹۴

۲\_ایضاً، خطبه ۱۵۸

٣-ايضاً، خطيها

پغیبر اسلام کواس وقت مبعوث کیاجب لوگ ایسے فتنوں میں مبتلا تھے جہاں دین کے بند هن شکستہ، یقین کے ستون متر لزل، اصول مختلف اور حالات پراگندہ تھے۔ نکلنے کی راہیں تنگ و تاریک تھیں۔ ہدایت گمنام اور ضلالت ہمہ گیر تھی۔ (کھلے خزانوں) اللہ کی مخالفت ہور ہی تقی اور شیطان کی مدد کی جار ہی تھی۔ ایمان بے سہارا تھا۔ چنانچہ اس کے ستون گرگئے۔ اس کے نشان تک پہچانے میں نہ آتے تھے۔ اس کے راستہ مٹ گئے تھے اور شام راہیں اجڑ گئیں۔ وہ شیطان کے پیچھے لگ کر اس کی راہوں پر چلنے لگے اور اس کے گھاٹ پر اتر پڑے۔ انہی کی وجہ سے اس کے کھر برے ہم طرف الہرانے لگے تھے۔ ایسے فتنے جو انہیں اپنے سموں سے وجہ سے اس کے کھر برے ہم طرف الہرانے لگے تھے۔ ایسے فتنے جو انہیں اپنے سموں سے روندتے اور اپنے کھر وں سے کہتے تھے اور اپنے پنجوں کے بل مضبوطی سے کھڑے ہوئے تھے اور اپنے پنجوں کے بل مضبوطی سے کھڑے ہوئے جو خود اچھا مگر اس کے بسنے والے برے تھے۔ جہاں نیند کے بجائے بیداری اور سر مہ کی جگہ جوخود اچھا مگر اس کے بسنے والے برے تھے۔ جہاں نیند کے بجائے بیداری اور سر مہ کی جگہ آنسو تھے۔ اس سرزمین پر عالم کے منہ پر لگام تھی اور جابل معزز و سر فراز تھا۔ ا

یہ معاشرہ اعتقادی اعتبار سے شرک و بت پرستی، خرافات اور تح یفات سے بھرا ہوا تھا، یہودیت اور مسیحیت رائج تھی اور بہت ہی کم افراد آئین حنیف (ابراہیمی) پر باتی تھے '۔سابی اعتبار سے ہم طرف پستی اور غلاظت چھلک رہی تھی۔ وہ لوگ ایک دوسرے کاخون بہاد سے سے بھی دریغ نہیں کرتے تھے ''۔ لوگوں کو خہمالی اعتبار سے نہی فکری اعتبار سے سکوں میسٹر تھا ''،اور مسلسل جنگ کی آگ ان کے در میان شعلہ ور رہتی تھی ہے۔ تہذیبی اعتبار سے وہ پوری طرح سے ظلمت میں ڈو بے ہوئے تھے اور حال یہ تھا کی کے الوگوں کے سوا کسی کو پڑھنا اور لکھنا نہیں آتا تھا ہ، یہاں تک کہ عالموں کو بھی ذلیل اور خوار تصوّر کرتے تھے ''، اور لڑکیوں

ا في البلاغه، خطبه ٢

۲\_ دانشنامه امام علی (جلد ۲)، ص ۵۴ و ۵۵

٣- نهج البلاغه ، خطبه ٢٦

۴\_ایضاً، خطبه ۲و ۱۹۲

۵\_ایضاً، خطبه ۸۹

۲-ابن خلدون، عبدالرحمٰن بن محمد، مقدمه، ص ۱۷۸ ·

۷۔ نیج البلاغه ، خطبه ۱۵۱

سے نبوت، امامت کی زبان سے

کو زندہ در گور کرنے کو فخر سیمھتے تھے لیکن بعثت کے بعد اسی معاشرے میں تبدیلی پیدا ہوئی جس کے سلسلے میں گفتگو ہوگی۔

# پنیمبراکرم کی خصوصیات

بہت سے لوگوں نے انبیاء اور دیگر افراد کے مابین پائی جانے والی ظاہری شاہت کو معنوی شاہت کا ہم معنی سمجھا اور اس کو دلیل بناتے ہوئے دوسری دنیا کے ساتھ انبیاء کے ارتباط کو ناممکن قرار دیالیکن انبیاء نے اپنے بشر ہونے پر تائید کرنے کے ساتھ ساتھ مقام نبوت کو خدا کا فضل اور اس کی نظر عنایت بتایا ہے:

قَالَتَ لَهُمْ رُسُلُهُمْ إِن نَحْنُ إِلَّا بَشَرٌ مِّفَلُكُمْ وَلَلْكِنَّ اللَّهَ يَمُنُّ عَلَىٰ مَن يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَمَا كَانَ لَنَا أَن تَأْتِيكُم بِسُلُطَانٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ وَعَلَى اللَّهُ وَمِنُونَ وَرَجَمَهِ: ان سے رسولوں نے کہا کہ یقیناً ہم تمہارے ہی جیسے بشر بیں لیکن خدا جس بندے پر چاہتا ہے مخصوص احبان بھی کرتا ہے اور ہمارے اختیار میں بید بھی نہیں ہے کہ ہم بلااذنِ خدا کوئی دلیل یا معجزہ لے آئیں اور صاحبان ایمان تو صرف اللہ ہی پر بھروسہ کرتے ہیں ا۔

دوسری جانب بہت سے افراد کی کوشش ہے ہے کہ مقام رسالت کو عام انسانوں کے مرتبہ کے برابر بتا کر انبیا کی عصمت کے منکر ہو جائیں۔انبیائے الی اور خاص کر رسول خدا مخصوص خصوصیات اور امتیازات کے مالک ہیں جن کی شاخت کے ذریعہ ہم پیغمبرا کرم کی شخصیت کو بہتر انداز میں سمجھ سکتے ہیں۔

#### خاتم الانبياء

پیغیبر اکر م پر ایمان لانے کا مطلب سے ہے کہ ہم آپ کی خاتمیت پر بھی ایمان لائیں اور یہی دین اسلام کے ابدی ہونے اور اس کے کمال کی نشانی ہے:

هًا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمُ وَلَكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ

ا ـ سوره ابراہیم ، آیت اا

وَ كَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا - ترجمہ: محمد تمہارے مردوں میں سے تحسی ایک کے بات اور اللہ مرشے کا خوب باپ نہیں ہیں اور اللہ مرشے کا خوب جانے والا ہے۔ ا

اس خاتمیت کی دلیل قرآن کریم کانزول ہے، کیونکہ قرآن ایک ایبا مجزہ ہے جو کبھی انہا پذیر نہیں ہوگا، جس کے عجائب ختم ہونے والے نہیں ہیں اور جو مسلسل پڑھنے اور سننے کے بعد بھی پرانا نہیں ہوتا۔ یہ ایسا سمندر ہے جس سے پانی لینے والے کبھی اس کو شکھا نہیں سکتے اور ایسا چشمہ ہے جس سے پانی نکالنے والے کبھی اس کو ختم نہیں کر سکتے '، لہذا خاتمیت کاراز دین اسلام کے مضمون و محتوا میں مضمر ہے نہ کہ عقل بشر کے کمال اور رشد میں۔ اگرچہ انسانوں کی علمی اور ساجی ترقی ان کو دین الهی کو قبول کرنے اور شخط دین کے لئے آ مادہ کرتی ہے لیکن بید موضوع خاتمیت کی بنیادی یا محوری وجہ نہیں بن سکتا ' کیونکہ اس صورت میں وحی سے بے نیازی اور دین کو ہٹانے اور وحی کی بجائے عقل کے استعال کی باتیں ہونے لگیں گی۔

حضرت علی، خاتمیت کورسول اکرم کے خاص امتیازات میں شار کرتے ہیں اور فرماتے ہیں:

خَتَمَ بِهِ الوَحي، ترجمه: آپ کے ذریعہ رسولوں کے سلسلہ کو تمام کیا۔

دوسرے مقام پرآپ ارشاد فرماتے ہیں:

بِأَبِي أَنْتَ وَأَمِي يَا رَسُولَ اللهِ لَقَدِ انْقَطَعَ بِمَوْتِكَ مَا لَمْ يَنْقَطِعْ بِمَوْتِ غَيْرِكَ مِنَ النَّهُوَّةِ وَالأَنْبَاءِ وَأَحْبَارِ السَّمَاءِ - ترجمہ: يا رسول الله! مير ب مال باپ آپ پر قربان مول، آپ كے رحلت فرماجانے سے نبوت، خدائى احكام اور آسانى خبروں كا سلسلہ منقطع موں، آپ كے رحلت فرماجانے سے قطع نہيں ہوا تھا۔ موسی اور (نبی) كے انقال سے قطع نہيں ہوا تھا۔ م

ا ـ سوره احزاب، آیت ۴ م

۲\_ نج البلاغه، خطبه ۱۹۸

سردانشنامه امام علی (ج m)، ص ۲۳

٣- نهج البلاغه ، خطبه ١٣٣

۵۔ایضاً، خطبہ ۲۳۲

pg نبوت، امامت کی زبان سے

### اسی طرح حضرتً ایک اور مقام پر ارشاد فرماتے ہیں:

اجْعَلْ شَرَائِفَ صَلَوَاتِكَ و نَوَامِيَ بَرَ كَاتِكَ عَلَى مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ و رَسُولِكَ الْحَاتِمِ لِمَا سَبَقَ والْفَاتِحِ لِمَا انْغَلَقَ والْمُعْلِنِ الْحَقَّ بِالْحَقِّ- ترجمہ: اے خدا! اپنی پاکیزہ رحمتیں اور بر ھنے والی بر کتیں قرار دے اپنے عبد اور رسول ، محر کے لئے جو پہلی نبوتوں کے ختم کرنے والے اور حق کے زورسے اعلان حق کرنے والے ہیں ا

### اسی طرح آپ ارشاد فرماتے ہیں:

أَمِينُ وَحْيِهِ و خَاتَمُ رُسُلِه و بَشِيرُ رَحْمَتِه و نَذِيرُ نِقْمَتِه - ترجمہ: وہ اللہ کی وحی کے امانتدار، اس کے رسولوں کی آخری فرد، اس کی رحمت کا مردہ سنانے والے اور اسے عذاب سے ڈرانے والے تھے۔ آ

پنیمبر اکرم کو ممکل اور جامع وحی موصول ہوئی جس کو آپ نے عالم بشریت تک پہنچایا۔اس وحی کی خاصیت یہ ہے جیسے جیسے بصیرت عمیق اور وسیع ہوتی جاتی ہے ویسے ویسے نئے رازوں کا انکشاف ہوتا جاتا ہے۔ "حضرت علی قرآن کی عظمت کے بارے فرماتے ہیں:

> ا بنج البلاغه ، خطبه ۷۰ ۲ ایضاً ، خطبه ۱۷۱ ۳ ـ مطهر ی ، مرتضی ، ختم نبوت ، ص ۷۲

دین کو کامل قرار دیا ہے۔ اپنے پیغیر کو اس حالت میں اپنے پاس بلایا ہے کہ وہ اس کے احکام کے ذریعہ لوگوں کو ہدایت دے چکے تھے للذا پر ور دگار کی عظمت کا اعتراف اس طرح کر وجس طرح اس نے اپنی عظمت کا اعلان کیا ہے کیونکہ اس نے دین کی کسی بات کو مخفی نہیں رکھا ہے اور کسی شے کو خواہ اسے پہند ہو یا ناپند بغیر کسی واضح علامت اور محکم نشان کے نہیں چھوڑ اجو ناپند امور سے روکے اور پیندیدہ ماتوں کی طرف دعوت دے۔ ا

#### پنیمبر ایک دلسوز طبیب:

انبیائے الی اور خاص طور پر رسول اکر م ایک ہمدرد طبیب ہیں۔ طبیب کاکام دلوں اور نفوس کوسکون پہچانا ہے۔ پیغیبر اکر م نے مخصوص طریقوں سے پریشان حال بیاروں کی روح و جان کاعلاج کیا۔ آپ خود در دمند بیاروں کے پاس جاتے تھے۔ حضرت علی حقیقی طبیب کی خصوصیات اس طرح بیان فرماتے ہیں:

طَبِيبٌ دَوَّارٌ بِطِبِه قَدْ أَحْكَمَ مَرَاهِمَه وأَحْمَى مَوَاسِمَه، يَضَعُ مِن ذَلِكَ حَيْثُ الْحَاجَةُ إِلَيْهِ مِنْ قُلُوبٍ عُمْيٍ وآذَانٍ صُمِّ وأَلْسِنَةٍ بُكْمٍ ، مُتَتَبِعٌ بِدَوَائِه مَوَاضِعَ الْغَفْلَةِ وَ الْحَاجَةُ إِلَيْهِ مِنْ قُلُوبٍ عُمْيٍ وآذَانٍ صُمِّ وأَلْسِنَةٍ بُكُمٍ ، مُتَتَبِعٌ بِدَوَائِه مَوَاضِعَ الْغَفْلَةِ وَ الْحَكْمَةِ وَلَمْ يَقْدَحُوا بِزِنَادِ الْعُلُومِ الثَّاقِبَةِ ترجمه: مَوَاطِنَ الْحَيْرَةِ لَمْ يَسْتَضِيئُوا بِأَصْوَاءِ الْحِكْمَةِ وَلَمْ يَقْدَحُوا بِزِنَادِ الْعُلُومِ الثَّاقِبَةِ ترجمه: رسول اكرمٌ وه طبيب تح جوابي طبابت كے ساتھ چكر لگارہا ہو، اپنے مرہم كو درست كرليا ہواوردا غنے كَ آلات كو تپاليا ہو، وہ اندھے دلول، بہرے كانول، گو گل زبانوں كے علاج كے مواوردا غنے كآلات كو تپاليا ہو، وہ اندھے دلول، عبر لاتا ہو۔ اورا پنى دوا كو لئے ہوك غفلت كے مراكز اور جيرت كے مقامات كى تلاش ميں لگا ہوا ہو اُ۔

اس خطبہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بیہ ماہر و تجربہ کار اور چکر لگانے والا طبیب دو طرح کے آلات کااستعال کرتا ہے: ایک میں مرہم کی خاصیت ہے (زخموں کو ٹھیک کرنے والا اور دردوں کو سکون یہچانے والا) اور دوسرے میں درد کی جڑوں کو جلادینے کی خاصیت ہے۔ حسد، تکبر، جہالت اور تعصب جیسے امراض جومدتوں سے بیار جسم وجان میں پل رہے ہوتے ہیں، ان کو جڑسے نکالنا ہوگا۔

ا۔ نیج البلاغہ ، خطبہ ۱۸۱ ۲۔ایضاً، خطبہ ۱۰۲ ام المحت کی زبان سے

حضرت علی نے نیج البلاغہ میں ان بیاریوں کا ذکر کیا ہے جن کے علاج کے لئے پیغیر اکرم ً نے نسخہ بتائے ہیں۔ مثال کے طور پر: سینہ کی بیاری (خطبہ نمبر ۷-۱ و ۱۸۷)، دل کی بیاری (حکمت ۳۷۵)، دل کا اندھا پن (خطبہ نمبر ۱۸۵)، کفرونفاق (خطبہ نمبر ۱۷۳)، غفلت و حیرت (خطبہ نمبر ۱۰۵)

اسی طرح حضرت نے ایک اور فہرست بتائی ہے جس سے ان بیاریوں کا علاج کیا جاسکتا ہے: قرآن کریم (خطبہ نمبر ۱۵۴)، اسلام (خطبہ نمبر ۱۵۰)، تقوی (خطبہ نمبر ۱۸۵)، خدائی اطاعت (خطبہ نمبر ۱۲۵)، اسلام (خطبہ نمبر ۲۵۷)، صدقہ لے مثال کے طور پر قرآن کے سلسلے میں آپ ارشاد فرماتے ہیں: ۱۲۹)، حکما کے اقوال (حکمت نمبر ۲۵۷)، صدقہ لے مثال کے طور پر قرآن کے سلسلے میں آپ ارشاد فرماتے ہیں:

وَاعْلَمُوا أَنَّه لَيْسَ عَلَى أَحَدٍ بَعْدَ الْقُرْآنِ مِنْ فَاقَةٍ ولا لاَّحَدٍ قَبْلَ الْقُرْآنِ مِنْ غِنَى ، فَاسْتَشْفُوه مِنْ أَدْوَائِكُمْ واسْتَعِينُوا بِه عَلَى لاْوَائِكُمْ ، فَإِنَّ فِيهِ شِفَاءً مِنْ أَكْبَرِ الدَّاءِ وهُوَ فَاسْتَشْفُوه مِنْ أَدْوَائِكُمْ واسْتَعِينُوا بِه عَلَى لاْوَائِكُمْ ، فَإِنَّ فِيهِ شِفَاءً مِنْ أَكْبَرِ الدَّاءِ وهُو النَّهُ فَاسْتَشْفُوه مِنْ أَدُوائِكُمْ والنَّقَاقُ والْغَيُّ والضَّلَالُ ، فَاسْأَلُوا اللَّه بِه حترجمه: يادر كھو! كسى كو قرآن كے بعد كسى اور لا كح ممل كى ضرورت نہيں رہتی ہے اور نہ كوئى قرآن سے پہلے اس سے بیاز ہو سكتا ہے۔ اپنى بياريوں ميں اس سے شفا عاصل كرواور اپنى مصيبتوں ميں اس سے مدد ما گوكہ اس ميں كفرو نفاق اور گراہى و بے راہ روى جيسى بڑى بياريوں كا علاج بھى موجود ہے۔ اس ميں كفرو نفاق اور گراہى و بے راہ روى جيسى بڑى بياريوں كا علاج بھى موجود ہے۔ اس كے ذريجہ اللہ سے سوال كرو۔ ا

# پنجبراکرم مر دوراور نسل کے لئے نمونہ:

بے شک انبیاء اور خاص طور سے خاتم الانبیاء وحی سے اتصال اور خدا کی طرف سے مؤید ہونے کی وجہ سے لوگوں کے لئے نجات اور رستگاری کا عملی نمونہ ہیں۔ پیغیبر اکرمؓ انسان کامل کا ممکل مصداق ہیں۔ وجہ سے لوگوں کے لئے نجات اور دھزت علیؓ نے کئی مقامات پر پیغیبر اکرمؓ کو نمونہ بنانے کے لئے سب سے زیادہ شائستہ بتایا ہے اور آپ کی پیروی کرنے والوں کو محبوب ترین بندوں میں شار کیا ہے:

ولَقَدْ كَانَ فِي رَسُولِ الله صلى الله عليه وآله وسلم كَافٍ لَكَ فِي الْأُسْوَةِ ودَلِيلٌ

ا ـ ياد نامه كنگره مزاره نيج البلاغه ، ص ٢٣٥ ٢ ـ نيج البلاغه ، خطبه ١٤٧

لَكَ عَلَى ذَمِّ الدُّنْيَا وعَثِيهَا وكَثْرَةِ مَخَازِيهَا ومَسَاوِيهَا...فَتَأْسَّ بِنَبِيّكَ الأَطْيَبِ الأَطْهَرِ صلى الله عليه وآله وسلم فَإِنَّ فِيه أُسْوَةً لِمَنْ تَأْسَّى وعَزَاءً لِمَنْ تَعَزَّى وأَحَبُ الْعِبَادِ إِلَى اللهَ الْمُتَأْسِي بِنَبِيّه واقْتَصَّ أَثَره ووَلَجَ الْعِبَادِ مَوْلِجَه وإلَّا فَلا يَأْمَنُ الْهَلَكَة .

ترجمہ: یقیناً تمہارے لئے رسول اکرم کا قول وعمل پیروی کے لئے کافی ہے اور ان کی ذات و نیا کے عیب و نقص اور اس کی رسوائیوں اور برائیوں کی کثرت و کھانے کے لئے رہنما ہے ... تم اوگ اپنے طیب وطاہر پیغیبر کا اتباع کر وچو نکہ ان کی ذات پیروی کرنے والوں کے لئے بہترین سامان صبر و سکون ہے، لئے بہترین سامان صبر و سکون ہے، ان کی پیروی کرنے والا اور ان کے نقش قدم پر چلنے والا ہی اللہ کی نظر میں سب سے محبوب ان کی پیروی کرنے والے کو چاہیے کہ ان کی اتباع کرے اور ان کے نقش قدم پر چلے اور ان کے نقش قدم پر چلے اور ان کی منزل پر قدم رکھے ورنہ ہلاکت سے محفوظ نہ رہ سکے گا۔ ا

حضرت علی اپن فرزندامام حسن کو وصیت کرتے ہیں کہ رسول خداً کو اپنار ہمااور نمونہ بنائیں:
واعْلَمْ یَا بُنَیَّ أَنَّ أَحَداً لَمْ يُنْبِئْ عَنِ اللهَ سُبْحَانَه کَمَا أَنْبَأَ عَنْهُ الرَّسُولُ
صلی الله علیه و آله و سلم ، فَارْضَ بِه رَائِداً و إِلَى النَّحَاةِ قَائِداً - ترجمہ: بیٹا! بیریا و رکھو کہ
مہیں خدا کے بارے میں اس طرح کی خبریں کوئی نہیں دے سکتا ہے جس طرح رسول
اکرمؓ نے دی ہیں للذاان کو بخوش اپنا پیشوااور راہ نجات کا قائد تسلیم کرو۔

# پنیمبراکرم زمد وسادگی کانمونه:

انسان جیسے جیسے قرب المی کے در جات کو طے کرتا جاتا ہے ویسے اس کو خالق کی عظمت اور خود کی پہتی کا اندازہ ہوتا جاتا ہے اور کبر وخود پیندی کی حصت سے نیچے اترتا ہے۔ انسیائے المی میں بیہ خصوصیت بھی

ار نج البلاغه، خطبه ۱۵۸ ۲\_ایضاً، خط ۳۱ ۳۳ نبوت، امامت کی زبان سے

بدرجہ اتم پائی جاتی ہے۔ زمدوساد گی اور دنیا سے عدم رغبت الی خصوصیت ہے جو تمام انبیاء میں مشترک ہے اور یہی وہ خصوصیت ہے جو ان کو دیگر انسانوں سے الگ کرتی ہے۔ پیغمبر اکرم بے توجہی کے ساتھ دنیا کے زرق وبرق کے سامنے سے گزرتے تھے اور اپنے دور کے فقیر ترین لوگوں کی طرح زندگی گزارتے تھے:

قَدْ حَقَّرَ الدُّنْيَا وصَغَّرَهَا وأَهْوَنَ بِهَا وهَوَّنَهَا وعَلِمَ أَنَّ اللَّه زَوَاهَا عَنْه اخْتِيَاراً وبَسَطَهَا لِغَيْرِه احْتِقَاراً، فَأَعْرَضَ عَنِها بِقَلْبِه وأَمَاتَ ذِكْرَهَا عَنْ نَفْسِه وأَحَبَّ أَنْ تَغِيب زينَتُهَا عَنْ عَيْنِه لِكَيْلاَ يَتَّخِذَ مِنْهَا ريَاشاً أَوْ يَرْجُو فِيهَا مَقَاماً.

ترجمہ: پینمبرا کرمؓ نے اس دنیا کو ہمیشہ صغیر و حقیر اور ذلیل و پست نصور کیااوریہ سمجھا ہے کہ پروردگار نے ان کی شان کو بالاتر سمجھتے ہوئے اس دنیاکارخ ان سے موڑا ہے اور گھٹیا سمجھتے ہوئے دوسروں کے لئے اس کا دامن پھیلادیا ہے، للذاآپ نے اس سے کنارہ کشی اختیار کی اور اس کی یاد کو دل سے بالکل نکال دیا اور یہ چاہا کہ اس کی زینتیں نگاہوں سے اوجھل رہیں تاکہ نہ عمدہ لباس زیب تن فرمائیں اور نہ کسی خاص مقام کی امید کریں۔ ا

حضرت ایک دوسرے مقام پر، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسی کے زمد وساد گی کاذ کر کرتے ہیں کہ کس طرح وہ لوگ زمین کی سبزیوں کے سہارے زندگی بسر کرتے تھے، پھروں کو اپنی تکیہ بناتے تھے اور پرانے کپڑے زیب تن کرتے تھے اور ان کارات کا اجالا جاندگی روشنی ہوا کرتی تھی۔

حضرت علیٰ آگے پھر فرماتے ہیں:

"پینمبراکرم نے دنیاسے صرف مختصر غذا حاصل کی اور اسے نظر بھر کردیکھا بھی نہیں۔
ساری دنیامیں سب سے زیادہ خالی شکم اور شکم نہی بسر کرنے والے وہی تھے۔ان کے سامنے
دنیا پیش کی گئ تواسے قبول کرنے سے انکار کردیا اور یہ دیکھ لیا کہ پروردگار اسے پسند نہیں کرتا
ہے توخود بھی ناپیند کیا اور خدا حقیر سمجھتا ہے توخود بھی حقیر سمجھا اور اس نے چھوٹا بنا دیا ہے
توخود بھی چھوٹا ہی قرار دیا۔ پینمبر اکرم ہمیشہ زمین پر بیٹھ کر کھانا کھاتے تھے۔غلاموں کے
انداز سے بیٹھتے تھے اور کسی نہ کسی کوساتھ بیٹھا بھی لیا کرتے تھے، اپنے جوتے خود درست

ا في البلاغه ، خطبه ١٠٤

کرتے تھے اور اپنے کپڑے خود اپنے ہاتھ سے سلتے تھے۔ایک مرتبہ اپنے مکان کے دروازہ پر ایسا پر دہ دیکھا جس پر تصویریں بنی ہوئی تھیں تو اپنی ایک زوجہ سے فرمایا کہ خبر دار اسے ہٹاؤ۔ میں اس کی طرف دیکھوں گاتو دنیا اور اس کی آرائش یاد آئے گی۔ پینیم را کرمؓ نے دنیا سے دل سے کنارہ کشی اختیار فرمائی اور اس کی یاد کو اپنے دل سے محو کردیا اور یہ چاہا کہ اس کی زینت نگا ہوں سے دور رہے تاکہ نہ بہترین لباس بنائیں اور نہ اسے دل میں جگہ دیں اور نہ اس دنیا میں مقام کی آرزو کریں۔"

#### پھرآ بُّ ارشاد فرماتے ہیں:

وَلَقَد كَانَ في رَسولِ اللهِ ما يَدُلُّكَ عَلَى مَساوى الدُّنيا وَ عُيوبِها إذ جاعَ فِيها مَعَ خاصيةِ وَ زُوِيَت عَنهُ زَخارِفُها مَعَ عَظيم زُلفَتِهِ ، فَلْيَنْظُرْ نَاظِرٌ بِعَقْلِه أَكْرَمَ اللَّه مُحَمَّداً بِذَلِكَ أَمْ أَهَانَه ، فَإِنْ قَالَ أَهَانَه فَقَدْ كَذَبَ و آتى بِالإِفْكِ الْعَظِيم ، وإِنْ قَالَ أَكْرَمَه فَلْيَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ قَدْ أَهَانَ غَيْرَه حَيْثُ بَسَطَ الدُّنْيَا لَه ، وَ زَاوَاهَا عَنْ أَقْرَبِ النَّاسِ مِنْهُ ...خَرَجَ مِنَ الدُّنْيَا خَمِيصاً ووَرَدَ الآخِرَةَ سَلِيماً، لَمْ يَضَعْ حَجَراً عَلَى حَجَرٍ حتى مَضَى لِسَبِيلِه وأَجَابَ دَاعِيَ رَبِّه ، فَمَا أَعْظَمَ مِنَّةَ اللَّه عِنْدَنَا حِينَ أَنْعَمَ عَلَيْنَا به سَلَفاً نَتَّبعُه وقَائِداً نَطَأُ عَقِبَه ۔ ترجمہ: یقیناً رسول الله کی زندگی میں وہ ساری یا تیں یائی جاتی ہیں جو دنیا کے عیوب اوراس کی خرابیوں کی نشاندہی کر سکتی ہیں، جب کہ آپ نے اپنے گھر والوں سمیت بھوکار ہنا گوارا کیا ہے اور خدا کی بارگاہ میں انتہائی تقرب کے باوجود دنیا کی زینتوں کو آپ سے الگ ر کھا گیا ہے اور آپ نے ان کو خوار سمجھا۔اب ہر انسان کو نگاہ عقل سے دیکھنا جا ہے اور پیر سوچنا جاہیے کہ اس صورت حال اور اس طرح کی زندگی سے پروردگار نے اپنے پیغیر کو عزت دی ہے یاانہیں ذلیل بنایا ہے۔اگر کسی کا خیال بیہ ہے کہ ذلیل بنایا ہے تو وہ جھوٹااور افتراپر داز ہے اور اگریہ احساس ہے کہ عزت دی ہے تواسے معلوم ہونا چاہیے کہ اگر اللہ نے اس کے لئے دنیا کوفرش کردیا ہے تواس کامطلب یہ ہے کہ اسے ذلیل بنادیا ہے جب کہ اسے قریب ترین بندہ سے اسے دور رکھا تھا... وہ دنیا سے بھوکے گئے کیکن آخرت میں سلامتی کے ساتھ وارد ہوئے ۔انہوں نے تغمیر کے لئے پھریر پھر نہیں رکھااور دنیا سے رخصت

مم نبوت، امامت کی زبان سے

ہوگئے اور اپنے پروردگار کی دعوت پر لبیک کہد دی۔پروردگار کا کنٹا عظیم احسان ہے کہ اس نے ہمیں ان کا جیسا رہنما عطافر مایا ہے جس کا اتباع کیا جائے اور قائد بنایا جائے، جس کے نقش قدم پر قدم جمائے جائیں۔ ا

حضرت علی نے در حقیقت اپنان بیانات میں انبیائے الی اور خاص کر پیغیر اکرم کی زہد وسادگی کو بیان فرمایا ہے۔ رسول خدا نے رسالت کے فریضہ کو جلال وظاہری شوکت سے نہیں بلکہ عزم اور مضبوط ارادے کے ساتھ پوراکیا، کیونکہ اگر خدا چاہتا توآسان و زمین کے جنود کو اپنا نبیا کے قبضہ میں دے سکتا تھا تاکہ لوگوں کے پاس تسلیم ہونے اور ان کی بات قبول کرنے کے سواکوئی اور چارہ ہی نہ رہے، لیکن حکمت اللی کا تقاضہ یہ ہے کہ انسان کے پاس انتخاب کرنے کا موقع ہو اور وہ اپنا اختیار کا فائدہ اٹھائے، اسی وجہ سے انبیائے الی تواضع میں اپنے چرے کو زمین سے لگاتے تھے اور اپنے رخساروں کو خاک پر ملتے تھے، اور مومنوں کے ساتھ تواضع سے پیش آتے تھے، اور خدانے بھی ان کو سونے کی کھان کے بجائے مضبوط اور فولادی ارادہ عنایت فرمایا۔ ا

### پغیبراسلام شجاعت وایثار کے مظہر

پیغیبر اکرم مضبوط ارادہ، استقامت اور شجاعت کے مظہر تھے، جنہوں نے دین خدا کولوگوں تک پہنچانے میں کسی بھی طرح کے جہاد اور ایثار سے در لیغ نہیں کیا۔ بعثت کے ابتدائی دور میں ہی آپ نے اعلان کر دیا تھا کہ اگر چاند اور سورج بھی آپ کو دے دیا جائے تو بھی آپ اپنے ہدف سے پیچھے نہیں ہٹیں گے۔ مدینہ میں اپنے دس سالہ دور میں دین خدا کے استقرار کے لئے ۸۰ سے زائد جنگیں ہوئیں لیکن ان سب کے باوجود بھی پینیمبراکرم رحمت و محبت کا مظہر اور رحمۃ للعالمین تھے۔ آپ کولوگوں کی گراہی سے بے حدر نج ہوتا تھا، یہاں تک کہ خدا نے آپ سے فرمایا:

مَا أَنزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرُآنَ لِتَشْقَىٰ -ترجمہ: ہم نے آپ پر قرآن اس لئے نہیں نازل کیا ہے کہ آب این کوزحت میں ڈال دیں۔"

\_

اله نج البلاغه ، خطبه ۱۵۸

۲\_مطهری، مرتضی، سیری در سیره نبوی، ص ۱۰۴-۴۰۰

سـ سوره طر، آیت ۲

لَعَلَّكَ بَاخِمٌّ نَّفْسَكَ أَلَّا يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ - ترجمہ: كياآپ اپنے نفس كو بلاكت ميں وال ديں گے كہ يہ لوگ ايمان نہيں لارہے ہيں۔ ا

جب کبھی بھی تبلیغ اور ہدایت کے لئے امن اور صلح کے راستوں کو بند پاتے تھے تو د فاعی جہاد کی شکل میں شجاعت وا ثیار کاالیامظام وہ کرتے تھے کہ کوئی بھی آپ کے تیج کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ خدا کی خوشنودی کے لئے ان سب سے جہاد فرماتے تھے جو راہ ہدایت میں مانع تھے۔ آپ جنگوں میں سب سے آگے آگے ہوا کرتے تھے اور اینے اصحاب کو کفار ومشر کین کے رتنے سے بچاتے تھے۔ حضرت علی فرماتے ہیں :

و جَاهَدَ فِي اللَّه أَعْدَاءَهُ غَيْرَ وَاهِنٍ و لَا مُعَذِّرٍ ـ ترجمہ: دشمنان خدا سے جہاد کیا اور اس راہ میں نہ کوئی کمزوری د کھلائی اور نہ کسی عذر کاسہار الیا ۔ اور آپ کی شجاعت کے سلسلے میں فرماتے ہیں:

کُنّا إِذَا احْمَرَ الْبَأْسُ اتَّقَيْنَا بِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ، فَلَمْ يَكُنْ أَحَدٌ مِناً أَقْرَبَ إِلَى الْعَدُوِّ مِنْهُ ترجمہ: اور جب جنگ مشکل ہوجاتی تھی اور جنگ کے شعلے بھڑک جاتے تھے اور کوئی بھی شخص آپ سے بھڑک جاتے تھے اور کوئی بھی شخص آپ سے زیادہ دشمن کے قریب نہیں ہوا کرتا تھا۔۔

تاریخ بتاتی ہے کہ آپ اپنے اقربا اور گھر والوں کو پیش قدم رکھتے تھے اور ان کے ذریعہ اپنے اصحاب کو نیزوں اور تلواروں سے محفوظ رکھتے تھے۔ چنانچہ عبید بن حارث (آپ کے چپاکے بیٹے) جنگ بدر میں شہید ہوئے اور مولا علی کے بھائی جنگ موتہ میں شہید ہوئے اور مولا علی کے بھائی جنگ موتہ میں شہید ہوئے۔

پینمبر اکرم کی استفامت نه صرف میدان جنگ میں ہوتی تھی بلکہ مشر کین کی مکاریوں اور تہتوں کے سامنے بھی آپ صبر واستفامت کا مظہر ہوتے تھے۔اشد الناس بلاء الأنبياء کے باوجود بھی دشواری اور

ا ـ سوره شعرا، آیت ۳ نهجاری نه

۲۔ نیج البلاغہ ، خطبہ ۱۱۳

س<sub>-</sub>ایضاً، کلمات غریب ۹

۲۷ نبان سے

سختیول نے ان کو ان کے مدف سے نہیں روکا:

رُسُلُ لَا تُقَصِّرُ بِهِمْ قِلَّةُ عَدَدِهِمْ، ولَا كَثْرَةُ الْمُكَذِّبِينَ لَهُمْ۔ ترجمہ: ایسے رسول، جنہیں تعداد کی کمی اور جسٹلانے والوں کی کثرت درماندہ وعاجز نہیں کرتی ہے ا۔ بار رسالت اس قدر سکین ہوتا ہے کہ بقول قرآن، گویا پیغمبر کی کمر کو توڑ دیتا ہے لیکن ان سب کے باوجود رسول اکرمؓ خداکے حکم سے اپنے فریضے کو بخوبی ادا کرنے میں کامیاب ہوئے:

"نہ آگے بڑھنے سے انکار کیا اور نہ ان کے ارادوں میں کمزوری آئی۔ تیری و حی کو محفوظ کیا۔ تیرے عہد کی حفاظت کی۔ تیرے حکم کے نفاذ کی راہ میں بڑھتے رہے۔ یہاں تک کہ روشن کی جبتجو کرنے والوں کے لئے آگ روشن کردی اور گم کر دہ راہ کے لئے راستہ واضح کردیا۔ان کے ذریعہ دلوں نے فتنوں اور گنا ہوں میں غرق رہنے کے بعد بھی ہدایت یالی"۔"

پینمبراسلام نے لوگوں کوخداکی اطاعت کی دعوت دی اور خداکے دشمنوں سے جہاد فرمایا یہاں تک کہ ان کو مغلوب کر دیا۔ کافروں نے آپ کی تکذیب کی لیکن آپ تبلیغ دین سے دستبر دار نہیں ہوئے۔ امام علیًّ ایک دوسرے مقام پر فرماتے ہیں:

ونَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهُ و رَسُولُهُ خَاضَ إِلَى رِضْوَانِ اللَّه كُلَّ غَمْرَةٍ و تَجَرَّعَ فِيه كُلَّ غُصَّةٍ وقَدْ تَلَوَّنَ لَه الأَذْنَوْنَ و تَأَلَّب عَلَيْه الأَقْصَوْنَ و خَلَعَتْ إِلَيْه الْعَرَبُ أَعِنَتَهَا وضَرَبَتْ إِلَى مُحَارَبَتِهِ بُطُونَ رَوَاحِلِهَا حَتَّى أَنْزَلَتْ بِسَاحَتِه عَدَاوَتَهَا مِنْ أَبْعَدِ الدَّارِ وضَرَبَتْ إِلَى مُحَارَبَتِهِ بُطُونَ رَوَاحِلِهَا حَتَّى أَنْزَلَتْ بِسَاحَتِه عَدَاوَتَهَا مِنْ أَبْعَدِ الدَّارِ وضَرَبَتْ إِلَى مُحَارَبَتِهِ بُطُونَ رَوَاحِلِهَا حَتَّى أَنْزَلَتْ بِسَاحَتِه عَدَاوَتَهَا مِنْ أَبْعَدِ الدَّارِ وأَسْحَقِ الْمَزَارِ - ترجمه: بهم گوابی دیت بین که مُحَدًّاس کے بندہ ور رسول بیں انہوں نے اس کی رضا کی خاطر ہر مصیبت میں اپنے کو ڈال دیا اور ہر غصہ کے گونٹ کو پی لیا۔ قریب والوں نے ان پر لشکر کشی کردی۔ عربوں نے والوں نے ان پر لشکر کشی کردی۔ عربوں نے

ار نهج البلاغه ، خطبه ا ۲رایضاً ، خطبه ۲۰

اپنی زمام کارخ ان کی طرف موڑ دیا اور اپنی سواریوں کو ان سے جنگ کرنے کے لئے مہمیز کردیا اور عداو توں کے پشتارے آپ کے صحن میں اتار دیا ا

# پنیبراکرمٌ خلق عظیم کانمونه:

بلا شبہ پیغیبر اکرم کے اخلاق و کر دار کا اسلام کی ترویج میں اہم حصہ رہا ہے۔ آپ کی اخلاقی خصوصیات اس قدر زیادہ ہیں کہ آپ کو انسانی اخلاق کے تمام شعبوں میں پیشوائی حاصل ہے۔ اتنی کثرت سے احسن خلق و خوکا ہو نا ایک فردی خصوصیت نیز لطف خدا ہے۔ اس کے علاوہ مکارم و محاس اخلاق کی ترویج آپ کا خاص فریضہ ہے۔ ا

متعدد روایتوں سے بیر معلوم ہوتا ہے کہ مکہ اور مدینہ کے لوگ آپ کی طرف مجذوب ہوتے سے لیکن اس سے بھی پہلے قرآن خود صراحت کے ساتھ اس چیز کی گواہی دیتا ہے:

وَإِنَّكَ لَعَلَى خُلُقٍ عَظِيمٍ - ترجمه: اورآپ بلندترین اضلاق کے درجه پر ہیں۔"

پیغمبر اکرم کے اخلاق و کر دار کے سلسلہ میں سب سے زیادہ حضرت علیؓ سے روایتیں منقول ہیں۔
رسول خدا جب بھی کسی کی طرف رخ کرنا چاہتے تھے تو صرف اپناسر اس کی طرف نہیں کرتے تھے بلکہ
پورے بدن کے ساتھ اس کی طرف متوجہ ہوتے تھے۔ ان میں سب زیادہ دلیر اور سب سے زیادہ سے تھے
اس طرح سے کہ ہمیشہ اپنے عہد پر وفا کرتے تھے۔ سب سے زیادہ نرم زبان رکھتے تھے اور لوگوں سے ملنے
حلنے میں سب سے بہتر تھے ''۔

امام علی معاشرے میں آپ کے اخلاق کے سلسلے میں فرماتے ہیں:

" جو کوئی بھی آپ کو پہلی بار دیکھا تھا، آپ کی ہیبت میں گم ہو جاتا تھا۔ جو بھی آپ سے ملتا تھااس کا دل آپ کی دوستی سے بھر جاتا تھا<sup>ہ</sup>۔جب آپ اپنے اصحاب کو دیکھتے تھے تو

ا۔ کج البلاغه ، خطبه ۱۹۲

۲\_ مجلسی، محمد باقر، بحار الانوار ( جلد ۱۲) ، ص ۲۱۰

سر سوره قلم، آیت س

۳- بلاذری، انساب الاشراف ( جلد ۱ ) ، ص ۳۹۱

۵\_ایضاً، ص ۳۹۲

موم نبوت، امامت کی زبان سے

دیکھنے کے وقت کو برابر سے ان کے در میان تقسیم کرتے تھا۔جب بھی کسی سے ہاتھ ملاتے تھ تو کبھی پہلے اپناہاتھ نہیں پیچھے کرتے تھے۔ اسی طرح اس وقت تک اپنامنہ نہیں ہٹاتے تھے جب تک کے سامنے والا نہ ہٹالے '۔ آپ کا چپرہ کھلا ہوا ہوتا تھا۔ آپ ہر گزتند مزاج، ہر وقت ملامت کرنے والے، فحاش اور مزاح کرنے والے نہیں تھے "۔

آپ کی سیرت میانه روی، آپ کی سنت ہدایت اور ترقی، آپ کے الفاظ حق کا معیار اور آپ کا حکم عدل ہوا کرتا تھا گ

اس وقت کے سواجو آپ خدا اور اپنے اہل بیت کے ساتھ گزارتے تھے، آپ نے پچھ ذخیرہ نہیں کیا اور ہمیشہ لوگوں کے درمیان ہوا کرتے تھے۔ آپ مسلسل تالیف قلوب کی کوشش میں رہتے تھے۔ ہر قوم کے بزرگ شخص کااحترام کرتے تھے اور اس کو اس کی قوم پر برتری دیتے تھے۔ اپنے اصحاب کے حال واحوال کے سلسلے میں پتہ کرتے تھے اور لوگوں کے بررمیاں جو پچھ چل رہا ہوتا تھا اس کے بارے میں پوچھتے تھے۔ نیٹ کاموں کو سراہتے تھے اور درمیاں جو پچھ چل رہا ہوتا تھا اس کے بارے میں پوچھتے تھے۔ نیٹ کاموں کو سراہتے تھے اور برے کام کو ہاکا سبحھتے تھے۔ آپ میں مسی بھی طرح کی کمی کو برا سبجھتے تھے۔ آپ کے ساتھی بہترین لوگ ہوتے اور حق بیانی میں کسی بھی طرح کی کمی کو برا سبجھتے تھے۔ آپ کے ساتھی بہترین لوگ ہوتے والا اور سب سے زیادہ نیٹ عمل انجام دینے والا اور کو خود کے لئے فکر مند نہیں پاتا تھا۔ جس کسی کو بھی آپ کی ضرورت ہوتی سے زیادہ کسی اور کو خود کے لئے فکر مند نہیں پاتا تھا۔ جس کسی کو بھی آپ کی ضرورت ہوتی تھی، آپ اس کے ساتھ اس وقت تک بیٹھتے تھے، جب تک وہ خود نہ اٹھ جائے۔ اقوال کو گن اگر آپ سے کسی چیز کا مطالبہ کرتا تھا تو اس کی حاجت پوری کئے بغیریا نیٹ اقوال کو گن اگر آپ سے کسی چیز کا مطالبہ کرتا تھا تو اس کی حاجت پوری کئے بغیریا نے اتوال

ا\_ بحار الانوار ( جلد ۱۲)، ص ۲۲۰

٢-ايضاً، ص٢٣٧

س\_إنساب الاشراف (جلدا)، ص ۲۹۳ .

٣- نج البلاغه، خطبه ٩٢

کے بغیراس کور خصت نہیں کرتے تھے۔آپ کالوگوں کے ساتھ سلوک ایک باپ کا بیٹوں کے ساتھ سلوک ایک باپ کا بیٹوں کے ساتھ سلوک جیسا ہوتا تھا اور آپ کے نزدیک سب کا حق مساوی ہوتا تھا۔ آپ کی بزم حکمت، حیا، صبر اور امانت کی بزم ہوا کرتی تھی۔ وہاں کوئی آ واز بلند نہیں ہوتی تھی۔ لوگوں کے ساتھ آپ کا برتاؤنرم اور نیک ہوا کرتا تھا اور جو چیز آپ کو ناپیند ہوتی تھی، اس سے آپ چیثم پوشی کرتے تھے۔ رسول خدا لوگوں میں سب سے زیادہ نیک، بخشندہ اور بہادر تھے۔ اللہ نے آپ کے ذریعہ دلوں میں الفت پیدا کی۔ اہل ذات کو عزیز بنادیا اور کفر کی عزت پر آگڑ نے والوں کو ذلیل کردیا۔ آپ کا کلام حقیقوں کو بیان کرنے والا اور آپ کی خاموشی میں گویائی تھی "۔ ا

سیرت اور سنن کی کتابوں نے پیغیبر اکرم کے کریمانہ اضلاق کے ایسے ایسے واقعات بیان کئے ہیں جو جیرت انگیز ہیں اور اسی کے ساتھ ساتھ مقام افسوس بھی ہے کہ حضرت کی امت آپ کے نیک اضلاق سے کس قدر فاصلے پر ہے۔ سادہ زندگی، دوسروں کے ساتھ ہمدردی اور مہر بانی، لوگوں کے ساتھ مشورہ، وفا، صداقت، قاطعیت، خاندان کے امور میں تدبیر، بچوں کے ساتھ مہر بانی، مہمان نوازی، نوجوانوں کے ساتھ اچھا اور نیک اضلاق، صبر، ادب وغیرہ کو انسان کی فردی اور ساجی زندگی کا حصہ بننا چاہئے ۔

پنیمبر اکرم کی مذکورہ خصوصیات کے علاوہ بھی مولا علیؓ نے آپ کی زندگی، شخصیت، سیرت اور اخلاق سے متعلق مختلف نمونوں کو بیان کیا ہے جو ہر ایک اپنے آپ میں ہمارے لئے عظیم درس ہے۔ جیسے کہ دلوں کو متحد کرنا "، پر ہیزگاروں کے امام "، حق کی رائے کو نافذ کرنا "، حدود کو نافذ کرنا "، رسالت کی

ا نهج البلاغه ، خطبه ۹۴

۲\_ بجار الانوار ( جلد ۱۲)، ص ۲۱۵: قرائتی، محن، سیر ه پیامبرا کرم با نگابی به قرآن کریم

٣- نهج البلاغه ، خطبه ٢٢٩

۴ \_الينياً، خطبه ۹۲ و ۱۱۳

۵\_ایضاً، خطبه ۹۸ و ۱۸۳

٢-ايضاً، خطيه ١٢٥

۵ نبوت، امامت کی زبان سے

مشکلوں کو بر داشت کرنا'، قریش کے مظالم کے مقابلہ میں استقامت '، بامقصد تبلیغ 'وغیرہ...

# پنیمبراکرم کی بعثت کے نتائج:

حقیقاً آپ نے کیا تیا اور معاشرہ میں کیا تبدیلیاں پیدا کیں اور دین حق اور ندائے توحید کی ترو بج کے لئے آپ کی خالصانہ کو ششوں کا نتیجہ کیا ہوا؟

امام علیؓ نے مختلف مقامات پر رسول اکرمؓ کی ان سخت وطاقت فرسا کوششوں کو یاد کیا ہے جو انہوں نے ایسامعاشرہ بنانے کے لئے انجام دیں جس میں سبھی انسانوں کو مساوی حقوق حاصل ہوں۔ آپ دور جاہلیت کے معاشرے کی خصوصیات کو بھی یاد کرتے ہیں تاکہ لوگوں کو اندازہ ہو کہ وہ کیا تھے اور اسی کہ ساتھ وحی الی کے نور میں پرورش پانے والے موجودہ معاشرے کی خصوصیات کو بھی بیان فرماتے ہیں تاکہ لوگوں کو یہ چلے کہ وہ اب کیا ہیں اور کہاں پہنچ گئے ہیں۔

آپ کے عقیدے کے مطابق جب عرب پر سیاہ جاہلیت حاکم تھی اس وقت پیغیمرا کرمؓ مکہ اور مدینہ کے آسان پر ایک روشن آفتاب کی طرح نمودار ہوئے اور پوری دنیا میں آپ کا نور ظاہر ہوا۔ آپ ایمان اور فضل کی سوغات لے کر آئے۔ آپ نے شرک کے بدلے توحید، جہالت کے بدلے علم، لوٹ مار کے بدلے ایثار، شرارت کے بدلے اخلاق، آشوب کے بدلے سکون، بد کر داری کے بدلے نیکی اور اچھاعمل، نسلی دشمنیوں کے بدلے دوستی، دنیا میں ڈو ہے چلے جانے کے بدلے خدااور قیامت کی طرف توجہ اور گر اہی کے بدلے ہدایت لوگوں کو عطاک ا:

فَسَاقَ النَّاسَ حَتَّى بَوَّ أَهُمْ مَحَلَّتَهُمْ وبَلَّغَهُمْ مَنْجَاتَهُمْ فَاسْتَقَامَتْ قَنَاتُهُمْ و اطْمَأَنَّتْ صَفَاتُهُمْ - ترجمہ: آپ نے لوگوں کو تھنچ کران کے مقام تک پہنچایا اور انہیں منزل نجات سے آشا کیا یہاں تک کہ ان کی کجی درست ہو گئی اوران کے حالات استوار ہوگئے۔ "

> ار نج البلاغه، خطبه ۱۹۲ ۲-ایضاً، خط نمبر ۷، ۳۴، ۵۹،

سيعا، ط. روء، سيايضاً، خطبه ۲۲۹

۴ \_الضاً، خطبه ۳۳

راه اسلا

جیسا کہ ذکر کیا گیا معاشرے کی ہدایت بعثت کے لئے کم کامیابی نہیں ہے، وہ بھی الی ہدایت جو تمام پہلوؤں اور ابعاد میں ظاہر ہوئی:

فَهَدَاهُمْ بِهِ مِنَ الضَّلَالَةِ وَأَنْقَذَهُمْ بِمَكَانِهِ مِنَ الْجَهَالَةِ ترجمه: خدا نے آپ كے ذريعه سب كو گرابى سے ہدايت وى اور جہالت سے باہر نكال ديا۔ اسى طرح مولا على فرماتے ہىں:

أَرْسَلَه بِالضِّيَاءِ وقَدَّمَه فِي الإصْطِفَاءِ فَرَتَقَ بِه الْمَفَاتِقَ وسَاوَرَ بِه الْمُغَالِبَ و ذَلَّلَ بِه الصَّعُوبَةَ وسَهَّلَ بِه الْحُورُونَةَ حَتَّى سَرَّحَ الضَّلَالَ عَنْ يَمِينٍ وشِمَالٍ - ترجمه: خدا نے يَغِيمر کو الصَّعُوبَةَ وسَهَّلَ بِه الْحُرُونَةَ حَتَّى سَرَّحَ الضَّلَالَ عَنْ يَمِينٍ وشِمَالٍ - ترجمه: خدا نے يَغِيمر کو اسلام کا نور دے کر بھیجا اور انتخاب کی منزل میں سب سے آگے رکھا ۔ ان کے ذریعہ سے پراگندگیوں کو دور کیا اور غلبہ حاصل کرنے والوں کو قابو میں رکھا۔ وشواریوں کو آسان کیا اور ناہمواریوں کو ہموار بنایا۔ یہاں تک کہ گمراہیوں کو داہنے بائیں م طرف سے دور کردیا۔ ا

اس کے بعد پھر امام علی بعث رسول اکرم کی کامیابی کے سلسلے میں فرماتے ہیں:

فَصَدَعَ بِمَا أُمِرَ بِهِ و بَلَغَ رِسَالَاتِ رَبِّه - فَلَمَّ اللَّه بِهِ الصَّدْعَ و رَتَقَ بِهِ الْفَتْقَ - و أَلَّفَ بِهِ السَّمْلَ بَيْنَ ذَوِي الأَرْحَامِ - بَعْدَ الْعَدَاوَةِ الْوَاغِرَةِ فِي الصُّدُورِ - والصَّغَائِنِ الْقَادِحَةِ فِي الشَّمْلَ بَيْنَ ذَوِي الأَرْحَامِ - بَعْدَ الْعَدَاوَةِ الْوَاغِرَةِ فِي الصُّدُورِ - والصَّغَائِنِ الْقَادِحَةِ فِي الشَّمْلَ بَيْنَ كُرديا اور اس كے پيغامات الْقُلُوب - ترجمہ: رسول اكرمٌ نے اوامر الهميه كو واضح انداز سے پیش كرديا اور اس كے پيغامات كو پہنچاديا - اللّه نے آپ كے ذريعہ انتشار كو مجتمع كيا - شكاف كو بھر ديا اور قرابتداروں كے افتراق كو انس ميں تبديل كرديا حالانكہ ان كے در ميان سخت قسم كى عداوت اور دلوں ميں بھڑك اللّه في والے كينے موجود تھے "۔

ایک دوسرے مقام پر آپ ٔ فرماتے ہیں:

بَعَثَه والنَّاسُ ضُلَّالٌ فِي حَيْرَةٍ وحَاطِبُونَ فِي فِثْنَةٍ قَدِ اسْتَهْوَتْهُمُ الأَهْوَاءُ

ا۔ نج البلاغه، خطبه ا

٢ ـ اليضاً، خطبه ٢١١

س\_الينياً، خطيه ٢٢٩

۵۳ نبوت، امامت کی زبان سے

واسْتَزَلَّتُهُمُ الْكِبْرِيَاءُ واسْتَحَفَّتُهُمُ الْجَاهِلِيَّةُ الْجَهْلَاءُ حَيَارَى فِي زَلْزَالٍ مِنَ الأَمْرِ وبَلَاءٍ مِنَ الْجَهْلِ فَبَالَغَ صلى الله عليه وآله وسلم فِي النّصِيحَةِ ومَضَى عَلَى الطَّرِيقَةِ ودَعَا إِلَى مِنَ الْجَهْلِ فَبَالَغَ صلى الله عليه وآله وسلم فِي النّصِيحَةِ ومَضَى عَلَى الطَّرِيقَةِ ودَعَا إِلَى الْحِكْمَةِ والْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ - ترجمه: الله نے انہیں اس وقت بھیجاجب لوگ گراہی میں متحیر تھا ور متحیر تھاور فتنوں میں ہاتھ پاؤں مار رہے تھے۔ خواہشات نے انہیں بہکا دیا تھا اور غرور نے ان کے قد موں میں لغزش پیدا کردی تھی۔ جاہلیت نے انہیں سبک سر بنادیا تھا اور وہ غیر یقیٰی حالات اور جہالت کی بلاؤں میں حیران وسر گرداں تھے۔ آپ نے نفیحت کاحق ادا کردیا، سیدھے راستہ پر چلے اور لوگوں کو حکمت اور موعظہ حسنہ کی طرف وعوت دی۔ الک دوس کے مقام پر آپ ارشاد فرماتے ہیں:

"تیرے حکم کے نفاذ کی راہ میں بڑھتے رہے۔ یہاں تک کہ روشنی کی جبتو کرنے والوں کے لئے آگ روشن کردی اور گم کر دہ راہ کے لئے راستہ واضح کردیا۔ان کے ذریعہ دلوں نے فتنوں اور گناہوں میں غرق رہنے کے بعد بھی ہدایت پالی اور انہوں نے راستہ دکھانے والے نشانات اور واضح احکام قائم کردیئے۔وہ تیرے امانت دار بندہ، تیرے پوشیدہ علوم کے خزانہ دار، روز قیامت کے لئے تیرے گواہ، حق کے ساتھ جھیجے ہوئے اور مخلو قات کی طرف تیرے نمائندہ تھے۔" ا

جو پھے پغیر اسلام کو حاصل ہوا وہ سب آپ کی سیرت پر حاکم اصولوں اور طریقوں سے بخوبی ظاہر ہوتا ہے۔ ' تبلیغ دین کے سلسلہ میں آپ کا طریقہ، فکری ہدایت کی بنیاد پر استوار تھا جس کے ذریعہ آپ نے لوگوں میں استدلال اور تفکر و تدبر کی روح کوپر وان چڑھایا۔ رسول خدا کو حکمت و موعظہ اور احسن مجادلہ کی راہ کو اختیار کرنے کا مشورہ دیا گیا تھا اور اسی شیوہ کو اپنا کر آپ نے ایک کثیر تعداد کو اسلام کی دعوت دی۔ مسلمانوں کی ممکل کامیابی اور اعلان برائت کے بعد بھی پیغیر اکر م کو قرآن کا صرح کے حکم تھا کہ جب بھی کوئی مشرک آپ کی پناہ لینا چاہے تو آپ اسے پناہ دیں تاکہ وہ خدا کے کلام کو من سکے۔ اس کے بعد اس کو ایک

ا به نیج البلاغه ، خطبه ۲۰ ۲ ـ جعفر مان ، رسول ، سیر ه رسول خدا ، ص ۳۹۳

امن مقام پر پہنچائیں کیونکہ بیالوگ نادان لوگ ہیں '۔

اسلام کی دعوت کی بنیاد لوگوں کو توحید کی طرف رہنمائی کرنے پر تھی لیکن ایک ملائم اور روادارانہ انداز میں۔ بہت سے مشر کین کو نہ عقلی استدلال سے دلچیں تھی اور نہ ہی ان کو اسلام سے جنگ کرنے کا شوق تھا لہذا پینمبر اکرمؓ نے تالیف قلوب کی سیاست کو مشر کین کے دلوں کو نرم کرنے کے لئے استعال کیااور پھر ضرورت پڑنے پر سخت رویہ بھی اپنایا۔ مولا علیؓ کی تعبیر کے مطابق یہ سب ماہرانہ طبابت کالازمہ تھا کہ کہیں پر مرہم لگاتے ہیں اور کہیں ضرورت پڑنے پر جلاتے ہیں اور کا شتے ہیں۔

پیغیبرا کرم گااصلی نسخہ قرآن مجید تھاجس کاحلال و حرام بالکل واضح اسے، جو کفر و نفاق کاعلاج کرنے والا ہے اور ایسا چراغ ہے جو ہم گز بچھ نہیں سکتا۔ قرآن حق کو باطل سے الگ کرنے والا اور ایسی شفاہے جس کے بعد بھاروں کو کوئی خوف اور ڈر نہیں ہوتا ہے اور ایسا حق ہے جس کی حمایت کرنے والا کبھی خوار اور مغلوب نہیں ہوگا۔ بعثت کے دور میں مشر کین کے مقابل میں پیغیبر اکرم قرآنی آیات کی تلاوت فرماتے تھے۔ یہ قرآنی آیات مشر کین کے سروں پر بجلی کی طرح چمکتی تھیں اور وہ اسلام کی دعوت کے سامنے اپنے ہتھیار ڈال دینے پر مجبور ہو جاتے تھے۔

ترنمی لحن اور بے نظیر اوب نے قرآنی پیغامات کی کشش کو اور بھی زیادہ کر دیا جس کی وجہ سے مشر کین اس کا مقابلہ کرنے سے خود کو عاجز پاتے تھے۔ اس طرح سے قرآن مجید نے توحید کو شرک آلود ماحول میں پھیلایا۔ مشرکین قرآنی آیات کی کسی بھی طرح کی واقعی تنقید کرنے سے معذور تھے اور صرف مسلمانوں پر دباؤکے ذریعے سے اس یاک آئین کوروکنے کی کوشش کرتے تھے۔

بعثت اور رسول اکرمؓ کی نبوت کی وجہ سے معاشرہ میں تبدیلیوں کا آغاز ہوااور پھر قرآنی آیات کی مدد سے ان افکار کو جاہل معاشرے کے تمام زاویوں میں فروغ ملااور بنیادی انقلاب کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ قرآنی آیات نے فکری اعتبار سے لوگوں پر گہر ااثر ڈالا اور دور جاہلیت کے اعتقادات پر حملہ کرکے ان کو بے بنیاد

ا ـ سوره توبه ، آیت ۲

٢ - نج البلاغه، خطبه ١٤٣

٣ الضاً، خطيه ١٨٧

نبوت، امامت کی زبان سے ۵۵

ثابت کرنے میں اہم کردار نبھایا۔

نہج البلاغہ میں قرآن کی تاثیر سے متعلق امام علیؓ کے بہت سے ارشادات درج ہیں جیسے کہ قرآن کی ا بميت اور اس كا اعلى مقام ( خطبه ۱۰۸ ، ۱۳۱ اور ۱۵۲) ، قرآن كا كمال ( خطبه ۱۸۱ اور حكمت ۱۳۳) ، قرآني علاج (خطبه ۱۵۰)، قرآنی راه حل (خطبه ۱۹۲)، قرآن کی صیح پیروی کرنے کے فواکد (خط نمبر ۵۳)، قرآن تاریخ کی سب سے بڑی سند (حکمت ۳۱۳)، قرآن کی تفسیر و تاویل کی ضرورت (خطبه ۱۲۳ و خط نمبر ۷۷)، قرآن کا فلیفہ (حکمت ۱۰۸)، حاکم اسلامی کے کردار پر قرآن کااثر (خط نمبر ۲۹)، دین کے کمال میں قرآن کا کردار (خطبه ۱۸۱)، قرآن کی خصوصیات (خطبه ا، ۱۰۸، ۱۳۱، ۱۵۰، ۱۵۴، ۱۵۲، ۱۲۵، ۱۲۷، ۱۷۲، ۱۸۱) اور بید کہ سب کچھ قرآن میں ہے (خطبہ ۱۸۱)۔

اورآخر میں مولائے کا ئنات قرآن کے فضائل کے سلسلے میں فرماتے ہیں:

وتَعَلَّمُوا الْقُرْآنَ فَإِنَّه أَحْسَنُ الْحَدِيثِ وتَفَقَّهُوا فِيه فَإِنَّه رَبِيعُ الْقُلُوبِ واسْتَشْفُوا بنُوره فَإِنَّه شِفَاءُ الصُّدُور وأَحْسِنُوا تِلَاوَتَه فَإِنَّه أَحسَنُ الْقَصَصِ ترجمه: قرآن مجيد كاعلم حاصل کرو کہ بیہ بہترین کلام ہے اور اس میں غور و فکر کرو کہ بیہ دلوں کی بہار ہے۔اس کے نور سے شفاحاصل کرو کہ بیہ دلوں کے لئے شفاہے اور اس کی با قاعدہ تلاوت کرو کہ اس کے واقعات سب واقعات سے زیادہ فائدہ رسال ہیں۔ '

#### منابع و مآخذ:

- نج البلاغه، ترجمه محمد دشتى، الهادى، قم، ۱۳۸۰ ش
- 💠 ابن خلدون، عبدالرحمٰن بن محمد ، مقدمه ، تحقیق خلیل شحاده ، دارالفکر ، بیروت ، ۴۰۸ ق
  - احمد امين ، ضحى الاسلام ، دار الكتاب العربي ، بيروت
- بلاذري، انساب الاشراف، تحقيق مجمد الفردوس العظم، دار المقطة العربيه، دمثق، ١٩٩٧م.
  - 💠 جعفریان، رسول، سیر هٔ رسول خداً، سازمان حیاب وانتشارات، تهران، ۳۷۳اش

ا ـ سير ه رسول خدا، ص ۲۱۸، ۲۱۷ ۲ رئج البلاغير، خطيه ۱۰۸

💠 حویزی، عبد علی بن جمعه عروسی، تفسیر نورالثقلین، تفحیح ہاشم رسولی محلاتی، قم

- په دانش نامهٔ امام علیّ زیر نظر علی اکبر رشاد ، به اهتمام پژوهشگاه فر هنگ واندیشهٔ اسلامی ، مؤسسه فر هنگی دانش واندیشهٔ معاصر ، ۱۳۸۰ش
  - 🖈 شهر ستانی، محمد بن عبد الكريم، الملل والنحل، تحقیق محمد سید سیانی، ۱۳۷۸
- ب شخ مفيد ، محمد بن محمد بن نعمان ، تصبح اعتقادات الاماميه ، تحقيق حسين درگابى ، قم ، المؤتمر العالمى لالفية الشخ المفيد ، ٣٠ المات
  - طباطبائی، سید محمد حسین ، المیزان فی تفسیر القرآن ، موسسه اساعیلیان ، قم ، ۲۷ ساش
  - 💠 قرائتی، محن، سیر هٔ پیامبر اکرمً بانگابی به قرآن کریم، مرکز فر چنگی در سهایی از قرآن، تهران، ۱۳۸۵ش
    - 🖈 مجلسی، محمد باقر، بحار الانوار ، تحقیق عبد الزمرا، العوی ، دار الرضا، بیروت
      - 💠 مطهری، مرتضٰی، ختم نبوت، صدرا، قم، ۱۳۸۵ش
      - 💠 مطهری، مرتضٰی سیری در سیر هٔ نبوی، صدرا، تهران، ۲۲ ۱۳ اش
      - پاد نامهٔ کنگرهٔ مِزارهٔ نیج البلاغه ، بنیاد نیج البلاغه ، تهران ، ۲۰ ۱۳ ۱۳ ش

# غیر مسلموں کے ساتھ پیغیبر اسلام کا حسن سلوک غزوات کے خصوصی حوالے سے

مؤلف: ڈاکٹر نجم السحرا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حسن اخلاق کا پیکر ہیں۔ ان کے اعلی اخلاق کی مثال رہتی دنیا تک کوئی بھی پیش کرنے سے قاصر ہے۔آپ نے نہ صرف دوستوں بلکہ دشمنوں کے ساتھ بھی ایسے عظیم اخلاق کا مظاہرہ کیا کہ چندہی سالوں میں آپ سارے عرب میں مقبول ہو گئے ۔ کفار مکہ کی اذبیتی ہوں یا طائف والوں کی بد تمیزیاں، آپ نے ہمیشہ بدسلوکی کا والوں کی بد تمیزیاں، آپ نے ہمیشہ بدسلوکی کا جواب حسن اخلاق سے دیا۔ اور یقیناً یہ ایسی خوبی ہے جس کی وجہ سے آپ نے لوگوں کے دلوں پر راج کیا اور بڑے سے بڑاد شمن بھی آپ کے اخلاق کے سامنے گھٹنے ٹیکے بنانہ رہ سکا۔

اس وقت جب جنگوں میں ظلم و بربریت کو مقدم رکھا جاتا تھا ایسے میں نبی کریم نے دنیا کو جنگی اضلاقیات کا درس دیااور کچھ اس طرح اپنے صحابہ کو اخلاقیات کا سبق پڑھایا کہ دشمن بھی جیران رہ گیا۔ آپ جنگ کو قتل و غار گری کے دائرے سے نکال کر ایک اعلی اخلاقی نصب العین تک لے آئے۔ آپ سے قبل عرب میں جنگ کسی اچھے مقصد سے نہیں لڑی جاتی تھی لیکن پنجیبر اسلامؓ نے لوگوں کو جنگ کرنے کے لئے اور فتنے لئے ایک نیا نصب العین دیا اور جنگ کی اجازت صرف اور صرف اللہ کے لئے اس کے دین کے لئے اور فتنے کو ختم کرنے کے لئے دی۔

رسول خداً نے جنگ کے لئے شریفانہ اصول و ضوابط قائم کئے اور اپنے فوجیوں اور سپہ سالاروں پر ان کی یابندی لازم کی ۔ جنگ کے بارے میں جو بھی احکامات آپ نے نافذ کئے وہ انسانی تاریخ میں بے نظیر ہیں:

الـ استثنث پروفیسر، اسلامیک اسٹٹیز ڈیار ٹمنٹ، جامعہ ہمدرد، نئی دہلی

\_

#### غير مقاتلين كے ساتھ اخلاقيات:

عور توں ، بچوں ، بوڑھوں اور ایا تیج کے بارے میں نبی کریم نے تاکید کی ہے کہ:

لا تقتلوا شيخا فانيا ولا طفلا صغيرا ولا امراة - ترجمه: كسى بورهم، كسى ي

اور کسی عورت کو قتل نه کرو۔ ا

ایک اور جگه آپ نے فرمایا:

لا تقتلوا اصحاب الصوامع ـ ترجمه: خانقاه نشين را ببول كو قتل نه كرويا عبادت كاه

میں بیٹھے ہوئے لو گوں کونہ مارو۔'

ایک مرتبہ نبی کریمؓ نے کسی جنگ میں ایک عورت کی لاش دیکھی توفرمایا" یہ تو نہیں لڑرہی تھی"۔" اس سے بیریات سمجھ میں آتی ہے کہ جولوگ غیر مقاتل ہوں ان کو قتل نہ کیا جائے۔

#### مقاتلین کے ساتھ اخلاقیات:

نبی اکرمؓ نے جنگ کرنے والوں کو مختلف مواقع پر مختلف اخلاقی اصول کی تعلیم دی کہ دیشمن کے ساتھ مقابلے میں جائیں تو چند ہاتوں کا خاص خیال رکھیں :

#### غفلت میں حملہ کرنے سے گریز:

عربوں کے یہاں بیر رواج تھا کہ رات کے آخری ھے میں دشمن پر حملہ کر دیا کرتے تھے۔ نبی کریمؓ نے اس سے احتراز کرنے کی تاکید کی ہے:

کان اذا جاء قوماً لم یغر حتی یصبح۔ ترجمہ:آپ کسی دشمن پر رات کے وقت پہنچتے تو صبح سے پہلے حملہ نہ کرتے۔"

ا ـ ابوداؤد، سنن ابو داؤود، کتاب الجهاد، حدیث نمبر ۲۶۱۴

۲\_ محمد ، شوكاني ، نيل الاوطار ، ص ٢٣٧

٣-ابوعبدالله، محمد بن اساعيل، صحيح بخاري، كتاب الجبهاد، حديث ١٥٠٣

۴ می صحیح بخاری، حدیث ۲۷۸۴

## سفیر کو قتل کرنے کی ممانعت:

وشمن کے سفیروں کو قتل کرنے سے خاص طور پر نبی کریم نے ممانعت فرمائی ہے:

مسلمہ کذاب کی طرف سے دوآدمی (قاصد) گتاخانہ پیغام لے کرآپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا: اللّٰہ کی قتم! اگر قاصدوں کو قتل کرناممنوع نہ ہوتا تو میں تم دونوں کی گردن مار دیتا۔ ا

#### وعده خلافی کی ممانعت:

نبی کریمؓ نے جنگ میں جن باتوں پر سخت تاکید کی ہے ان میں سے ایک عہد کی پاسداری بھی ہے۔ دشمن بھلے ہی بدعہدی کرے لیکن مسلمانوں کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ بغیر انقطاع عہد کے اطلاع کے ان پر حملہ کریں۔ قرآن میں مختلف مقامات پر عہد کو پورا کرنے کی نضیحت کی گئی ہے:

واوفوا بالعہدان العہد كان مسئوولا۔ ترجمہ: عہد كو پورا كرو-ب شك عہد كى يابندى كے بارے ميں يو چھاجائے گا۔ ا

نبی کریم فوجوں کو بھیجے وقت جو ہدایات دیتے تھے ان میں سے ایک یہ تھی کہ لا تغدر والینیٰ بدعہدی نہ کرنا۔ایک مرتبہ آپ نے فرمایا کہ:

۔ "آگاہ رہو کہ عہد توڑنے والے ہر شخص کے لئے ایک علم ہو گاجواس کی عہد شکنی کی مقدار کے برابر بلند ہو گا۔اور لو گوں کے حکمراں کی عہد شکنی ہے بڑی کوئی عہد شکنی نہیں۔"

ایک موقع پر پغیبر اسلام نے فرمایا کہ:

"جس نے کسی قوم کے ساتھ معاہدہ کیا تووہ نہ اس معاہدے کی گرہ کھولے نہ ہی اسے مزید سخت کرے یہاں تک کہ اس کی مدت پوری ہو، یا وہ انہیں معاہدہ ختم کرنے کے متعلق با قاعدہ طور پر آگاہ کر دے۔ " "

ا ـ سنن ابي داؤد ، كتاب الجهاد

۲۔ سورہ بنی اسرائیل، آیت ۳۴

۳- مسلم، نیشالوُری، صحیح مسلم، کتاب الجهاد، باب التحریم الغدر ۴- محمه، ترمذی، سنن ترمذی، کتاب السر، باب ماحا، فی الغدر راه استال

اس بات کا مشاہرہ صلح حدیبیہ میں بھی ہوتا ہے کہ صلح نامہ لکھنے کے بعد ایک مسلم نوجوان ابو جندل جس کا باپ صلح نامے کی شر الط نبی کریمؓ سے طے کر رہاتھا، پیڑیوں میں بھا گئے ہوئے آیا اور کہا"مسلمانوں مجھے بچاو"۔ رسول خدا نے فرمایا کہ اب معاہرہ ہو چکا ہے۔ اب ہم تمہاری مدد نہیں کر سکتے۔ تم واپس جاؤ۔ اللّٰہ تمہارے لئے کوئی راستہ نکالے گا۔ اس کی حالت دیکھ کر تمام مسلمان روپڑے لیکن رسول اللّٰہ نے جب فرمادیا کہ عہد کی خلاف ورزی ہم نہیں کر سکتے تو اس کو بچانے کے لئے ایک ہاتھ بھی آگے نہ بڑھا اور کفار اس کو زبرد ستی گھییٹ کرلے گئے۔ یہ وفائے عہد کی بہت اعلیٰ مثال ہے۔

# اعلان جنگ كاحكم:

اسلام میں چنگے سے بیٹھ چیچے حملہ کرنے کی اجازت نہیں ہے بلکہ جب کسی قوم سے جنگ کرنا نا گزیر ہو تو پہلے اعلان کیا جائے جیسا کہ قرآن کی اس آیت میں فرما ہا گیا ہے:

وَإِمَّا تَخَافَنَّ مِنُ قُومِ خِيَائَةً فَانْبِذُ إِلَيْهِ عَلَى سَوَاءٍ - ترجمہ: اگر تہيں كسى قوم على سَوَاءِ - ترجمہ: اگر تہيں كسى قوم عن ذيات (يعنى عهد شكنى) كاخطرہ ہو تواس كاعهد اعلانيه اس كے منہ پر مار دو- ا

اس آیت سے یہی مفہوم نکلتا ہے کہ دسمن کو اعلانیہ جنگ کی بات بتا دینے کے بعد ہی کوئی قدم اٹھانا چاہیے البتہ اگر دسمن نے ہی کوئی کاروائی چیکے سے شروع کر دی ہو تو جواباً اس کے خلاف علی الاعلان کوئی قدم اٹھایا جاسکتا ہے۔ قدم اٹھایا جاسکتا ہے۔

#### آك ميں جلانے كى ممانعت:

آپ نے دسمن قوم کے کسی بھی فرد کوآگ میں جلا کر مارنے کی صاف ممانعت فرمائی:

لا ینبغی ان یعذب فی النار الا رب النار۔ ترجمہ: آگ کے رب کے سواکسی کے لئے یہ مناسب نہیں کہ وہ کسی کوآگ میں جلائے۔ ا

اله سوره انفال، آیت ۵۸ صحم

۲ صیح بخاری، کتاب الجهاد، حدیث ۳۰۱۲

#### زخی کے ساتھ حسن سلوک:

آپ نے یہ تاکید کی ہے کہ زخمی پر حملہ نہ کیاجائے: لا تجھزن علی حریح۔ کسی زخمی پر حملہ نہ کرو۔ ا

### باندھ کر قتل کرنے کی ممانعت:

نبی کریم نے باندھ کر قتل کرنے یا قید کی حالت میں قتل کرنے سے منع فرمایا ہے۔حضرت ابوابوب سے روایت ہے کہ نبی کریم نے فرمایا:

"جس خدا کے ہاتھ میں میری جان ہے اس کی قتم کھا کر کہتا ہوں کہ میں کسی مرغ کو بھی باندھ کرذئ نہ کروں گا۔" ۲

#### شور کرنے کی ممانعت:

عربوں کی جنگ میں بہت زیادہ ہنگامہ اور شور ہوا کرتا تھالیکن اسلام کی آمد کے بعد نبی کریمؓ نے اس سے منع فرمایا۔ ابو موسیٰ اشعری سے روایت ہے کہ:

كنا مع رسول الله صلى الله عليه و آله وسلم و كنا اذا اشرفنا على واد هللنا و كبرنا، ارتفعت اصواتنا، فقال النبى صلى الله عليه وسلم : اربعوا على انفسكم، انكم لا تدعون اصم و لا غائباً ، انه معكم انه سميع قريب

ترجمہ: ہم رسول اللہ کے ساتھ تھے، جب کسی وادی پر پہنچتے تو زور و شور سے تکبیر اور تہلیل کے نعرے بلند کرتے تھے۔اس پر آپ نے فرمایا: اے لوگوں و قار کے ساتھ چلو، تم جس کو پکار رہے ہو وہ نہ بہرہ ہے اور نہ غائب۔وہ تو تمہارے ساتھ ہے،سب پچھ سنتا ہے اور بہت قریب ہے۔

اله صحیح مسلم، کتاب الجهاد

٢\_ سنن ابي داؤد ، كتاب الجهاد ، باب قتل الاسير باالنبل ، حديث ٢٦٨٧ صح

۳ صحیح بخاری، حدیث ۲۸۳۰

## مفتوحه ملك مين اخلاقيات كامظامره:

جب کوئی ملک فتح ہو جائے تو وہاں پر عام تاہی مچانے سے منع کیا گیا ہے۔ بستیوں کوویران کرنے کی ممانعت ہے۔ ممانعت ہے۔ ممانعت ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ:

"الله تعالى نے تمہارے لیے یہ جائز نہیں کیا کہ اہل کتاب کے گھروں میں ان کی اجازت کے بغیر گھس جاویاان کی عور توں کو مارو پیٹو، یاان کے پھل کھا و جب کہ وہ تمہیں وہ دے چکے ہیں جوان پر واجب تھا"۔

مفتوحہ ملک میں تھی بھی طرح کی بربادی کی اجازت سے روکا گیا ہے خاص طور پر فصلوں کو برباد نہ کرنے کی تاکید قرآن میں کی گئی ہے:

واذا تولی سعی فی الارض لیفسد فیها و پهلك الحرث والنسل والله لا يحب الفساد - ترجمه: جب وه حاكم بنتا ہے تو كوشش كرتا ہے كه زمين ميں فساد پھيلائے اور فسلوں اور نسلوں كوبر باد كرے اور الله تعالى فساد كو پيند نہيں كرتا۔ ا

### مفتوحه علاقے میں چیزوں کو بلااجازت ندلینے کی تاکید:

اس بات کی نصیحت نبی کریمؓ نے بہت ہی صاف الفاظ میں فرمادی ہے کہ مفتوحہ علاقے میں بنااجازت عام لو گوں کے سامان کو استعال نہ کیا جائے، اگر کسی چیز کی ضرورت ہو تواس کو خرید کر لینا چاہیے یا مالکوں کی اجازت لے کراس کو استعال کرنا چاہیے۔ "

## وسمن كى لاش كى بے حرمتى:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جہاں زندہ لو گوں کا احترام کرناسکھایا ہے وہیں دسمن کی لاشوں کے ساتھ بدسلو کی کرنے سے بھی منع فرمایا ہے:

ا ـ ابو سنن ابي داؤد ، كتاب الخراج والامارة والفي ، باب في تعشير الل الذمه

۲- سوره بقره ، آیت ۲۰۵

٣\_ سنن الى داؤد، كتاب الجهاد، حديث ٢٦٢٩

نهى النبى صلى الله عليه وسلم عن المثله-ترجمه: نبى كريم صلى الله عليه وسلم نه وشمن كى لا شول كومثله (يعنى ان كوكائنا) كرنے سے منع فرمايا۔

یہ حکم پیغیبر اسلامؓ نے جنگ احد کے موقع پر دیا تھاجب کی مسلمان شہید کر دئے گئے اور دسمنوں نے ان کے ناک کان کاٹ کر ہار بنا کر گلے میں پہن لیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چیا حضرت حمزہ کا کلیجہ کالا گیا اور اسے چبانے کی کوشش کی گئی۔اس وقت مسلمانوں کے غصے کی انتہانہ رہی مگر رسول اللہ نے فرمایا کہ تم غنیم کے مقولوں کے ساتھ یہ سلوک نہ کرنا۔وشمن کی لاشوں کے بارے میں یہ بھی حکم دیا گیا ہے کہ اس کو انہی کے حوالے کر دیا جائے۔

جنگ احزاب میں دسمن کا ایک مشہور شہ سوار مر کر خندق میں گر گیا۔ کفار نے نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے سامنے دس مزار دینار پیش کئے کہ اس کی لاش ہمیں دے دیجئے۔آپ نے فرمایا کہ میں مردے بیچنے والانہیں ہوں۔تم لے جاؤاپنی لاش۔

#### قيدى كے ساتھ اخلاقيات:

دنیامیں جتنی قومیں گزری ہیں انہوں نے جنگی قیدیوں کے ساتھ ہمیشہ وحثیانہ اور بہیانہ سلوک روا رکھا ہے۔ گوانتا موبے کی جیل اس بات کی شاہد ہے۔ آپ کے زمانے کے جنگی قیدیوں کا جائزہ لیا جائے تو یہ بات صاف عیاں ہوتی ہے کہ ان کے ساتھ کس حسن سلوک کا معاملہ کیا گیا۔ آپ نے قیدی کے ساتھ بھی اچھے اخلاق سے پیش آنے کی نصیحت کی ہے اور یہ بھی فرمایا کہ:

لا يقتلن اسير - ترجمه: كسى قيدى كو قتل نه كيا جائے- ٢

فتح مکہ کے موقع پربڑی ہی آسانی سے آپ نے اپنے دشمنوں کو معاف کر دیاجب کہ آپ اتی قوت رکھتے ہے کہ ان کو گر فتار کرکے سڑی سزا دیتے لیکن آپ نے عام معافی کا اعلان کرکے سب کو حیران کر دیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان میں سے بہت سے لوگوں نے آپ کے اس طرز عمل کو دیکھ کر اسلام قبول کر

ا ـ سنن ابی داؤد، کتاب الجهاد، حدیث ۲۶۱۳ ۲ ـ علی بن عمر، دار قطنی، سنن دار قطنی

لیا۔آپ نے مختلف جنگوں میں قید ہوئے لوگوں کے ساتھ بھی اپنے اعلیٰ اخلاق کا مظاہرہ کیااور ان کو رہا کرنے میں نرمی کا ثبوت دیا جیسا کہ جنگ بدر کے قیدیوں میں سے کچھ کو جرمانہ لے کراور بقیہ کو صرف اس بات پر رہا کر دیا گیا کہ وہ کچھ مسلمانوں کو لکھنا پڑھنا سکھا ئیں۔ان قیدیوں کو مہمان کی طرح رکھا گیا اور مسلمانوں نے ان کے ساتھ بہت ہی محبت کا معالمہ کیااور ان کی خوب خاطر مدارات کی۔

جنگ حنین میں چھ ہزار کے قریب لوگوں کو قیدی بنایا گیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نئے مسلمان ہونے والوں کو اس بات کے لئے قائل کیا کہ وہ اپنے اپنے جھے کے قیدیوں کو آزاد کر دیں اور نہ صرف یہ کہ آزاد کریں بلکہ ان کو مال غنیمت کا مال بھی واپس کر دیں۔ چنانچہ انہوں نے ایبا ہی کیا۔ جنگ خیبر میں بھی آپ نے یہودیوں کے سر دار حی بن اخطب کی بیٹی صفیہ سے نکاح کر کے مسلمانوں کو ترغیب دی کہ وہ خیبر کے قیدیوں کو آزاد کر دیں۔ اس کے علاوہ بھی کئی بار نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان جنگی قیدیوں کو آپ یاس سے فدیہ دے کر رہا کیا۔

تحقیق کے مطابق عہد نبوی کے تمام غزوات میں قیدیوں کی مجموعی تعداد ۱۵۲۴ور مقولین کی تعداد ۲۵۹ ملمان شہید ہوئے۔ ان قیدیوں میں سے ۲۳۴۸ قیدیوں کو نبی رحمت صلی اللہ علیہ و کے ان قیدیوں میں سے ۲۳۴۸ قیدیوں کو نبی رحمت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے غزوہ حنین کے بعد بغیر کسی شرط کے رہا کر دیا، صرف ایک شخص قصاص کے طور پر قتل ہوا، پھر ۲۱۵ قیدیوں میں سے ۲۰ کو بدر میں فدیہ لے کر رہا کر دیا گیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحمہ لی سے غالب گمان یبی ہے کہ بقیہ قیدیوں کو بھی رہا کر دیا گیا۔ اور سام کی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محمد لی سے غالب گمان یبی ہے کہ بقیہ قیدیوں کو بھی رہا کر دیا گیا ہوگا۔ ا

### غير اسلامي جنگون كاجائزه:

اسلامی جنگوں کے مقابلے میں اگر دوسرے نام نہاد مہذب بننے والوں کی جنگوں کا مطالعہ کیا جائے تو اندازہ ہو تاہے کہ کس قدر قتل وخونریزی کی گئی اور انسانیت کو شر مسار کیا گیا۔

سسالہ جنگ (۱۷۱۸ - ۱۷۴۸ء) میں جرمنی ، فرانس ، آسٹر یا اور سویڈن وغیرہ نے حصہ لیا۔اس میں صرف جرمنی کے ایک کروڑ بیں لا کھ آدمی مارے گئے۔۱۸۵۷ کی جنگ آزادی ہند میں انگریزوں نے ۲۷ ہزار مسلمانوں کو بھانسی دی اور اس کے علاوہ سات دن تک برابر قتل عام ہوتا رہا جس کا کوئی حساب نہیں۔امریکی

ا- قاضى سليمان منصور پورى، رحمة للعالمين (ج دوم)، ص ۲۶۴

.

خانہ جنگی ۱۸۱۱۔۱۸۱۵ میں ۸لاکھ افراد مارے گئے اور ۷۴ کروڑ پاونڈ خرچ ہوئے۔ پہلی عالمی جنگ (۱۹۱۳۔۱۹۱۸) میں مجموعی طور پر ۵۵ لاکھ افراد ہلاک ہوئے اور ایک کھر ب ۱۸۱۸ ب ڈالر کے وسائل حیات نذر آتش کئے گئے۔۱۹۱۸ء میں سوویت یونین نے قزاقستان پر قبضہ کیا تو وہاں کی تمام مساجد اور دینی مدارس منہدم کر دئے گئے اور وس لاکھ قزاق مسلمان شہید ہوئے۔دوسری عالمی جنگ (۱۹۳۹۔۱۹۳۵) میں مجموعی طور پر ساڑھے چار کروڑ انسان ہلاک ہوئے۔جرمنی میں بے شار انسان گیس چیمبر میں ہلاک کئے گئے۔

### غير مسلم اسكالرس كااقرار:

جان بیک گلب نے یہودیوں کے ساتھ کئے گئے معاملے پریوں روشنی ڈالی ہے:

" شام ، مصراور فلسطین کی بہ سرعت فتوحات کا دلچسپ پہلو یہ ہے کہ وہ مفتوح اقوام کے جبر کی اسلام لانے پر محیط نہیں جیسا کہ قبل ازیں ہم دیکھ چکے ہیں کہ پیغیبر اسلام نے یہودیوں یا عیسائیوں کے جبر کی قبول اسلام کی حمایت نہیں کی تھی۔ یہود مدینہ کو اس لئے قتل یاجلا وطن کیا گیا تھا کہ وہ بطور فتنہ پرور قوم کے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مشن کی مخالفت سیاسی تھی نہ کہ مذہبی "۔"

یہ تمام قوانین اسی بات پر دلالت کرتے ہیں کہ چاہے جنگ ہو یا امن ایک مسلمان کے لئے اخلاق کا پہلو کہیں بھی دھندلا نہیں پڑنا چاہیے۔اسلام نے دنیا کو دکھا دیا کہ دشمن بھی بحثیت انسان قابل احترام ہے۔ اسلام دین امن وسلامتی ہے۔اس کا پہلا مقصد انسانیت کی بقاء اور دنیا میں امن کا قیام ہے۔یہ اپنے ماننے والوں کو جنگ اور بربادی سے نفرت ، دشمنوں سے نیک سلوک، تقوی و پر ہیز گاری،انسانی جان کی قدر،اس کی حفاظت اور حق کی دعوت دیتا ہے۔دوسروں کے ساتھ تعاون کی تعلیم دیتا ہے۔اللہ تعالی فرماتا ہے:

کُنٹُم حَیرَ أُمَّةٍ أُخْرِ جَتْ لِلنَّاسِ۔ ترجمہ: تم بہترین امت ہوجولو گوں کے لئے پیدائی گئی ہے۔ "
ایک بہترین امت بننے کے لئے تلوار کی نہیں اخلاق کی ضرورت ہے۔ اسی طریقے سے دنیا میں اسلام کا
بول بالا کیا جاسکتا ہے۔

ا۔ رحمۃ للعالمین کے میدان حنگ، خاور رشید ہٹ، ص۳۲۔۳۳

Life and Times of Mohammad by John Beggot p FAA \_r

۳\_ سوره آل عمران ، آیت ۱۱۰

راه است لام

### منابع و مآخذ

- 💠 رحمة للعالمين، قاضي سليمان منصور بوري (ج دوم)، مركز الحرمين الاسليمي
- 💠 رحمة للعالمين کے ميدان جنگ، خاور رشيد بٹ، ادارہ حقوق الناس ويلفيئر فاونڈيش، لاہور ١٠٠٣ء
  - م. ابوداؤد، سنن ابو داؤد، مكتبه العصرييه، صيدا، بيروت، ۱۰۰٠ء
- 💠 ابو عبدالله، محمد بن اساعیل، صحیح بخاری (مترجم)، مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند، دہلی، ۲۰۰۴ء
  - 💠 محمه، شوکانی، نیل الاوطار، داراین جوزی، ۲۲۵ اُق
  - مسلم، نیشاپوری، صحیح مسلم، دار الطباعة العامره، ۱۳۲۹ق
  - 💠 محمد بن عيسي، ترمذي، سنن ترمذي، المطبعه المصرييه، ١٩٣١ء
  - 💠 على بن عمر، دار قطني، سنن دار قطني، مؤسسه الرساله ، بيروت، لبنان، ۴۰۰،۲۰

# توكل، نج البلاغه كى روشنى ميں

مصنف: بخش علی قنبری مترجم: مولانا ڈاکٹر محمد جعفر

توکل، اسلامی ثقافت کا ایک اخلاقی اور عرفانی مفہوم ہے۔ علمائے اخلاق نے سفارش کی ہے کہ قرآن کی امتباع کرتے ہوئے ہر مسلمان اپنی فردی اور اجتماعی زندگی میں توکل کو بروئے کار لائے اور عرفاء حضرات نے اسے ایک عرفانی مرتبہ کے طور پریاد کیا ہے اور ہر سالک کے لئے اس کو اپنی زندگی میں ڈھال لینا ضروری جانا ہے۔ ہمارے اخلاقی اور عرفانی منا کیع نے توکل کی ضرورت کی طرف توجہ دلائی ہے۔

نیج البلاغہ میں توکل کے اخلاقی اور عرفانی دونوں معنی بیان کئے گئے ہیں۔ حضرت علی نے نیج البلاغہ میں مختلف پہلوؤں سے توکل کی اہمیت پر تاکید کرتے ہوئے اس کو ایمان کا ستون، اخلاقی متانت کا سبب، عرفانی فقر کی دستیابی کاراستہ اور غور و فکر کا ذریعہ جانا ہے۔ نیج البلاغہ کے نقطہ نظر سے توکل میر گزانسانی کو شش کا جانشین نہیں ہے بلکہ اس کی جگہ وہاں ہے جہاں کوئی امر انسانی اختیار سے باہر ہے۔

جب سے دنیامیں جدید علوم نے اپنا قدم رکھاہے ، دھیرے دھیرے انسان کے ذہن میں یہ تصور پیدا ہونے لگا ہے کہ یہ انسان معنوی اور مٹافیزیکل امور سے بے نیاز ہے۔ اسی فکر کے زیر اثر ہستی گرائی اور لبرلیزم جیسے مکاتب فکرکے افراد نے اپنی کار کردگی نثر وع کی اور اس کو آگے بڑھایا۔

ہتی گرائی نے انسان کو اخلاقی مفاہیم سے محروم کرنے اور لبرلیزم نے تقدس کے انکار کے ساتھ روحی اور نفسیاتی مشکلات میں کئی گنااضافہ کردیا ہے جس کی وجہ سے انسانی زندگی بحران سے دچار ہو گئی ہے جیسے معرفت کا بحران، خود ناآگاہی اور تنہائی کا بحران وغیرہ اور جس نے انسان کی روحانی اور جسمانی سلامتی کو خطر ہے میں ڈال دیا ہے۔

اس بحران سے نگلے اور نجات پانے کاراستہ کیا ہے؟ راقم الحروف کا ماننا ہے کہ اگر اس دور میں انسان خدا پر توکل کرے تو وہ بیان شدہ بحران اور مشکلات کا ڈٹ کر سامنا کر سکتا ہے اور اس پر غلبہ پاسکتا ہے۔ اس مضمون میں راقم الحروف اس سوال کا جواب دینا چاہتا ہے کہ نج البلاغہ کی روشنی میں توکل انسانی ارادہ کے منافی ہے یا نہیں؟ کن حالات میں توکل کا کوئی معنی نہیں ہوتا؟ اسی منافی ہے یا نہیں؟ کن حالات میں توکل کا کوئی معنی نہیں ہوتا؟ اسی طرح ہم اس موضوع پر بھی روشنی ڈالیس گے کہ موجودہ دور میں مشکلات اور بحران کو کم کرنے میں اس اضلاقی اور دینی فضیلت کی اہمیت کیا ہے۔

توکل اس وقت تک حاصل نہیں ہو تاجب تک انسان خدا کا معتقد نہ ہو اور اسی اعتقاد کی بنیاد پر وہ توکل کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اس کی یہی ضرورت اس کو خدا کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور جب وہ خدا کو پالیتا ہے جب تک ہے۔ انسانی حیات میں معنی و مفہوم پیدا ہوتا ہے اور یہ معنی و مفہوم اس وقت تک باقی رہتا ہے جب تک خدا پر اعتقاد باقی رہتا ہے۔ شاید انسان اسی تجربہ کے ذریعہ خدا کو پالے اور ہمیشہ کے لئے اس کو سمجھ لے اور اس پر عقیدہ رکھے رہے اور اس عقیدہ کے ساتھ پوری زندگی ثابت قدم رہے اور اس سے عشق کرنے لگے۔ لہذا اس دور میں توکل بہت زیادہ کار گر ثابت ہو سکتا ہے۔

دینی کتابوں میں خاص طور پر قرآن کریم اور اس کے بعد نیج البلاغہ میں خداپر توکل کرنے کے بارے میں بہت زیادہ تاکید کی گئی ہے اور ان کتابوں میں بیان شدہ متو کلین کے بہت سارے نمونے اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ کمال کی منزل تک پہنچنے اور اپنے اہداف کو حاصل کرنے میں توکل جیسے عمل کی کتنی تا ثیر ہے۔

توکل کی اہمیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہمیں اس بات سے غافل نہیں ہونا چاہیے کہ اس کے صحیح مفہوم کو سیجھنے میں ہمیشہ کچھ غلطیاں ہوتی رہی ہیں جس کا مشاہدہ بھی تاریخ میں کیا گیا ہے۔ اسلامی اور عرفانی تاریخ میں نوکل کے مختلف معنی و مفہوم بیان کئے گئے ہیں۔ کبھی کبھی اس کی وضاحت اس انداز میں کی گئی ہے کہ اس کا اصل معنی و مفہوم ہی بدل گیا ہے۔ اس لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اس کے معنی و مفہوم کو وضح طور پر سمجھیں تاکہ اس کے اصلی اور حقیقی معنی و مفہوم کو واضح کیا جاسکے اور اس میں کوئی شک مفہوم کو صحیح طور پر سمجھیں تاکہ اس کے اصلی اور حقیقی معنی و مفہوم کو واضح کیا جاسکے اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اس کے لئے عقل اور دینی متون جیسے قرآن و نہج البلاغہ کو ہی معیار قرار دیا جاسکتا ہے۔ جب ہم عرفانی کتابوں کا دین کی مقدس کتابوں (قرآن و نہج البلاغہ ) کے ساتھ موازنہ کرتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ

ان دونوں کے بیان شدہ مفاہیم میں بہت زیادہ فاصلہ ہے لہذاان فاصلوں کو کم کرنے کے لئے کوئی اقدام کرنا ضروری ہے۔البتہ اس میں بھی کوئی شک نہیں ہے کہ عرفاو صوفیائے کرام کا یہی ادعا ہوتا ہے کہ ان کا قول و فعل قرآن کے مطابق ہوتا ہے کیکن جب ہم مقایسہ کرتے ہیں تو وہ اپنے ادعا پر پورے اترتے ہوئے نظر نہیں آتے بلکہ بعض جگہوں پرالٹا بھی نظر آتا ہے۔

اسی غرض سے ہم نے یہ کوشش کی ہے کہ توکل کے معنی و منہوم کو نیج البلاغہ کی روشنی میں جائزہ لیں اور ساتھ ہی ساتھ صوفیائے کرام کے در میان رائج مفہوم کا بھی تقیدی مطالعہ کریں۔اسی ہدف کے تحت راقم الحروف نے توکل کے معنی و مفہوم کو اس کی اہمیت و عظمت کے پیش نظر، نیج البلاغہ کی روشنی میں بیان کیا ہے۔

### توكل كى اہميت:

توکل کابہت ہی اہم عرفانی مقام ہے اور سالک کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس مقام کو حاصل کرنے کے لئے اپنی تمامتر کو ششوں کو بروئے کار لائے۔ ایساسالک جس نے توکل کے مقام کو نہ پایا ہویقیناً کمال انسانی کے حصول کے لئے اس کے سامنے بہت طویل راستہ ہے یا لفظوں کو بدل کریوں کہا جائے کہ توکل سالک کی گذشتہ کو ششوں اور اس کا آخری مقام یعنی رضا کے در میان کی ایک زنجیر ہے۔ یعنی توکل ہی بندہ (سالک) اور خدا (مقصود) کے رابطہ کو عینی بناتا ہے۔

ابوطالب مکی کے نزدیک توکل کی اتن اہمیت ہے کہ توکل پر طعنہ دینا گویا ایمان پر طعنہ دینے کے برابر ہے اور توکل سے لگاؤ کو ایمان سے لگاؤ سے تعبیر کیا ہے ان کے عقیدہ کے مطابق مومن کو خدا کے رزاق ہونے پر اپنی تلاش و کوشش سے زیادہ ایمان ہونا چاہیے تاکہ توکل کے مرحلہ کو یاسکے۔

توکل کی اتنی زیادہ اہمیت ہے کہ اگر کوئی شخص توکل کو حاصل کرلیتا ہے تو خداوند متعال اس کے لئے آسانی دستر خوان (یعنی نعمتیں) بھیجتا ہے '۔ حضرت علیؓ کی نظر میں خداکے علاوہ کوئی بھی اس توکل کاسز اوار نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالی کسی کو بھی اپنی بارگاہ سے نہیں نکالتا ہے:

ا ـ مكى، ابوطالب، قوت القلوب، ص۵ ٢ ـ نيج البلاغه، ص ١٠٠

راه است لا)

هیهات هیهات انت اکرم من ان تضیع من ربیته او تبعد من ادنیته او تسلم الی البلاء من کفیته - ترجمه: اب بھلایہ کیے ممکن ہے کہ جسے تونے پالا ہے - جسے تونے قریب کیا ہے اسے دور کردے - جسے تونے پاہ دی ہے اسے رائدۂ درگاہ بنادے اور جس پر تونے مہر بانی کی ہے اسے بلاؤل کے حوالے کردے۔ ا

اس دعا میں حضرت علیؓ نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ جو شخص خدا کی پناہ میں آگیا، وہ ب سرپرست نہیں ہے اور جو شخص خدا کو اپنی پناہ کے لئے کافی جانتا ہے، وہ اس کو بلاؤں میں مبتلا نہیں کرتا۔ اہل توکل وہی خدا کی سرپرستی حاصل کرنے والے لوگ ہیں اور وہی لوگ توکل کی اہمیت سے آگاہ ہیں کیونکہ وہ یہ جانتے ہیں کہ ہر انسان کو ایک نہ ایک دن موت آئے گی اور وہ تنہائی سے دچار ہوگا للبذا موت اور تنہائی کے ڈرسے خدا کی پناہ میں آجاتے ہیں۔ نیج البلاغہ کے مطالعہ کے بعد مندر جہ ذیل باتوں کو توکل کی اہمیت کی دلیل کے طور پر بیان کیا جاسکتا ہے:

ا۔ توکل ایمان کاستون ہے: نج البلاغہ سے پہلے قرآن کریم نے اس امر پر بہت تاکید کی ہے اور ارشاد ہوتا ہے: و علی الله فلیتو کل المومنون کی بینی مؤمنوں کو چاہیے کہ خدا پر توکل کریں۔ ایمان اور توکل کا ایک ساتھ ہونا اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ اگر کوئی ایمان کا دعویٰ کرتا ہے تو ضروری ہے کہ وہ اہل توکل بھی ہو ور نہ اس کا ایمان ممکل اور مقبول نہیں ہے یعنی قرآن کی نگاہ میں ایمان کا معیار توکل ہے۔

نج البلاغه میں بھی اس بات کی طرف اشارہ ہوا ہے۔امیر المومنینؓ نے پیغیبر اسلامؓ سے نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا:

«کسی بندہ کا ایمان اس وقت تک سچا نہیں ہو تا جب تک وہ اپنے ہاتھوں میں موجود چیزوں سے زیادہ ان چیزوں پراعتاد نہ کرے جو خداکے ہاتھ میں ہے "۔

ا\_مفاتيح الجنان، ص١١٥

۲\_سوره آل عمران ، آیت ۱۲۰

٣ نج البلاغه، ص ٥٢٩

نیج البلاغہ کی نظر میں توکل ایمان کا ایک بنیادی ستون ہے لہذا ایمان اس وقت تک محکم نہیں ہوسکتا جب تک اس کے ستون محکم نہ ہوں:

الإيمانُ لَهُ أركانٌ أربعَةٌ: التَّوكُّلُ علَى الله ، وتَفويضُ الأمرِ إلَى الله ، والرِّضا بِقَضاء الله ، والتَّسليمُ لأمرِ الله ـ ترجمه: ايمان كے چار ركن بين: خداير توكل كرنا، امور كو خداكے حوالے كرنا، قضائے الى سے راضى رہنا اور امر خداير تسليم رہنا۔

۲- توکل بین خدا کی ذات کے علاوہ تمام چیزوں سے بے نیازی: راہ خدا اختیار کرنے والے جب تک خود کو دوسروں سے بے نیاز نہ کرلیں اور خدا کی ذات کو غنی نہ سمجھ لیں اور خود کو اس کے حوالے نہ کردیں، اس وقت تک وہ کمال کے مرحلہ کو نہیں پاسکتے ہیں۔ اس مرحلہ تک پہنچنے کے لئے سالک کے لئے ضروری ہے کہ وہ توکل جیسے پل سے گذرے کیونکہ خدا ہمیشہ ہندوں کی دسترس میں ہے:

اَللّهُمَّ إِنَّکَ آنس الانسین لِاَولِیَائِکَ وَ اَحضَرُهُم بِالْکِفَایَه لِلمُتَوَکِّلِینَ عَلَیکَ تُشاهِدُهُمْ فِی سَرائِرِهِمْ، وَ تَطَّلِعُ عَلَیْهِمْ فِی ضَمائِرِهِمْ وَ تَعْلَمُ مَبْلَغَ بَصائِرِهِمْ، وَ تَطَّلِعُ عَلَیْهِمْ فِی ضَمائِرِهِمْ وَ تَعْلَمُ مَبْلَغَ بَصائِرِهِمْ، ترجمہ: بارالہا! توا پے چاہنے والوں کا بہت قریبی ہمدم ہے اور جولوگ تجھ پر توکل کرتے ہیں ان کی کارسازی کے لئے سب سے زیادہ حاضر و ناظر ہے۔ توان لوگوں کو ان کے رازوں کے پردوں میں دیجتا ہے اور ان سے زیادہ ان کے اندرونی حالات سے آگا ہے۔ ا

سوتو کل اضلاقی متانت کا سبب: توکل کرنے والا انسان بڑی آسانی سے اپنے عادات و اطوار میں متانت اور و قار لاسکتا ہے یہاں تک کہ توکل اس کے رفتار و کردار پر حاکم ہوجاتا ہے۔ حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

وَ إِنْ بُغِيَ عَلَيْه صَبَرَ حَتّى يَكُونَ الله هوَ الَّذِى يَنْتَقِمُ لَه حِبِ الل پر كوئى ستم بوتا ہے تا جہ وتا ہے تا کہ خدااس كا انتقام لے لے۔"

ا ـ مجلسی، محمد باقر، بحار الانوار ( جلد ۷۱ )، ص ۱۵۷

۲\_ نج البلاغه، ص۹۳۹

٣-ايضاً، ص٢٠٣

سم۔ توکل ہی کے ذریعہ انسان ،الی نعمتوں اور غیبی امداد سے فائدہ حاصل کر سکتا ہے جس کے بارے میں بیان کیا جاچکا ہے۔

2- توکل، سادہ زیستی اور خرافات پرستی سے دوری کا سبب: توکل کرنے والا غور وفکر اور صبر کرنے والا بھی ہوتا ہے، وہ خدا کو بہترین منصف جانتا ہے اور ہر واقعہ کے وقوع پذیر ہونے میں غور کرتا ہے۔ اگر کوئی خدایر توکل کرے گاتوہ اجرام آسانی کی حرکت کو خرافات سے تعبیر نہیں کرے گا۔

# توكل كى تعريف اور اخلاق وعرفان كى بزرگ شخصيتول كے نظريات كاجائزہ:

لغت میں توکل کے معنی اعتاد کرنے کے ہیں اور عرفان کی اصطلاح میں خداپر اعتاد کرنے اور لوگوں سے مایوس ہونے کے معنی میں ہے او توکل کا معنی ہے بھی ہے کہ اپنے امور کو اس اختیار مطلق رکھنے والے مد بر اور رزق دینے والے کے حوالے کر دینا ہے اسفار سے امید رکھنے کے بعد توکل کا مرحلہ آتا ہے کیونکہ سالک اسی شخص پر اعتاد کرتا ہے، جس کے کرم کا اس سے پہلے تجربہ کرچکا ہواور کرم کا سب سے اہم مصداق، امید بخش ہے۔خدانے بھی قرآن میں مومنوں کو توکل کی تاکید کی ہے اور خدا پر ایمان رکھنے کو اس کا قرینہ قرار دیا ہے:

وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُونَ ترجمہ: اور بھروسہ کرنے والے تو اللہ ہی پر بھروسہ کرتے ہیں۔"

دوسرے عرفانی مقامات کی طرح تو کل بھی خواص و عوام کے در میان مشتر کئے ہے لیکن خاص لو گوں کی نگاہ اور عام لو گوں کی نگاہوں میں فرق ہوتا ہے۔ عام لو گوں کے نزدیک تو کل صرف اخلاق کا ایک پہلو ہے جب کہ خاص لوگ اخلاقی پہلو کے علاوہ اسے عرفانی پہلو کی نگاہ سے بھی دیکھتے ہیں اور پھر اسی اعتبار سے اس پر عمل کرتے ہیں۔

۳\_سوره ابراہیم ، آیت ۱۲

ا ـ جرجانی، میر سید شریف، التعریفات، ص ۲۲ ۲\_آملی، محمد شمس الدین، فر ہنگ اصطلاحات و تعریفات، ص ۸۳

بعض اہل نظر کے نزدیک اپنے تمام امور کو خدا کے حوالے کردینے کا نام توکل ہے 'کیونکہ خداوند متعال نعم الو کیل 'ہے اور بہترین و کیل پر بہترین اعتاد کرنے سے ہی اطمینان و سکون میسر ہوتا ہے اور بیہ اطمینان و سکون اسی کی وکالت سے ہے۔

ذوالنون مصری کامانناہے کہ تدبیر کاتر ک کردینا توکل کہلاتا ہے "اور سہل بن عبداللہ تستری کا بھی یہی مانناہے "۔ خداوند عالم قرآن میں ارشاد فرماتا ہے:

وَمَن يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَل لَّهُ مَخْرَجًا ﴿ وَيَرُزُقُهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ وَ مَن يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَل اللَّه مَخْرَجًا ﴿ وَيَرُزُقُهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ وَ مَن يَتَوَكَّلُ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسُبُهُ إِنَّ اللَّهَ بَالِغُ أَمُرِهِ قَدْ جَعَلَ اللَّهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدُرًا لِي يَتَوَكَّلُ مَعْنِ الله سے دُرتا ہے الله اس کے لئے نجات کی راہ پیدا کردیتا ہے۔ اور اسے الی جگہ سے رزق دیتا ہے جس کا خیال بھی نہیں ہوتا ہے اور جو خدا پر بجروسہ کرے گاخدا اس کے لئے کافی ہے بیشک خداا پ حکم کا پنچانے والا ہے اس نے ہم شے کے لئے ایک مقدار معین کردی ہے۔ معین کردی ہے۔ معین کردی ہے۔ معین کردی ہے۔ م

# نهج البلاغه مين توكل:

نج البلاغه میں بہت سارے دوسرے اخلاقی و عرفانی مفاہیم کی طرح توکل کے بارے میں بھی کچھ باتیں بیان ہوئی ہیں لیکن اس کی کوئی واضح وروشن تعریف بیان نہیں ہوئی ہے۔اس کے باوجود نیج البلاغه کی عبار توں سے بہ سمجھ میں آتا ہے کہ توکل یعنی خدا کی طرف پلٹنا:

و اتو كل على الله تو كل الانابة اليه - ترجمه: خداير توكل كرتا بون، ايبا توكل جواسي كي طرف لے جاتا ہے '۔

ا۔انصاری، منازل السائرین، ص۵۵

۲\_سوره آل عمران ، آیت ۲۷

٣\_ابن سراج،الطوسي،اللمع في التصوف، ص ٥٢

سم\_غنی، قاسم، تاریخ تصوف در اسلام (ج۲)، ص۲۹۷

۵۔ سورہ طلاق ،آیت ۲۔ ۳

٦\_ نج البلاغه، خطبه ١٢١

حضرت علیؓ نے نہج البلاغہ میں امام حسنؓ کو خدا پر توکل کرنے کا حکم دیا اور تاکید کی کہ اگر کوئی شخص توکل پر دستر سی حاصل کرلے تو گویا اس نے ایک محکم قلعہ میں پناہ لے لی ہے:

"اپنے تمام کاموں کو اپنے خداکے سپر د کردو کیونکہ ایبا کرنے پر تم کو ایک استوار وامن پناہ مل جائے گی" ۔'

توکل کے بارے میں نیج البلاغہ کی نگاہ ہر گزانسان کو کوشش سے نہیں روکتی ہے بلکہ ایک طرف خدا پر اعتماد کی تاکید ہے اور دوسری طرف کوشش کرنے کی طرف بلاوا بھی ہے لہذا نیج البلاغہ کی نگاہ میں توکل دراصل خدا پر اعتماد اور کوشش کا امتزاج ہے۔ کوشش و توکل کا آپی تلازم اس معنی میں ہے کہ توکل کی ایک خاص صورت ہے جو انسان کی کوشش میں کسی طرح کی رکاوٹ نہیں لاتا، صرف کہ توکل کی ایک خاص صورت ہے جن کے اسباب انسان کے اختیار میں نہیں ہیں بلکہ خداوند عالم کے اختیار میں نہیں ہیں اور ایسے میں انسان سوائے خدا پر اعتماد کرنے کے کچھ نہیں کرسکتا۔ حضرت علی فرماتے ہیں:

" میں دشمن کو موقع دینے سے پہلے ہی اس پر ایساوار کرتا ہوں کہ اس کی ہڑیاں ٹوٹ کر بکھر جائیں اور اس کے بازو قلم ہو جائیں "۔

ا پنی بات کو جاری رکھتے ہوئے امام علی توکل کی اہمیت کی طرف اس طرح اشارہ کرتے ہیں:

"اس کے بعد تمام چیزیں مشیت الهی سے ہوں گی "۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نیج البلاغہ کی نگاہ میں متوکل انسان وہ ہے جو مر ممکن کوشش کرے لیکن کامیابی کو مشیت البی کے آئینہ میں دیکھے اور جہال خدا کا اختیار شامل حال ہو وہاں توکل کرے۔ اس سے انسان کی کوشش اور توکل کے دائرہ کی وضاحت ہوتی ہے۔ بہر حال نیج البلاغہ کی نگاہ میں خدا پر توکل کرنے والاغیر خدا کی پناہ سے بے نیاز ہوجاتا ہے۔ جیسا کہ حضرت علی فرماتے ہیں:

ا في البلاغه ، ترجمه فيض الاسلام ، ص ١٩٠٠

٢- ايضاً، ص٨٨- ٩٩

٣\_ايضاً

من تو کل علیه کفاه - ترجمه: جو خدایر توکل کرے خدااس کے لئے کافی ہے ا

" جو شخص خدا پر تو کل کرتا ہے خدااس کے لئے دین کو ایک قابل بھروسہ وسیلہ قرار دیتا ہے تاکہ وہ نجات پانے تک مطمئن رہے اور دنیاوی رنج سے دور ہو جائے "'۔

یمی وجہ ہے کہ جب سالک خدا پر توکل کرتا ہے تو اغیار سے آئکھیں موند لیتا ہے اور تمام امیدیں خدا سے وابستہ کرلیتا ہے۔امیر المومنینؑ فرماتے ہیں:

"میں اس پر توکل کرتا ہوں اور ایسا توکل جو مجھے اس کی طرف لے جائے اور ایساراستہ ڈھونڈ ھتا ہوں جو جنت کی طرف لے جاتا ہو اور خشنو دی حاصل ہوتی ہو"۔

دوسری جگه آپارشاد فرماتے ہیں:

و ما توفیقی الا بالله علیه تو کلت و الیه انیب - ترجمہ: اور خداکے ہاتھوں میں ہی میری توفق ہے۔ میں نے اس پر توکل کیااور اس کی طرف بیٹ کر جاؤنگا ۔

مذکورہ باتوں کے علاوہ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ توکل اور یقین کے در میان عمیق ارتباط پایا جاتا ہے۔ حضرت علیؓ اس ارتباط کے بارے میں فرماتے ہیں :

"حسن توکل کے ذریعہ حسن یقین پر استدلال کیا جاسکتا ہے " ۔ لیعنی اگر کوئی توکل کی منزل پر فائز ہو گیا ہے تو اس کا مطلب سے ہے کہ اس نے ایجھے دلا کل پر دستر سی حاصل کرلی ہے۔ دوسری جگہ امامؓ فرماتے ہیں : " توکل کااصل سرچشمہ یقین ہے " ۔

ا به نیج البلاغه (ج۱)، ص۲۲۵

۲\_ نهج البلاغه (ج۲)، ص۳۱۳

٣\_ايضاً، ص٢٣٠

٧- ايضاً، ص٣٨٨

۵\_غررالحکم و دررالکلم (ج۳)، ص۲۲۴

۲-ایضاً، ج۱، ص ۱۸۸

توکل کے میدان میں پچھ الی سر گرمیاں شامل ہوتی ہیں جن کی ذمہ داری انسان کے ہاتھ میں انہیں دی گئ ہے، مثلاً رزق وروزی جو خدا کی طرف سے انسان تک پہنچی ہے۔ نیج البلاغہ میں رزق کی دو قسمیں بیان ہوئی ہیں: ایک وہ روزی ہے جس کو انسان چاہتا ہے اور دوسری وہ روزی ہے جو انسان کو طلب کرتی ہے الے پہلی قسم کی روزی کا تعلق توکل سے نہیں ہے کیونکہ اس طرح کی روزی انسان کو طلب کرتی ہے اس لئے انسان کی کوشش سے متعلق ہے لیکن دوسری قسم کی روزی انسان کے اختیار سے باہم ہے اس لئے انسان کو اس تک پہنچنے کے لئے خدا پر توکل کرنا چاہیے۔ حضرت علی نہج البلاغہ میں اس کلتہ کی طرف انشارہ فرماتے ہیں:

واعْلَمُوا عِلْماً يَقِيناً أَنَّ اللهَ لَمْ يَجْعَلْ لِلْعَبْدِ... أَكْتَرَ مِمَّا سُمِّيَ لَهُ فِي الدِّكْرِ
الْحَكِيمِ وَلَمْ يَحُلْ بَيْنَ الْعَبْدِ فِي ضَغْفِهِ وَقِلَّةِ حِيلَتِهِ وَبَيْنَ أَنْ يَبْلُغَ مَا شُمِّيَ لَهُ فِي الدِّكْرِ
الْحَكِيمِ \_ ترجمہ: یقین جانو کہ خداوند عالم نے اپنے بندوں کے لئے اس کی تقدیر سے زیادہ
کوئی چیز قرار نہیں دی ہے، چاہے وہ بندہ کتنا بی ناقان ولاچار ہو، جو پچھ اس کی تقدیر میں
معین کردیا گیا ہے اس میں رکاوٹ نہیں ڈالی گئی ہے۔ ا

# نج البلاغه میں توکل کے مبانی:

نیج البلاغہ کے ساتھ ساتھ دین اسلام کی دیگر دینی کتابوں میں بھی، خدا پر توکل اور اعتاد کرنے کو دیندار لوگوں کی اہم شرط بتایا گیا ہے۔ بیشک اہل دین کے نزدیک اس اہمیت کی کوئی خاص وجہ بھی ہوگی۔ توکل کے لئے خاص مبانی بیان کئے جاسکتے ہیں لیکن مبانی کو بیان کرنے سے پہلے ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ بنیادی طور پر یہ توکل کس طرح وجود میں آتا ہے؟ یا لفظ بدل کریوں سوال کیا جائے کہ کیا توکل کے مفہوم کو ہر معرفتی نظام کے لئے وصف کیا جاسکتا ہے؟ اس سوال کا جواب دینے کے لئے بچھ مبانی کو مورد بحث قرار دیتے ہیں:

ا۔ خداکی معرفت: جو لوگ اپنی زندگی میں توکل پر اعتقاد رکھتے ہیں وہ یقیناً اس جہان ہتی کے

ا نیج البلاغه، ص ۴۰ ۱۹ اور ۵۴۳ ۲ الضاً، ص ۵۲۴ خالق لینی خدا پر بھی عقیدہ رکھتے ہیں اور اس پر توکل کرتے ہیں۔ اگر ہم خدا کے مفہوم کے قائل نہ ہوں گے تو یقیناً توکل کے مفہوم کے بھی قائل نہیں ہو سکیں گے۔ بینک نہج البلاغہ خدا محور کتاب ہے جس کی ابتدااور انتہا خدااور اس پر ایمان سے متعلق ہے۔ امام علیؓ نے نہج البلاغہ میں اس بات کی طرف واضح اشارہ کیا ہے اور فرمایا ہے:

هو حسبنا و نعم الو کیل ، ترجمہ: وہ جمارے لئے کافی ہے اور وہی بہترین و کیل ہے ا

امام علیٰ کی نگاہ میں خداوند عالم مومنین کی ضروریات سے آگاہ ہے اور ان ضروریات کو پورا کرنے کی طاقت بھی رکھتا ہے اور وہی ان کے لئے کافی ہے الہٰ ذاسالک حضرات، خداوند عالم پر تو کل کر سکتے ہیں :

وَ اسْتَعِينُهُ فَاقَةً اِلَى كِفَايَتِهِ اِنَّهُ لَا يَضِلُّ مَنْ هَدَاهُ وَ لَا يَئِلُ مَنْ عَادَاهُ وَ لَا يَفْتَقِرُ مَنْ كَا مَنْ عَادَاهُ وَ لَا يَئِلُ مَنْ عَادَاهُ وَ لَا يَفْتَقِرُ مَنْ كَا مُرْ مِنْ عَادَاهُ وَ لَا يَعْلَمُ مَنْ عَالَمُ وَمِهُ اللّهِ كَوْمَهُ اللّهُ عَلَيْهِ مِنْ اللّهُ عَلَيْهِ عَلَيْهُ مِنْ عَلَيْهُ مِنْ عَلَيْهُ عَلَيْهُ مِنْ عَلَيْهُ مِنْ عَلَيْهُ مِنْ عَلَيْهُ عَلَيْهُ مَنْ عَلَيْهُ مَنْ عَلَيْهُ مِنْ عَلَيْهُ مَنْ عَلَيْهُ وَمَنْ عَلَيْهُ مَنْ عَلَيْهُ وَمَنْ عَلَيْهُ مَنْ عَلَيْهُ مَا مُنْ عَلَيْهُ مَنْ عَلَيْهُ مَنْ عَلَيْهُ مَنْ عَلَيْهُ مَنْ عَلَيْهُ مَا عَلَيْهُ مَنْ عَلَيْهُ مَا عَلَيْهُ مَا عَلَيْهُ مِنْ عَلَيْهُ مَا عَلَيْهُ مِنَا عَلَيْهُ مَنْ عَلَيْهُ مَنْ عَلَيْهُ مَنْ عَلَيْهُ عَلَيْهُ وَالْمُنْ عَلَيْهُ مَنْ عَلَيْهُ مَا عَلَيْهُ مَنْ عَلَيْهُ عَلَيْهُ مَا عَلَيْهُ مَنْ عَلَيْهُ مَنْ عَلَيْهُ مَنْ عَلَيْهُ مَنْ عَلَيْهُ مَا عَلَيْهُ مَنْ عَلَيْهُ مَا عَلَيْهُ مَا عَلَيْهُ مَا عَلَيْهُ مَنْ عَلَيْهُ مَا عَلَيْهُ عَلَيْهُ مَا عَلَيْهُ مَا عَلَيْهُ مَا عَلَيْهُ مَا عَلَيْهُ مَا عَلَيْهُ مُنْ عَلَيْهُ مَا عَلَيْهُ مَا عَلَيْهُ مَا عَلَيْهُ مَا عَلَيْهُ مَا عَلَيْهُ مَا عَلَيْهِ مِنْ عَلَيْهُ مَا عَلَيْهُ مَا عَلَيْهِ مَا عَلَيْهُ مُلْكُولُ مَا عَلَيْهُ مَا عَلَيْهُ مُلْعُلِمُ مُنْ عَلَيْهُ مَا عَلَيْ

دوسرے مقامات پر خداکے کافی ہونے پر تاکید کی گئی ہے:

وَ مَن تَوَكَّل عَلَيهِ كَفَاهُ- ترجمہ: جو خدا پر توكل كرے اس كے لئے وہى (خدا) كافى ہے"۔

اس کے علاوہ نہج البلاغہ میں اس بات کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے کہ صرف خدا ہی ایسا حقیقی و کیل ہے جس پر اعتباد کیا جاسکتا ہے:

امره بتقوي الله في سرائر امره و حفيات عمله، حيث لا شهيد غيره و لا وكيل دونه، ترجمه: اس كواس كے پوشيده كامول ميں خداسے تقوى كا حكم ديتا ہے، اس وقت جب

اله نج البلاغه، خطبه ۸۳

٢ ـ الينياً، خطبه ٢

۳-ایضاً، خطبه ۱۹۰ور خطبه ۸۳

اس کے علاوہ نہ کوئی گواہ ہے اور نہ ہی وکیل ہے۔ ا

امام علی نیج البلاغہ میں مختلف جگہوں پر خداپر توکل کرنے کے بارے میں واضح طور پر یہ بیان کرتے ہیں کہ خدانے مسلمانوں کی سر حدوں کی حفاظت کی صانت لی ہے ۔ یعنی امام نے نیج البلاغہ میں جو خداکا تضور پیش کیا ہے وہ یہ ہے کہ خدانے مسلمانوں کو اپنا موکل جانا ہے اور خود کو ان کا و کیل قرار دیتے ہوئے الن کے حدود کی ضانت بھی لی ہے۔

۲۔ انسانی شناخت: نیج البلاغہ کی روشنی میں انسان ایک ایسا موجود ہے جس میں توکل کی طاقت بھی ہے اور وہ اس کا ضرورت مند بھی ہے کیونکہ انسان کے امور تین حالتوں سے خالی نہیں ہیں: یا مکل طور پر انسان کے ہاتھوں میں ہیں یا مکل طور پر اس کی دستر س سے باہر ہیں اور یا ایسے امور ہیں جن کا کچھ حصہ انسان کی دستر س سے خارج ہے۔

دوسری اور تیسری حالت میں انسان کو خدا پر توکل کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔اس کے علاوہ نہج البلاغہ کی نگاہ میں انسان ایک ایسا موجود ہے جس کا مستقبل پر امید وار ہونا اس کے کام پر اچھااثر ڈال سکتا ہے کیونکہ توکل انسان کے قلب کوطاقت بخشا ہے اور مستقبل کے لئے امید وار کرتا ہے۔

سے عرفانی نقطہ نظر: عرفانی سلوک کاآخری ہدف خدا کی رضایت حاصل کرنا ہے جاہے یہ وصال حق ہو یا اس کے ساتھ وحدت ہو۔ خدا کی رضایت اس وقت حاصل ہوتی ہے جب انسان اپنی ہستی کو اس کے اختیار میں دیدے اور اپنے تمام امور میں خدا پر توکل کرے۔ اس لحاظ سے نہج البلاغہ کی روشنی میں توکل کو معرفت واخلاق کے آئینہ میں دیکھا جاسکتا ہے۔

امام علیؓ کی نظر میں خدا کی خوشنودی اتنی اہمیت کی حامل ہے کہ آپ اپنے تمام دنیاوی وسائل و سہولیات کو قربان کرنے کے لئے تیار ہیں لیکن ذرہ برابر بھی حق باری تعالی کے فرمان کی مخالفت نہیں کرنا چاہتے ہیں:

ا بنج البلاغه ، ص۳۸۲ ۲ ـ ابضاً، خطبه ۱۹۲۳، ص۱۹۲ وَاللهِ لَوْ أَعْطِيتُ الْأَقَالِيمَ السَّبْعَةَ بِمَا تَحْتَ أَفْلا كِهَا عَلَى أَنْ أَعْصِيَ اللهَ فِي نَمْلَةٍ أَسُلُبُهَا جِلْبَ شَعِيرَةٍ مَا فَعَلْتُهُ وَإِنَّ دُنْيَاكُمْ عِنْدِي لَأَهْوَنُ مِنْ وَرَقَةٍ فِي فَمِ جَرَادَةٍ أَسُلُبُهَا جِلْبَ شَعِيرَةٍ مَا فَعَلْتُهُ وَإِنَّ دُنْيَاكُمْ عِنْدِي لَأَهُونُ مِنْ وَرَقَةٍ فِي فَمِ جَرَادَةٍ تَقْضَمُهَا، مَا لِعَلِيّ وَلِنَعِيمٍ يَفْنَى وَلَذَّةٍ لاَ تَبْقَى - ترجمه: اگر ساتوں اقلیم اور جو پچھ بھی اس افلاک کے یہ جے جے ویا جائے اور مجھ سے یہ کہا جائے کہ میں خدا کی بس اتی نافرمانی کردوں کہ ایک چیو نٹی کے منہ سے گندم کا ایک ریزہ نکال لوں تو ہر گزمیں ایسا نافرمانی کروں گا اور بیشک میرے نزدیک تمہاری دنیا کی مثال ایس ہی ہے جیسے کوئی کیڑا اپنے منہ میں کوئی پتہ لے کر چارہا ہو۔ علی کو ایسی نعتوں اور لذتوں سے کیا حاصل ہے جو یا بیا یدار نہیں ہیں؟۔'

### توكل اور توحيد كا تنقيدي جائزه:

بعض علائے اخلاق اور عرفا وصوفیائے کرام توکل کو توحید کی فرع جانتے ہیں اور توکل کو توحید افعالی کی نشانی سمجھتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہا جائے کہ ہم شخص عمل و افعال کے مرحلہ میں اپنی توحید کو آخری مرحلہ تک پہنچانا چاہتا ہے اور اس کے پاس صرف ایک ہی چارہ ہے کہ وہ اپنے تمام امور کو خداکے سپر دکردے اور دوسرے عوامل کو دخل انداز نہ ہونے دے اور اس کو فاعل اور علت سمجھے۔ جیسا کہ ذوالنون مصری کہتے ہیں:

" توکل بہت سے خداؤں کی اطاعت سے باہر آنے اور ایک خدا کی اطاعت میں مشغول ہونے اور تیام اسباب کو قطع کردینے کا نام ہے"۔

وہ نتیجہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ صوفیہ کی نظر میں توکل توحید کی فرع ہے لینی توحیدِ حقیقی اصل ہے اور جس کاظاہر ہو نا توکل ہے ۔۔

عزیز الدین نسفی نے بھی توکل کو توحید کی فرع جانا ہے،اسی لئے وہ طریقت کے سالکوں کے لئے اسے

ا ينج البلاغه ، ص۲۲۴

۲\_ عطار، نیشاپوری، تذ کرةالاولیاء (ج۱)، ص۱۲۹

۳\_ تاریخ تصوف در اسلام، ص۲۹۵

ضروری جانتے ہیں کیونکہ عملی اور افعالی توحید اس وقت تک عینی صورت میں ظاہر نہیں ہوتی ہے جب تک انسان اپنی زندگی میں توکل کو نہ اپنائے '۔غزالی کا شار بھی ان لوگوں میں ہوتا ہے جو توکل کو توحید کی فرع جانتے ہیں اور توحید کو توکل کی حقیقت کا سرچشمہ مانتے ہیں '۔

# توکل کے مراتب اور متوکل کے درجات:

غزالي نے توکل کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہے:

ا۔ جب متوکل شخص دوسروں سے اختلاف ہونے کی صورت میں کسی کو اپناوکیل منتخب کرے لیکن ایسے شخص کو عقلمند، چالاک، فصیح، بے باک اور دلسوز ہونا چاہیے۔

۲۔ متوکل اپنے وکیل کو ایک مال کی طرح دیکھے اور بچہ کی طرح اپنے در دود کھ کو صرف اپنی مال سے کہے۔ سے متوکل ایک مردہ کی طرح ہو جو عسل دینے والے کے ہاتھ میں ہے ۔

مولاناروم بھی توکل کے اس درجہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے نوح کے بیٹے کی نافر مانی کو خدااور اپنے باپ پر اعتماد کرتا اور اے کاش وہ باپ پر توکل نہ ہو ناہی جانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ: اے کاش نوح کا بیٹا اپنے باپ پر اعتماد کرتا اور اے کاش وہ تیر نا بھی نہ جانتا تو وہ ہلاک نہیں ہوتا جس کے متیجہ میں بیہ خطاب ہوا کہ کیا نُوم إِنَّهُ لَيْسَ مِنَ أَهْلِكَ إِنَّهُ عَمَلٌ غَيْرٌ صَالِح (سورہ ہوو، ۴۷) ۔

اس بنیاد پر متوکل کو تین حصوں میں تقسیم کیاجاتا ہے اور اگر سالک توکل کے کسی ایک مرتبہ کو پالے تواسے متوکل کہاجاتا ہے۔ ابن سراج بھی غزالی کی طرح متوکل کے تین طبقات بیان کئے ہیں:
ا۔ عام مؤمنوں کا توکل
1۔ خاص مؤمنوں کا توکل

اله نسفى، عز الدين، الانسان الكامل، ص٣٣٣ تا ٣٣٨

<sup>۔</sup> ۲۔ غزالی، محمد ، الاربعین ، ص۲۲۹

۳ ـ غزالی، محمر، کیمیای سعادت، ص۸۰۹

۳\_ مولوی، جلال الدین محمه، مثنوی معنوی (ج ۴) ، بیت ۱۴ ۱۱۱ اور ۱۴ ۱۵

سا۔ ایسے مؤمنین کا توکل جن پر نظر کی جا پیکی ہے اور ایسے لوگوں کے بارے میں جنید نے کہا ہے کہ: "ہر حال میں ان کاخدا پر دلی اعتماد ہو تا ہے "ا۔

# توكل كى تعريف كاتقيدى جائزه:

مذکورہ تعریفوں سے یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ توکل تمام امور میں تدبیر کاترک کردینے کا نام ہے۔ یہ صحیح تعریف ہے لیکن اہم چیزیہ ہے کہ اس کے مصادیق کو کس طرح تعین کیا جانا چاہے؟ مصادیق کا تعین اور معیار بتانا بہت اہم ہے کیونکہ اگر اس کے حدود معین نہ ہوں گے تو غلط فہمی ہو سکتی ہے۔ اگر ہم تصوف کی کسی کتاب میں یہ پڑھتے ہیں کہ ایک عارف توکل کا مقام پانے کے لئے اپنے ساتھ کچھ لئے بغیر ہی جنگل میں چلا گیا اور اتفاق سے وہ بھوک و پیاس کا شکار ہو کر دنیا سے چلا گیا، تو یہ غلط فہمی کا ایک نا گوار نتیجہ ہوگا۔ صوفیوں کے در میان یہ مسئلہ اتنازیادہ رہا ہے کہ وہ لوگ آپس میں مسابقہ رکھتے تھے اور ایک دوسرے کا اس کی طرح سے امتحان لیتے تھے۔ ان کی نگاہ میں توکل کا مفہوم یہ ہے کہ زندگی کے تمام پہلووں میں تدبیر کو ترک کردینا اور اپنے پاس کچھ نہ رکھتے ہوئے خود کو مر دوں کی طرح ایسے بنادینا ہے جیسے تمہارا جسم عسل دینے والے کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ اور پھر ہم طرح کے نتائج کو وہ لوگ غدا کی طرف نسبت دیتے تھے حتی کہ چھوٹے سے چھوٹے اقدام کو بھی اپنے تصور کے منافی سمجھتے تھے اور خدا کے ارادے کو اپنے اوپر ایسا مسلط دیکھتے تھے جیسے کوئی پتہ ہوا کے تیز جھونکوں میں اڑ جاتا ہے۔

نقل ہوا ہے کہ ایک درویش دجلہ ندی میں گر گیا تولوگوں نے اس سے کہا کہ کیا تم نجات پانا چاہتے ہو؟ اس نے کہا: نہیں۔اور جب اس سے پوچھا گیا کہ کیا تم اس حال میں مرنا پسند کرتے ہو؟ تب بھی جواب دیا کہ نہیں۔اس استدلال کے ساتھ کہ ججھے خدا کی مثیت کے ساتھ کیا لینا ہے؟ خدا نے توانسان کی خلقت کے وقت ہی معین کردیا ہے کہ وہ غرق ہوگا یا نجات یائے گا! '

بعض صوفی حضرات اس بات کے قائل ہیں کہ انسان اپنے عمل میں مطلق طور پر مجبور ہے اور اس کے اندر کسی طرح کا کوئی ارادہ اور اختیار نہیں ہے کیونکہ جب خداوند عالم نے تمام چیزوں کو اس کے لئے مقدر

> ا\_اللّع فی التصوف، ص8تا ۵۲ ۲\_شیمل، آن ماری، ابعاد عر فانی اسلام، ص۲۱۳

اور مشخص کردیا ہے توانسان پراور خاص طور پر متو کل سالک پر کسی طرح کاارادہ کر ناحرام اور ناپندیدہ عمل ہے۔ بعض صوفی حضرات حضرت ابراہیم کے اس عمل کی طرف استناد کرتے ہیں جس میں انہوں نے جبر ئیل کو مدد کرنے سے منع کردیا تھا اور کہتے ہیں کہ انہوں نے جبر ئیل کو منع کرکے اپنے صحیح توکل کو ثابت کردیا اور خدانے بھی اس کے نتیجہ میں ان کے لئے آتش کو ٹھنڈ اکردیا تھا۔

البتہ صوفی حضرات مبتدی لوگوں کو توکل کے اس مفہوم سے آشا کرانے کے لئے، مشائ کے ایسے واقعات ان کے لئے بیان کرتے تھے جہاں انہوں نے دنیاوی اسباب کو چھوڑ کرکام کیا، جس کے نتیجہ میں ان کو بہترین صلہ و پاداش حاصل ہوئی۔ غزالی ابوحمزہ خراسانی نامی ایک صوفی سے نقل کرتے ہیں کہ ایک جنگل میں جارہا تھا تو میرا پیر لڑ کھڑا گیا اور میں ایک گہرے کؤیں میں گر گیا اور چونکہ میں اس کؤیں سے جنگل میں جارہا تھا تو میرا پیر لڑ کھڑا گیا اور میں ایک گہرے کؤیں میں گر گیا اور چونکہ میں اس کویں سے گفال باہر نہیں نکل سکتا تھا اس لئے سوچا کہ کسی کو بلاوں کہ وہ میری مدد کرے لیکن سے کام توکل کے خلاف تھا۔ کچھ گھٹے بعد دولوگ اس کویں کے پاس سے گذرے اور وہ آپس میں کہہ رہے تھے کہ اس کویں کو ڈھک دیا جائے تاکہ کوئی شخص اس میں نہ گرے۔ وہ لوگ کویں کو بند کرنے گئے، میں نے سوچا کہ ان کویں کو بند کرنے جائے تاکہ کوئی شخص اس میں نہ گرے۔ وہ لوگ کویں بات آئی کہ بہ تو توکل کے خلاف ہے۔ وہ لوگ کویں کو بند کرنے چلے گئے۔ میں کچھ دیر تک منتظر رہا کہ اچانگ ایک جانور آیا اور اس نے کویں سے تھوڑی کویں کو بند کرنے چلے گئے۔ میں کچھ دیر تک منتظر رہا کہ اچانگ ایک جانور آیا اور اس نے کویں سے تھوڑی کویں کویں کویں گویا ہے جاکہ اس کا پیر کویں کی طرف لاکا یا اور اپنی آواز میں گویا مجھ سے کہا کہ اس کا پیر کولوں تو میں نے بھی اس کا پیر کوئیں کی طرف لاکا یا اور اپنی آواز میں گویا مجھ سے کہا کہ اس کا پیر کولوں تو میں نے بھی اس کا پیر کوئیں سے ماہر آگیا۔

ہمیں یہ معلوم ہونا چاہیے کہ جس دنیا میں ہم زندگی گزار رہے ہیں، اس کے امور کا دو طرح سے جائزہ لیا جاسکتا ہے۔ ایک یہ کہ دنیا کے امور خدا کے ارادے سے چل رہے ہیں اور دوسرے یہ کہ انسان بھی اپنے متعلق امور میں مختار ہے۔ خدا اور انسان کا ارادہ ددنوں ایک ہی ساتھ انجام پاتے ہیں۔ افعال کو بھی دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ بعض امور ایسے ہیں جن پر انسان کو پورا اختیار دیا گیا ہے اور بعض میں انسان کو کسی طرح کا کوئی اختیار حاصل نہیں ہے۔ وہ افعال جن میں انسان کو اختیار حاصل نہیں ہے۔ وہ افعال جن میں انسان کو اختیار حاصل ہے اس کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ان میں سے بعض تو افعال کے زمرے میں قرار پاتے ہیں اور بعض نتیجہ ہوتے ہیں۔

مذکورہ تقسیم بندی کو مد نظر رکھتے ہوئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ توکل (چاہے عام ہویا خاص) ایسے امور میں ہوتا ہے جو انسان کی دسترس سے باہر ہو اور جہاں انسان کو اختیار دیا گیا ہے وہاں توکل کا مفہوم ہی صادق نہیں آتا۔ لہذاا گر انسان ایسے امور میں توکل کرے اور اپنا ائمال کو ویسے انجام نہ دے جیسا کہ خدا چاہتا تھا تو اس سے مواخذہ کیا جائےگا۔ عمل کی انجام دہی کے وقت کسی طرح کے توکل کو فرض نہیں کیا جاسکتا لیکن اس عمل کے نتیجہ پر ضرور توکل کیا جانا چاہیے کیونکہ نتا جگا تعلق خداوند عالم سے ہوتا ہے اور یہ جاسکتا لیکن اس عمل کے نتیجہ پر ضرور توکل کیا جانا چاہیے کیونکہ نتا جگا تعلق خداوند عالم سے ہوتا ہے اور یہ کام انسان کی طاقت سے خارج ہے۔ اس لئے متوکل انسان کو جو کام سپر دکیا گیا ہے، اسے انجام دینا چاہیے اور جب دنیاوی امکانات تک اس کی دسترسی نہ ہو سکے اور اس کے اختیار سے باہر ہو جائے تواسے توکل کا سہار الینا چاہیے۔ پیغیمر اکرمؓ فرماتے ہیں:

" پہلے اونٹ کو باندھ لو پھر توکل کرو"۔

لہذا خدا پر توکل اور اعتاد کرنے کا مفہوم یہ ہے کہ سالک خداکے بنائے ہوئے دستور پر عمل کرتا ہے لینی وہ اس بات پر یقین رکھتا ہے کہ وہ اپنے ہدف کو پورا کرلے گااور خدا کی راہ میں اس کی تلاش و جتجو بے نتیجہ نہیں رہے گی۔

توکل، متوکل انسان کو اس کی راہ میں بڑھنے کے لئے شجاعت دلاتا ہے اور اسے اس کے عمل کے متیجہ کے بارے میں بھی اطمینان دلاتا ہے کیونکہ وہ ایساکام انجام دیتا ہے جو خدا کو پسند ہے لیکن غیر متوکل کافر جو راہ خدا میں رکاوٹ بنتے ہیں، ان کے اعمال تباہ و برباد ہوجاتے ہیں۔اس لئے ظاہری اسباب سے توسل کرنا توکل کے منافی نہیں ہے۔امیر المومنین اس بارے میں فرماتے ہیں:

"خدا کی قشم ہر چیز مثیت الهی کے قبضہ میں ہے"۔

وہ امور جو انسانی اختیارات میں ہیں وہ انسان کی طرف پلٹتے ہیں اور جب انسان اپنی تمام ذمہ داریوں پر عمل کرلیتا ہے تو وہیں سے خداپر توکل کا مفہوم پیدا ہوتا ہے۔ امام علیؓ کی نظر میں بھی ایسا ہی ہے کیونکہ آپ جنگوں میں کامیابی کے لئے اپنی تمام تدبیروں سے کام لیتے تھے لیکن کامیابی کے لئے اپنی تمام تدبیروں سے کام لیتے تھے لیکن کامیابی کے لئے اپنی آپ کو تام الاختیار

ا کیمیای سعادت، ص ۸۲۰

۲\_ معادیخواه، عبدالحمید، فرہنگ آ فتاب، ج۳

وکیل لینی خدا کو سونپ دیتے تھے۔آپ متو کلانہ طریقہ سے جنگ کے نتیجہ پر تسلیم ہوجاتے ہیں۔ یہ وہی بات ہے کہ آپ نے فرمایا: "خدا کی قتم ہر چیز مشیت الهی کے قبضہ میں ہے"۔

اس لئے توکل کا تعلق خدا کے بنائے ہوئے منصوبہ سے ہوتا ہے، انسان کے بنائے ہوئے منصوبہ سے نہیں۔

یہ نظریہ اہل تصوف کے در میان رائج نظریہ سے مکل طور پر مختلف ہے۔ غزالی اس تقسیم بندی کو نہیں مانتے اور توکل کو توحید کے ڈھانچہ میں تصور کرتے ہیں لہذاوہ توکل کو ہستی کے تمام پہلوئوں میں کار گر دیکھتے ہیں اور متوکل وغیر متوکل افراد کے عمل میں فرق کی نشاندہی کے لئے دنیوی مواہب کو معیار بناتے ہیں۔ وہ کیمیائے سعادت میں لکھتے ہیں:

"جان لو جو شخص اپنے ایک سال کے اخراجات کا ذخیرہ کرتا ہے وہ توکل کی منزل سے ینچے گر جاتا ہے کیونکہ اس نے خفی اسباب کو جھوڑ کر ظاہری اسباب پر اعتماد کر لیالیکن جس شخص نے وقت کی ضرورت کو دیکھتے ہوئے قناعت کیا اور ضرورت کجر کھانا کھایا اور لباس پہنا تواس نے توکل کا حق اوا کردیالیکن اگر ذخیرہ کرنا چاہے تو چالیس دن تک اس کے لئے صحیح ہے۔ "۔

اگرہم توکل کو توحید کاتا بع یااس کی فرع سمجھتے ہیں تو یقیناً کسی کام کے انجام دہی میں چاہے وہ چھوٹا ہو یا بڑا، توکل کو نقصان پنچے گالیکن جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ توکل ایسے امور میں کیا جاتا ہے جس کا تنہا سبب خدا ہے اور ایسی جگہوں پر تدبیر کو ترک کرنا چاہیے ورنہ معیشت خانوادہ اور معاشرے کی سیاسی تدبیر جیسے امور توکل کے بارے میں بیان شدہ اس نظریہ کے منافی ہو تگیں۔ جیسا کہ امام علی نہج البلاغہ میں ایخام میں عدم ترقی کو دنیاوی اور ظاہری اسباب سے نسبت دیتے ہیں نہ کہ خدا سے اور آپ کے خطوط بالحضوص خط نمبر ۵۳، معاشرہ کے نظم و نسق کے لئے مختلف تدابیر اور ظاہری اسباب و علل کا سہار الیہ سے متعلق ہیں۔ امیر المومنین مالک اشتر کو وصیت کرتے ہیں کہ علماء کے ساتھ معاشرت کریں اور امور کی اصلاح میں ان سے مشورہ کرتے رہیں "۔

ا ينج البلاغه ، ص ۸۱۹

۲\_ایضاً، ج۱، خطبه ۲۷، ص۹۲

٣- الضاً، ج٥، خط نمبر ٥٣، صا١٠٠١

یہ سب اس بات کی نشانی ہے کہ حضرت علی توکل کو ایسے امور سے مخص کرتے ہیں جو انسان کے اختیار میں نہیں ہیں۔ اس نظریہ کے تحت ذخیرہ کرنا، سفر کے مقدمات فراہم کرنا، سکونت اختیار کرنا وغیرہ سبجی جائز ہے بلکہ بعض موقعوں پر عقل کے حکم سے واجب بھی ہے۔ اس کے برخلاف بعض صوفی حضرات یا توایسے بنیادی اقدامات کے قائل نہیں ہیں اور ان سب کو توکل کے منافی سمجھتے ہیں یا اس کے لئے ایک خاص ڈھانچے کے قائل ہیں۔ عزیز الدین نسفی زندگی کے امور و لوازم میں توکل کی حد کے مارے میں لکھتے ہیں :

"اہل وعیال والا شخص اگر کمائے اور ذخیرہ کرے تواس سے توکل پر کوئی حرف نہیں آتا ہے لیکن اسے چاہیے کہ ایک سال سے زیادہ کا نفقہ ذخیرہ نہ کرے اور بیر کمائی بھی حلال طریقہ سے حاصل کرے۔ اور اگر کوئی شادی شدہ نہ ہو اور اس کی حالت بیر ہو کہ کچھ دن غذانہ ملنے پراس کی حالت غیر ہو جائے تواس کو چاہیے کہ کوئی ذریعہ معاش اختیار کرے اور اس سے اس کے توکل پر حرف نہیں آتا ہے لیکن اس کو چاہیے کہ اپنی ضرورت کے مطابق ہی حاصل کرے اور ذخیرہ نہ کرے، چاہے وہ روزانہ ہی حاصل کرے اور اسی دن خدا کی راہ میں خرج کردے۔ اور اگر دو تین روز غذانہ ملنے سے اس کی حات غیر نہیں ہوتی ہے توکسب معاش کو ترک کرنا اس پر لازم ہے ا۔"

# توكل كوغلط سجھنے كے نقصانات:

اگر توکل کے بارے میں ہماراتصور غلط ہوگااور اسے افعالی توحید سے ملادیں گے تو یقیناً ہم کو مشکلات کا سامنا کر ناپڑے گا جن کی طرف ہم یہاں پر اشارہ کریں گے :

تو کل کے مفہوم کو غلط سیجھنے کی سب سے پہلی آفت اور نقصان، سستی ہے۔ جب ہم مرکام کو خداکے سپر دکردیں گے توکام کرنے اور سوچنے کے لئے ہمارے پاس کوئی وجہ نہیں رہ جاتی۔

اله الانسان الكامل، ص ١٣٢٧ ور ٢٢٦

\_

دوسری آفت یا نقصان یہ ہے کہ معاد اور معاش کے درمیان فاصلہ ہوجاتا ہے اور اس طرح دین اور دنیا ور دنیا میں جدائی نظر آنے لگتی ہے جب کہ امام علیؓ کے فرمان کے مطابق معاد کا تذکرہ، انسان کو کسب و معاش سے دور نہیں کرتا اور اس طرح اس کے برعکس۔

تیسری آفت عقل کا معطل ہونا ہے۔ اگر عقل سے کام لینا چھوڑ دیا جائے تو یقیناً معاشرہ کو بہت زیادہ نقصان ہوگا جب کہ دینی معارف کی روسے اس کو عبودیت کے مُرکب کے نام سے جانا گیا ہے اور اس دنیا میں انسانی معاش کی ذمہ داری اسی پر ہے۔ فنی اور علمی میدان میں مسلمانوں کی عدم ترقی کسی حد تک صوفیوں کے اس طرح کے نظریات کی وجہ سے ہے۔ جب کہ امیر المومنین عقل کو بہت زیادہ اہمیت دیتے ہیں اور اس بارے میں فرماتے ہیں:

"خدانے لو گوں کے در میان پیغیبروں کو بھیجا تاکہ لوگ اپنی پوشیدہ عقلوں کو کام میں لاسکیں "۲۔

جیساکہ ہم نے دیکھا کہ امام علیؓ کی نظر میں توکل اور ہر وہ اخلاقی صفت جو عقل کو بیکار کردے، مطلوب نہیں ہے بلکہ خدا کے بیجیج ہوئے پیغیبر اور آسانی کتابوں کے اغراض کے بالکل خلاف ہے۔ اس کے یہ بدیمی امر ہے کہ عرفانی اور اخلاقی مفاہیم کی اس طرح کی تعریف، نیج البلاغہ کی نظر میں قابل قبول نہیں ہے۔

کس طرح توکل کی ایک ایک ایسی تعریف کی جاسکتی ہے جو تدبیر کرنے اور راہ حل نکانے کے خلاف نہ ہو، کیونکہ عقل کاکام ہی تدبیر کرنااور سوچنا ہے اور امیر المومنین عقل کادوسرانام تدبیر بتاتے ہیں اور فرماتے ہیں:
لا عقل کالتدبیر، ترجمہ: تدبیر جیسی کوئی عقل نہیں ہے "۔

یہ تدبیر قطعی طور پر اسباب کے بروئے کار لانے کی توجیہ کرتی ہے اور توکل کے ساتھ بھی ناسازگار نہیں ہے۔

\_

ا- قال الصادق : العقل ما عبد به الرحمن ( مجلس، بحار الانوار، ٢٣٥، ص ١٤٠)

۲\_ نبج البلاغه (ج۱)، ص۳۳

٣- ايضاً، ج٢، ص٩٠١

عقل سے کام نہ لینے والے توکل کو کس طرح سے کوئی ایسا شخص قبول کر سکتا ہے جو عقل کو معاشر سے میں عدالت ، احقاق حق اور ابطال باطل کا ذریعہ سمجھتا ہو؟ لہٰذاامام علیؓ کی نگاہ میں توکل ہم گر عقل کے مزاحمت ایجاد نہیں کر تا اور نہ ہی عقل کا مخالف ہو سکتا ہے کیونکہ عقل کے بغیر معاشر سے کو آگے نہیں بڑھا یا جا سکتا۔ اس بات کو بھی مد نظر رکھیں کہ امام علیؓ نے کم سے کم چار سال تک معاشر سے کی باگ ڈور سنجمال رکھی تھی اور دو سری طرف امام کا توکل کے بارے میں اتنی تاکید کرنا بے معنی نہیں ہو سکتا ہے لہٰذا توکل اور تعقل کے در میان ایک تناسب ہونا چا ہیے۔ یہ بات مسلم ہے کہ امام علیؓ کی نظر میں توکل و تعقل میں ہم گرتنا قض نہیں ہے۔

### توكل كے فائدے:

متوکل اور غیر متوکل افراد کی زندگی ہر گزیکسال نہیں ہوتی۔جوانسان خداپر توکل کرتا ہے وہ مشکل گھڑی میں کامیابی کی امید کو نہیں چھوڑتا۔ متوکل انسان خدا کی عنایت اور زمانہ پراس کی حاکمیت پر توجہ کے ساتھ اپنی کوشش کو مفید پاتا ہے اور دیریازود وہ کامیابی میں دوسروں سے آگے بڑھ جاتا ہے۔ متوکل سالک اس دنیا کے مستقبل کوحق کی منج پر دیجتا ہے اور الی وعدہ سے لولگاتا ہے۔

اسی طرح تاریخ کے تکاملی سفر کو حق جوافراد کی کامیابی تضور کرتا ہے اور ایسے امر میں خدا کو اپناو کیل اور اس کامیابی کا سرچشمہ سیجھے ہوئے اسے صادق الوعد جانتا ہے۔ توکل کے انفرادی اور اجتماعی فائدے بھی ہیں جن میں سے بعض کی طرف نبج البلاغہ کی روشنی میں اشارہ کرس گے:

الف\_ توكل كے انفرادى فائدے: توكل كے مندرجہ ذيل انفرادى فائدے بين:

ا۔ **اپنے نفس پر قابو پانا**: منزل کمال تک پہنچنے کی تمنار کھنے والا انسان اس وقت تک اپنی منزل کو نہیں پہنچنے سکتا جب تک وہ اپنے نفس پر غلبہ نہ پالے۔ امام علیؓ فرماتے ہیں:

اقوى الناس من غلب هواه - ترجمه : لو گول ميں طاقتور انسان وہى ہے جواپنے نفس پر

غلبہ یالے ک

ا به نیج البلاغه (ج۴)، ص۲۸۲ ۲ غررالحکم و دررالکلم (ج۲)، ص۳۱۳

نفس کی کامیابی میں تو کل کابنیادی کردار ہوتا ہے اور وہ اس طرح سے کہ الهی راستہ کاسالک خدائی مدد اور اس کے وعدے کی بنیاد پر اپنے نفس سے مبارزہ کرتا ہے اور تو کل کا پہلا نتیجہ اس جنگ میں کامیابی کے ساتھ حاصل ہوتا ہے۔ حضرت علیؓ نفس سے جنگ کرنے میں تو کل کے کردار کے بارے میں فرماتے ہیں:

"جو پچھ میں کہہ رہا ہوں تم سن رہے ہو، یہ خدا ہی ہے جو نفس سے جنگ کرنے میں میری اور تمہاری مدد کرتا ہے اور وہی ہمارے لئے کافی ہے، وہ کتنا اچھاو کیل ہے "۔

۲- اخلاقی بیاریوں اور کمزوریوں کاعلاج: توکل نه کرنے والا انسان خداسے سوء ظن رکھتا ہے اور یہی منفی بات کنجوسی، لا کچ اور ڈر جیسے مختلف رذایل کا سبب بنتی ہے جب که متوکل انسان ہمیشہ خدا پر حسن ظن رکھتا ہے اور اس سے اچھائی کے علاوہ کسی چیز کی توقع نہیں کرتا ہے، اسی لئے وہ اخلاقی مشکلات سے آسانی سے لڑ سکتا ہے۔ امیر المومنین توکل کی اسی تا ثیر کے سلسلہ میں مالک اشتر کو تحریر فرماتے ہیں:

وَلاَ تُدْخِلَنَّ فِي مَشُورَتِكَ بَخِيلاً يَعْدِلُ بِكَ عَنِ الْفَصْٰلِ وَ يَعِدُكَ الْفَقْرَ، وَلاَ جَبَاناً يُصْعِفُكَ عَنِ اللَّمُورِ، وَلاَ حَرِيصاً يُزَيِّنُ لَكَ الشَّرَهَ بِالْجَوْرِ؛ فَإِنَّ الْبُخْلَ وَالْجُبْنَ وَالْجِرْصَ غَرَائِزُ شَتَّى، يَجْمَعُهَا سُوءُ الظَّنّ بِاللهِـ

ترجمہ: اپنے مشورہ میں کسی بخیل کو شامل نہ کرنا کہ وہ تم کو فضل و کرم کے راستہ سے ہٹادے گااور فقرو فاقہ کاخوف دلاتا رہے گااور اسی طرح بزدل سے مشورہ نہ کرنا کہ وہ ہم معاملہ میں تمہیں کمزور بنادے گا۔ اور حریص سے بھی مشورہ نہ کرنا کہ وہ ظالمانہ طریقہ سے مال جمع کرنے کو تمہارے سامنے آ راستہ کرے گا۔ یہ بخل ، بزدلی اور طمع اگرچہ الگ الگ جذبات و خصائل ہیں لیکن ان سب کا قدر مشتر کئر پروردگار سے سوء طمع اگرچہ الگ الگ جذبات و خصائل ہیں لیکن ان سب کا قدر مشتر کئر پروردگار سے سوء ظمن ہے جس کے بعد ان خصلتوں کا ظہور ہوتا ہے ۔

اـ فرہنگ آ فتاب، ج ۲۔ نج البلاغہ، خط۵۳ ب۔ **توکل کے اجما کی فائد**ے: توکل انسان کی اجما عی زندگی میں بھی بہت سے فائدے پینچاتا ہے جن کی طرف ہم نیج البلاغہ کی روشنی میں اشارہ کریںگے:

ارحق و باطل کی جنگ میں توکل ہی حق پیند افراد کے لئے استقامت کا سبب بنتا ہے: حق طلبی اور اس کی شاخت اور اس کے سامنے سر تسلیم خم کرنا انسانی خلقت کا ایک ہدف ہے ، البتہ معاشرے میں ہونے والی دگر گونی اور تبدیلیوں کی وجہ سے انسان کے لئے حق کا طلب کرنا مشکل ہوجاتا ہے ، ایسے میں صرف وہی افراد ڈٹے رہتے ہیں جوخدا پر اعتماد اور بھر وسہ رکھتے ہیں۔ امیر المومنین فرماتے ہیں:

إِنَّ هَذَا الْأَمْرُ لَمْ يَكُنْ نَصْرُهُ وَ لَا خِذْلَانُهُ بِكَثْرَةٍ وَ لَا بِقِلَّةٍ، وَ هُوَ دِينُ اللَّهِ الَّذِي أَظْهَرَهُ وَ جُنْدُهُ الَّذِي أَعَدَّهُ وَ أَمَدَّهُ، حَتَّى بَلَغَ مَا بَلَغَ وَ طَلَعَ حَيْثُ طَلَعَ، وَ نَحْنُ عَلَى مَوْعُودٍ مِنَ اللَّهِ، وَ اللَّهُ مُنْجِزٌ وَعْدَهُ وَ نَاصِرٌ جُنْدَهُ۔

ترجمہ: اسلام کی کامیابی اور شکست اس کے لشکر کی کمی یا زیادتی کی وجہ سے نہیں تھی۔ یہ خداکادستور ہے کہ اس نے کامیابی عطاکی اور اس نے اپنے لشکر کو بھیج کرمدد کی تاکہ اس کو جہاں تک پہنچنا ہو پہنچ جائے اور جہاں اس کو جہکنا ہو چمک جائے۔ ہم کو خدا نے کامیابی کا وعدہ دیا ہے اور خدا اپنے وعدہ پر وفادار اور اپنے لشکر کو مدد پہنچانے والا ہے۔ ا

توکل میں جس نکتہ کی طرف توجہ دینا چاہیے وہ یہ ہے کہ انسان کو ایساکام کرنا چاہیے جس کی وجہ سے توکل مکل طور پر اس کی زندگی کا حصہ بن جائے یعنی اپنی زندگی کے ہر شعبہ میں توکل ہی کے ساتھ عمل کرے تاکہ وہ اپنے وجود تک پہنچنے والی ہر آفت کو روک سکے۔ یہ ایک ایسا طریقہ ہے جس کا مشاہدہ ہم حضرت علیٰ کی پوری زندگی میں کرتے ہیں جیساکہ آپ نے خلیفہ دوم سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

و أمّا ما ذكرت من عددهم، فإنّا لم نكن نقاتل فيما مضى بالكثرة، و إنّما كنّا نقاتل بالنّصر و المعونة ـ ترجمه: اور جو يجم تم ني ان كي بهاري تعداد كے بارے ميں كها

ا ـ نج البلاغه، خطبه ۱۴۶، ص۲۰۳

راه است لا)

ہم ماضی میں بہت بڑے لشکر کے ساتھ کافروں سے نہیں لڑتے تھے بلکہ وشمن کا مقابلہ کرنے میں خدا ہماری مدد کرتا تھا۔ ا

۲۔ توکل، برعتیوں کے مقابلے میں دین کی حفاظت کا ذریعہ: دیندار انسان نہ صرف اپنے دین کی حفاظت کا ذریعہ: دیندار انسان نہ صرف اپنے دین کی حفاظت کا ذمہ دار ہوتا ہے بلکہ کبھی کبھی اپنی جان دے کر دین کوشتھکم بھی کر ناپڑتا ہے اور اس راہ میں کوئی کمی نہیں ہونی چاہئے۔ایساکام سبھی مومنین اور دینداروں سے متعلق ہے لیکن صرف وہی لوگ برعتیوں اور فسادیوں سے جنگ کرنے میں کامیاب ہوتے ہیں جو توکل کو اپنی ڈھال بناتے ہیں۔

سر توکل، دین اور اجماعی اصلاح کی بنیادی شرط: امیر المومنین توکل کو اصلاح معاشره کی بنیادی شرط مانته بین اور فرمات بین:

وَ مَا أُردتُ إِلَّا الْإِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ - ترجمہ: میر الصلاح کے علاوہ کوئی مقصد نہیں تھا جہاں تک میری استطاعت تھی اور میری توفیق خدا کے علاوہ کسی ہاتھ میں نہیں ہے۔ میں نے اس پر توکل کیا ہے اور اسی کی طرف لوٹ جاؤنگا۔ ا

سم وکل، خرافات سے روکتا ہے: اگرچہ یہ امر انفرادی اور اجتماعی دونوں طرح سے فائدہ مند ہوتا ہے لیکن چو نکہ اجتماعی امور میں اس کی تا ثیر زیادہ ہے اس لئے ہم نے اسے یہاں بیان کیا ہے۔ امیر المومنین جن امور کو خرافات سمجھتے ہیں اور ان کے مقابلہ میں سختی سے پیش آتے ہیں ان میں سے ایک نجومیت (ستارہ شناسی) ہے کیونکہ بعض لوگ خدا پر توکل کرنے کے بجائے ستاروں کے سعد و خس ہونے اور اس کے طلوع و غروب ہونے کو اپنا وسیلہ قرار دیتے ہیں اور اپنے راستہ سے ہٹ جاتے ہیں جس کے بارے میں ہم پہلے بیان کر چکے ہیں "۔

ا ـ ننج البلاغه، ص ۲۰۴

٢\_ايضاً

٣-ايضاً، ص١٠٥

#### منابع و مآخذ

- \* قرآن کریم
- 💠 نج البلاغه، ترجمه على نقى فيض الاسلام، مركز نشرآ ثار فيض الاسلام
  - 💠 نهج البلاغه، ترجمه حسين استاد ولي، اسوه، تهر ان، ۱۳۸۴ش
- پ غررالحکم و در رالککم، به کوشش محمد تمیمی آمدی، به تصبح و مقدمه میر جلال الدین حسینی ار موی، دانشگاه تهران، ۱۳۲۰ ش
- په آملی، محمد شمس الدین، فرمټگ اصطلاحات و تعریفات (نفایس الفنون)، به کوشش بهروز ثروتیان، فردوس، تېران، ۱۳۸۰ش
  - 💸 انصاری، منازل السائرین، به کوشش عبدالغفور روان فرمادی، مولی، تهران، ۱۹۸۱ء
    - 🖈 ابن السراج، الطوسي، المع في التصوف، به كوشش رينولد نيكلسن، ليدن، ١٩٨١ء
      - 💠 جرجانی، میر سید شریف، التعریفات، قامره، ۷۵ ساش
  - 💠 حافظ، خواجه مثمل الدين محمه، ديوان، به تصحيح محمد قزويني و قاسم غني، تهران، دانشگاه تهران
- په شيمل، آن ماری، ابعاد عرفانی اسلام، ترجمه عبدالرحیم گواهی، دفتر نشر فرهنگ اسلامی، تهران، اسلامی تهران، ۱۳۷۴ ش
  - 💠 عطار نیثابوری، فریدالدین، تذ کره الاولیا، به کوشش رینولد نیکلسن، دنیای کتاب، تهران، ۲۳۸۱ ش
    - خ غزالی، محمه، احیاء علوم الدین، تحقق الحافظ العراقی، ، دارالجیل، بیروت
    - 💠 غزالی محمه، الاربعین، ترجمه بر مان الدین حمه ی، اطلاعات ، تهر ان ، ۲۷ ساش
    - 💸 غزالی محمه، کیمیای سعادت، به کوشش احمه آرام ، امیر کبیر ، تهران، ۷۲ اش
      - 💠 غنی، قاسم، تاریخ تصوف در اسلام، نشر زوار، تهر ان، ۱۳۸۰ش
- په قشری، خواجه ابوالقاسم، ترجمه رساله قشریه، به کوشش بدیج الزمان فروزانفر، نشر علمی و فر بنگی تهران ، ۱۳۳۱ ش
  - 💸 فتی، شیخ عباس، مفاتیح البخان، ترجمه مهدی الهی قمشه ای، مرکز نشر فر چنگی رجا، تهران، ۲۰ ساش
  - 💠 كاشفي، ملاحسين، مثنوى لب لباب، بها هتمام حاج نصرالله تقوى، نشراساطير، تهران، ۷۵ ساش
    - 🖈 گوم بن، سید صادق، شرح اصطلاحات تصوف، نشر ذره، ۱۳۲۷ ش

راه اسکلا) 91

💠 مجلسی، مجمه باقر، بحارالانوار (جلد ۲۰،۱۷)، نشر داراحیا ِ التراث العربی، بیروت، ۱۴۰۳ ه

- معادیخواه، عبدالمجید، فرهنگ آفتاب، نشر ذره، تهران، ۲۲ ساش
   مکی، ابوطالب، قوت القلوب، تصحیح شخسین یازیجی، نشر مطبعه البابی الحجلی، مصر، ۱۳۸۱ش
  - مولوی، جلال الدین محمد، مثنوی معنوی، نشرامیر کبیر، تبران، ۳۲۳ش
- 💸 نسفى، عزالدين،الانسان الكامل، به تضح ماژيران موله،انستيتوايران وفرانسه، تهران، ١٩٦٢ و

# صحيفه سجاديه ميں دعاكى عرفانى تجليات

مؤلف: ڈاکٹر مہدی ابراہیمی مترجم: مولانا نثار احمد زین بوری

اس مقالہ میں صحیفہ سجادیہ کی دعاؤں کو فلسفیانہ ، تجربہ کارانہ اور عار فانہ تناظر میں پیش کیا گیا ہے اور اس کی خصوصیات کو درج ذیل عنوانات میں تحریر کیا گیا ہے:

الف: دعا، عار فانہ تناظر میں بہترین امر ہے کیونکہ دعا کرنا مطلوب ہے اور نتیجہ کے تا بع نہیں ہے۔ ب: دعا، عار فانہ تناظر میں اذن خدا کے تا بع ہے اور اسی لئے دعا کرنے سے لذت حاصل ہوتی ہے۔ ج: دعا کے کچھ مراتب ہیں جیسے تاجرانہ دعا، خدا کی افعالی مجلی، صفاتی مجلی اور ذاتی مجلی کو درک کرکے دعا وغیرہ۔

خدا سے ارتباط بر قرار کرناانسان کی سب سے اہم ضرورت ہے۔ انسان اور خدا کے مابین تکوینی رابطہ اور انسان کا وجودی طور پر خدا کا مختاج ہونا، اس کی خدا جوئی کی فطرت کو سیر نہیں کرتا ہے للذا ضرورت ہے کہ انسان اختیاری طور پر خدا سے ارتباط بر قرار کرے جو اس کے فقر ذاتی کا ایک مظہر ہے۔ یہ ارتباط جس میں لامحالہ طور پر خدا سے گفتگو بھی شامل ہے، انسان کی خدا جو فطرت کو سیر کر سکتا ہے اور اس کی ذاتی ضرورت کو اختیاری فعل کی حیثیت سے پورا کر سکتا ہے۔

خدا سے گفتگو کے مختلف طریقے اور اسلوب ہو سکتے ہیں۔ اس گفتگو کا نام دعا اور عبادت ہے جو دینی ثقافت کا اہم ترین پہلو ہے اور تمام ادیان الٰہی نے دعاو عبادت کو انسانی فطرت کے مطابق مانا ہے۔ دین مبین اسلام میں بھی دعا خدا سے ارتباط بر قرار کرنے کا ایک طریقہ ہے اور چو نکہ انسانوں کے مراتب مختلف ہیں المذاد عاکے مراتب بھی متفاوت ہیں۔ دعا کے مختلف مراتب پر دینی متون میں بھی توجہ دی گئی ہے۔ اس سلسلہ میں صحیفہ سجادیہ ایک پر فیض چشمہ ہے۔ دعا کی لذت اور اس کے تحسین جلوے مختلف مراتب سلسلہ میں صحیفہ سجادیہ ایک پر فیض چشمہ ہے۔ دعا کی لذت اور اس کے تحسین جلوے مختلف مراتب

راه است لا)

میں مختلف ہیں۔ اس مقالہ میں ہم دعاکے مختلف مراتب اور عرفانی تناظر میں اس کی بہترین حیثیت کو پیش کریں گے۔

### دعاکے بارے میں مختلف نظریات

دعا کو مختلف نظریات کے تحت تجزیہ کیا جاسکتا ہے۔ یہاں پر ان میں سے بعض کی طرف اشارہ کیاجاتا ہے۔

### فلسفى تناظر ميں :

اس تناظر میں دعا کو ایک عقلانی حقیقت کے عنوان سے موضوع بحث قرار دیاجاتا ہے۔ اس تناظر میں کا کنات اور انسان سے دعاکے رابطہ کو علت و معلول کے نقطہ کظر سے تجزیہ کیا جاتا ہے۔ کیا دعا علت و معلول کے نظام کو بدل سکتی ہے؟ کیا ہم کو خدا سے کوئی چیز طلب کرنے کا حق ہے؟ کیا اسے ہماری ضرور توں کاعلم نہیں ہے، تو ہمارے طلب کرنے کا کیافائدہ؟ دعا کے بارے میں فلسفی نقطہ نظر، ان سوالوں کا جواب دیتا ہے اور علت و معلول کے نظام میں دعا کے عقلی کردار کو بیان کر کے اسے فضول بات سے متاز کرتا ہے۔

اس تناظر میں انسان کی عقل یہ قبول کرتی ہے کہ دعا عبث کام نہیں ہے لیکن جیسا کہ فلسفی کاخدا قطعاً جمیل نہیں ہے اور تحرک پیدا کرنے والا نہیں ہے، اسی طرح فلسفی خدا سے گفتگو صرف عقل کو مطمئن کرتی ہے لیکن لذت محسوس نہیں ہوتی ہے۔اگراکٹر لوگوں کو دعامیں لذت محسوس نہیں ہوتی ہے تواس کی وجہ بھی شاید یہی ہے۔

### تجربه كارانه تناظر مين:

دعا کو انسانی تجربہ کی نگاہ سے دیکھنا، خطا وآزمائش پر استوار ہے۔ اس نگاہ میں ہم تمام چیزوں کو پر کھتے ہیں اور پھر نتیجہ پر پہنچتے ہیں اور اس کی تصدیق کرتے ہیں اور خطا والی چیز کو آزمائش کے دائرہ سے باہر کردیتے ہیں۔ طبعی واقعوں کی وضاحت بھی ہم اسی طرح سے کرتے ہیں۔ ستر ہویں اور اٹھار ہویں صدی کے یورپ میں خدا شناسی نے بھی یہی رنگ اختیار کرلیا تھا اور انسانی ذہن میں خدا ایک لا ہوتی گھڑی سازکی

حد تک سقوط کر گیا تھا۔ اس نظریہ میں کامیاب دعاوہ دعا ہے جو قبول ہوتی ہے۔ یہ نظریہ بھی انسان کی اندرونی پیاس کو نہیں بجھاسکتا اور اسے گفتگو کی لذت سے آشنا نہیں کر سکتا بلکہ دعا کرنے کی راہ میں مانع ہوتا ہے کیونکہ اس نظریہ کی روسے ہماری اکثر دعائیں قبول نہیں ہوتی ہیں اور ایسی آزمائش وخطا میں دعا کرنے کی گنجائش باقی نہیں رہتی ہے۔ جب کہ ہم دیکھتے ہیں کہ ایسے تجربہ کے باوجود انسان دعا کرتا ہے۔ پس ضروری ہے کہ ہم دعا کو دوسرے تناظر میں دیکھیں۔

### عار فانه تناظر میں:

اس تناظر میں نہ تو عقلی علت و معلول سے سروکار ہے اور نہ ہی خطا وآزمائش سے۔ اس تناظر میں انسان کی جیرانی ویریشانی معیار ہے۔ اس نقطہ نظر سے دعاکے قبول نہ ہونے کو خطا نہیں کہاجا سکتا بلکہ اکثریہی چیز عاشق و معثوق کو پیند ہے۔ اصل یہ ہے کہ خدانے انسان کو گفتگو کی اجازت دی ہے۔ امیر المومنین نے ایک خط میں امام حسن مجتبی کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا ہے:

یابنی واعلم أن الذي بیده حزائن السماوات والأرض، قد أذن لك في الدعاء۔ ترجمہ: فرزند! جان لوكہ جس خدا کے ہاتھ میں آسانوں اور زمین کے خزانے ہیں، اس نے متہیں دعا (گفتگو كرنے) كى اجازت دى ہے۔ ٢

یقیناً ایسی اجازت ایک عاشق انسان کے لئے مبارک اجازت ہے۔ عارفانہ نقطہ نظر کے مطابق دعا میں انسان خود کو خدا کے سامنے کچھ نہیں سمجھتا ہے اور اپنے لئے کسی حق کا بھی قائل نہیں ہے اور نہ اس سے عمل کی جزا چاہتا ہے بلکہ اپنے لئے کسی عمل کو نہیں دیکھتا ہے۔امام زین العابدین اس بات پر خدا کا شکر ادا کرتے ہیں کہ اس نے ہمیں خود سے متعارف کرایا اور اس نے شکر ادا کرنے کا طریقہ کھایا:

الحمدالله على عرفنا من نفسه والهمنا من شكره" ـ

ا بار بور ، این ، علم و دین ، ص ۴۹ ۲ ـ نج البلاغه ، مکتوب ۳۱ ، ص ۳۰۲

سـ صحيفه سجاديه، ص٣٢

راه اسکلاکا 94

اور دوسری جگہ فرماتے ہیں:

وانا یا الٰهی عبدک الذی امرته بالدعا۔ ترجمہ: اے الله ! میں تیرا وہی بنده ہوں جسے تونے دعا کرنے کا حکم دیا ہے۔ ا

اس بناپر عار فانہ تناظر میں عاشق، دعامیں معثوق کے سامنے فناہونے میں لذت محسوس کرتا ہے۔

### د عا کې خو بصور تي .

ا بھی تک جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس کی بنیاد پر کہا جاسکتا ہے کہ دعا فقط عار فانہ تناظر میں خوبصورت و جمیل ہوسکتی ہے چونکہ اس تناظر میں استجابت ، دعا کا مقصد نہیں ہے بلکہ دعا کرنا بذات خود مطلوب ہے۔ دعا کی خوبصورتی اس وقت انسان کے سامنے جلوہ گر ہوتی ہے جب دعا کا اصل مقصد نتیجہ نہ ہو، ورنہ خود دعا مطلوب نہ ہو گی بلکہ نتیجہ ہی اسے نحسین وقتیج بنائے گا یعنی دعا کی خوبصورتی عارضی ہو گی نہ کہ ذاتی۔ عرفانی تناظر میں دعاکا ذاتی حسن مطلوب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس نقطہ ُ نظر سے دعااجازت کی مختاج ہے۔

اس فرض میں دعا عاشقانہ معرفت کے ساتھ تکوینی اجازت کی محتاج ہے تاکہ انسان از سر نو اجازت حاصل کرے اور بیہ از سر نو اجازت جو کہ عاشقانہ اجازت ہے، دعا کو تحسین و جمیل بناتی ہے اور اس صورت میں دعاکا کبھی بھی نتیجہ کی بنیادیر جائزہ نہیں لیاجائے گا۔خداوندعالم مر ایک کو دعامیں یہ اذن نہیں دیتا ہے۔ کبھی انسان اس طرح نعتوں میں غرق ہوجاتا ہے کہ وہ خدا کو فراموش کردیتا ہے ، یہاں تک کہ وہ ایک بار بااللہ بھی نہیں کہہ یاتا ہے۔

د عائے ابو حمزہ ثمالی <sup>۲</sup> میں امام زین العابدینً ماہ رمضان کی مرسحر میں خدا سے اس طرح رازو نیاز کرتے ہیں:

" اے اللہ! به کیا ہوگیا ہے کہ جب بھی میں خود سے کہتا ہوں کہ میں نماز کے لئے تیار ہو گیا ہوں اور تجھ سے رازونیاز کرنا جاہتا ہوں، تیرے سامنے کھڑا ہونا جاہتاہوں تو

۲ قمی، شخ عیاس، مفاتیح الجنان، ص ۲۲۲

ا ـ صحيفه سجاديه ، ص ۱۱۳

مجھ پر غنود گی جیسی حالت طاری ہوجاتی ہے اور جب خود سے کہتا ہوں کہ میں چاہتا ہوں کہ اس کے اصلاح کروں اور توبہ کے مقام پر جانا چاہتا ہوں تو ایسی مشکل سامنے آجاتی ہے کہ میرے قدم آگے نہیں بڑھتے ہیں۔ کیا یہ سب اس لئے ہے کہ تو نے مجھے اپنی بارگاہ سے الگ کردیا ہے اور مجھے اپنی بارگاہ کے لائق نہیں پایا ہے یا میں تیری نعمتوں کا شکر گذار نہیں تھاللذا مجھے تو نے محروم کردیا ہے اور میری دعاسننا پند نہیں کرتا ہے بنابرایں مجھے حدا کردیا ہے۔ "

اگر گفتگو عاشقانہ ہو اور اذن معثوق کی ضرورت ہو، تو انسان کی طرف سے موضوع گفتگو کا تعین بے معنی ہے کیونکہ انسان خدا کے لئے تکلیف (ذمہ داری) معین نہیں کر سکتا اور اسی بنا پر ائمہ سے ماثورہ دعائیں موضوعیت حاصل کرتی ہیں۔ یعنی ہم حقیقت میں خدا سے اس زبان سے گفتگو کرتے ہیں جس زبان سے اولیاء اللہ نے اس سے گفتگو کی ہے۔ ماثورہ دعاؤں میں موجود مفاہیم خدا سے انسان کی عاشقانہ گفتگو کی معراج پر ہیں۔ماثورہ دعائیں دو پہلوئوں سے اہمیت کی حامل ہو سکتی ہیں:

ان دعاؤں کی اہمیت کا پہلا پہلو عاشقانہ گفتگو کے ادب پر توجہ ہے جو کہ معشوق کی طرف سے معین ہوتا ہے۔اس گفتگو میں انسان حق کا تا بع ہے۔

\* ماثورہ دعاؤں میں دوسرا اہم پہلو زبان کا پاک ہونا ہے۔ جو انسان خداسے گفتگو کرنا چاہتا ہے، وہ اپنی حقیقت پر نظر ڈالنے کے بعد تجھی بھی گناہ سے آلودہ زبان سے خداسے گفتگو نہیں کریگا۔ بنابرایں ہم ماثورہ دعاؤں میں خدا کواس زبان سے یاد کرتے ہیں، جس زبان کامالک گناہ سے یاک ہے۔

بزرگ صوفی سری سقطی ہے ایک مناجات نقل ہوئی ہے۔ وہ کہتے ہیں:

" اگریہ نہ ہوتا کہ تونے فرمایا ہے کہ مجھے یاد کرو تو تجھے زبان سے یاد نہ کیاجاتا یعنی تیرا ذکر ہماری لہوآلود زبان سے ادا نہ ہوتا اور تو ہماری زبان میں نہ ساتا اور ہم تیرے ذکر کے لئے اپنی زبان میں کیسے کشادگی پیدا کرتے۔"ا

ا ـ عطار نیشاپوری، فریدالدین، تذ کرةالاولیا، ص ۳۴۰

راه است لا)

حضرت علیّ اس طرح مناجات کرتے ہیں:

"اے اللہ! زبانیں تیری الی حمد کرنے سے قاصر ہیں جو تیری شایان شان ہو۔"

للذاانسان اولیاء اللہ کی زبان کی طرف متوجہ ہونے سے ایک حد تک مطمئن ہوجاتا ہے کہ اس نے گفتگو کاطریقتہ معصوم کی زبان سے سیکھاہے اگرچہ وہ مکمل طور پر خدا کی شان کے لا کُق نہیں ہے۔

#### لذت دعا:

حسن وخوبصورتی انسان کے لئے لذت بخش ہے۔ وہ دعائیں جو نتیجہ محور ہوتی ہیں ، ان کی خوبصورتی نتیجہ کے حسن کے تابع ہوتی ہیں ، ان کی خوبصورتی نتیجہ کے حسن کے تابع ہوتی ہے اور ان کی لذت بھی نتیجہ کے تابع ہوگی لیکن عار فانہ دعا فی نفسہ (خود) خوبصورت ہے کیونکہ خود گفتگو موضوعیت رکھتی ہے۔ اور انسان بیہ محسوس کرتا ہے کہ خدانے اسے گفتگو کرنے کی اجازت دی ہے اور الی اجازت لذت بخش ہوتی ہے۔ اس سلسلہ میں امام زین العابدین اس طرح مناجات کرتے ہیں:

فرغ قلبي لمحبتک و اشغله بذکرک... و هب لي الانس بک و باوليائک و اهل طاعتک ترجمہ: ميراول تيری محبت کے لئے (تمام چيزوں سے) خالی ہوگيا۔ تو مجھے اپنا، اپنا، اپنا، اپنا، اولياء اور اطاعت گذاروں کاانس عطا کردے۔

دعاسے لطف اندوز ہونا ایک شخصی وذاتی معاملہ ہے للذا ہماری معرفت کے تابع ہے۔ دعاسے وہی لطف اندوز ہوتا ہے جو اس کے اذن پر یقین رکھتا ہے۔ اس بنا پر بعض اہل دل کا ماننا ہے کہ خدا نے حضرت موسیٰ سے جو یہ سوال کیاتھا:

وَمَا تِلْكَ بِيَمِينِكَ يَا مُوسَىٰ ، قَالَ هِي عَصَايَ أَتُوكًا عُلَيْهَا وَأَهُشُّ بِهَا عَلَىٰ غَنَمِي وَلِيَ فِيهَا مَا فِي فِيهَا مَا نَعْدِي عَصَاي، جواب بوگيا تقاليكن معثوق سے گفتگو مَا رِبُ أُخْرَىٰ \_ " پَہلے ہی جملے سے جو موسیٰ نے ادائیا تھا: هی عصای، جواب ہوگیا تھا لیکن معثوق سے گفتگو

ا ـ مفاتيح الجنان، ص ١٨٠

۲\_ صحیفه سجادیه، ص ۱۳۶

۳\_سوره طلا، آیت ۱۲و که

کا شوق، گفتگو جاری رکھنے کا سبب ہوتا ہے۔ بنابرایں دعا اس وقت لذت بخش ہوتی ہے جب خود گفتگو مطلوب ومقصود ہوتی ہےاور محبوب سے حال دل بیان ہوتا ہے۔

### دعاکے مراتب:

دعا کے بارے میں جو پھے بیان ہوا ہے اس کے مطابق دعا کے وسیع تشکیلی مراتب ہوتے ہیں کیونکہ دعا کا تعلق براہ راست انسان کی معرفت سے ہے۔ اس بچہ کی مانند جو اپنے باپ سے بات کرنا چاہتا ہے۔ باپ کے مقام ومر تبہ سے واقفیت کا اثر براہ راست طرز گفتگو پر ہوتا ہے۔ کبھی بچہ اپنی گفتگو کو اپنی چند خواہشوں کے بیرا بیہ میں پیش کرتا ہے اور کبھی صرف باپ سے بات کرنا چاہتا ہے اور اس سے اپند دل کی بات کہنا چاہتا ہے۔ کبھی فقط اس کی آغوش میں بیٹھنا چاہتا ہے۔ اس طرح دعا کے بھی مختلف مراتب ہوتے ہیں۔ ان میں سے بعض کی طرف ہم اجمالی طور پر اشارہ کرتے ہیں۔

تاجرانہ دعا: کبھی انسان اپنی مادی ضرور توں کے لئے خدا سے گفتگو کرتا ہے اور وہ چاہتا ہے کہ خدا اس کی حاجت کو پوری کردے اور اگر حاجت پوری نہیں ہوتی ہے تو آزر دہ خاطر ہوتا ہے۔ حقیقت میں انسان خدا سے ایک قسم کا معاملہ کرتا ہے۔ وہ خدا کے مقابلہ میں خود کو بھی کچھ سمجھتا ہے اور اپنی خواہشوں کو اصل قرار دیتا ہے۔ بالکل ایسے ہی جیسے عبادت میں جنت و جہنم کو مد نظر رکھتا ہے اور جنت لینے اور جہنم سے بچنے کے لئے خدا سے عبادت کا معاملہ کرتا ہے، اسی طرح دعامیں بھی وہ مادی حاجق کے پورے ہونے کی بنیاد پر خدا سے گفتگو کرتا ہے۔

خدا کوروٹی کے لئے یاد کرنے کا مطلب یہ ہوگا کہ اگر ہماری حاجت پوری ہوگی تو ہم خوش ہوں گے اور پھر خدا سے (معاذاللہ) ہماراکام نہیں رہے گا اور اگر حاجت پوری نہیں ہوگی تو ہمیں افسوس ہوگا اور ہم اس سے گلہ کریں گے۔ کبھی کبھی ہم اس کے سامنے خود کو پچھ سبچھنے لگتے ہیں، اس کی اطاعت پر اتراتے ہیں اور خود کو طلب گار (قرض خواہ) تصور کرتے ہیں۔ دعا کے بارے میں اکثر لوگوں کا یہی نظریہ ہے جو ہر گرضیح نہیں ہوتے ہیں وہ نہیں ہے۔ زیادہ ترلوگ دعا کا یہی مفہوم سبچھتے ہیں۔ دعاؤں کے جو آداب لوگوں کے لئے بیان ہوتے ہیں وہ بیشتر ایسی ہی دعاؤں کو صبح کرنے کے لئے ہیں تاکہ لوگ دعاؤں میں اعتدال کو ملحوظ رکھیں اور خدا سے دعا کے ادب کو فراموش نہ کریں۔ دعامیں ان آداب کی رعابیت کرنا دعا کو ایک حد تک خوبصورت بناتا ہے ورنہ خدا سے اس طرح معالمہ کرنا ہم گرزیب نہیں دیتا۔

اگرانسان یہ یقین کرلے کہ اس کے بارے میں جو خدا چاہتا ہے اس میں اس کی بھلائی ہے تو وہ اس کے ساتھ معالمہ کرنے سے گریز کرے گا۔ وعائے ابو حمزہ ثمالی میں امام زین العابدین فرماتے ہیں: مِن اَینَ لِي الْحَیُر یَا رَبِّ وَلَا یُو جَدُ اِلَّا مِن عِنْدِکَ ...۔ ترجمہ: پالنے والے! میں کہاں سے خیر حاصل کروں جب کہ خیر صرف تیرے پاس ہے۔ ا

حضرت علی، امام حسن کے نام ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں:

"دعا کی قبولیت میں تاخیر تمہیں مایوس نہ کرے۔ کیونکہ اول تو بخشش انسان کی نیت کے مطابق عطا ہوتی ہے۔ ثانیاً، ممکن ہے تاخیر کی صورت میں سائل کو زیادہ جزا عطا ہو۔ ثالثاً، ممکن ہے طلب سے بہتر عطا ہو۔ رابعاً، ممکن ہے جو تم نے طلب کیا ہے وہ تہاری ہلاکت کاسبب ہو اور خدا تمہاری بھلائی چاہتا ہے للذا تمہاری دعا قبول نہیں کرتا ہے۔ "۔"

حضرت علی کے کلام میں یہ تمام مضامین انسان کو تاجرانہ دعاکے مرحلہ سے گذارنے کے لئے ہیں کیونکہ ایسی دعاؤں کا دارومدار نتیجہ پرہوتا ہے۔ صحفہ سجادیہ میں ایک دعا ہے جسے امام زین العابدین اس وقت پڑھتے تھے جب مشکل یا بیاری میں مبتلا ہوتے تھے، یہ جملے خداسے حاجت طلب کرنے کے ادب کو بیان کرتے ہیں۔ آپ ارشاد فرماتے ہیں:

"اے اللہ! میں نہیں جانتا کہ کون سی حالت شکر کے لئے زیادہ شائستہ ہے، صحت و تندر ستی کی حالت کہ جس میں تیری روزی سے استفادہ کی طاقت ر کھتا ہوں یا بیاری کی حالت کہ جس میں گناہ سے نجات ملتی ہے "۔"

> ا\_مفاتیح الجنان، ص ۲۵۹ ۲\_ایینیاً، ص ۳۰۲

۳\_ صحیفه سجادید، ص ۱۱۰

# دعاخدا کی افعالی عجل کے مرتبہ میں:

جب انسان خداسے تاجرانہ معاملہ کرنے کے مرحلہ سے گزرجاتا ہے، اس وقت وہ حقیقت میں اپنے اندر نور خدا کو محسوس کرتا ہے۔ خداکا نور انسان کے وجود کا احاطہ کرلیتا ہے، لیکن اس کی مجلی تمام انسانوں کے لئے بکیاں نہیں ہوتی ہے بلکہ انسان اپنی معرفت کے مطابق اللی مجلی سے حصہ پاتا ہے۔ نور خدا کی روشنی سارے عالم کو منور کئے ہوئے ہے۔ قرآن کہتا ہے:

لیکن نور حاصل کرنے والے کی قابلیت کا بھی اہم کردار ہوتا ہے۔ سب سے پہلے انسان اللہ کی مجلی کو اس کے فاعلی و فعلی صفات میں مشاہدہ کرتا ہے۔ اللہ تعالی کا غفار ہونا یا رزاق ہونا، انسان کے لئے قابل درک و فہم ہے لیعنی خدا و ند عالم ان افعال کے ذریعہ ہم پر متجلی ہوتا ہے۔ انسان خدا سے رزق وروزی طلب کرتا ہے۔ گناہوں کی بخشش چاہتا ہے لیکن انہی میں وہ خدا کو متجلی پاتا ہے لینی اس فعلی پہلو کے ساتھ معبود سے گفتگو کو انسان پہند کرتا ہے لیکن مادی حاجوں کا پورا ہونا حق سے گفتگو کی انتباع میں ہے۔ نعمت صاحب خانہ کی کشش کے تحت الشعاع قرار پاتی ہے اور گھر جانا اور دستر خوان پر بیٹھنا، اس کے دیدار کاایک بہانہ ہے۔

ائمہ طام بن سے منقول دعاؤں میں مادی حاجتوں کا بیان اسی اعتبار سے ہے لیکن وہ خدا سے تاجرانہ معالمہ نہیں کرنا چاہتے۔ ہاں وہ مادی حاجتوں کو اس سے گفتگو کے پر توں میں پیش کرتے ہیں۔ امام زین العابدین دعائے ابو حمزہ ثمالی میں فرماتے ہیں:

اَللَّهُمَّ اَعْطَنِى السِّعَةَ فِى الرِّزْقَ وَالامْنَ فِى الوَطَنِ وَ قُرَّةَ العَينِ فِى الاَهْلِ وَالْمَالِ وَالْمَالِ وَالْمُقَامَ فِى نِعَمِكَ عِنْدِى وَالصِّحَّةَ فِى الجِسْمِ وَالقُوَّةَ فِى البَدَنِ... ترجمه: پالنے والے! میری روزی میں وسعت، وطن میں تحفظ، خاندان، مال واولاد میں چیثم روشی، اپنی نعموں کاتداوم اور صحت وسلامتی عطافر ما۔ ا

> ا ـ سوره نور ، آیت ۳۵ ۲ ـ مفاقیح الجان ، ص ۲۷۳

اس اعتبار سے خدا سے مادی حاجتیں طلب کرنا بھی خاص حسن رکھتا ہے کیونکہ خوبصورتی کا تعلق انسان کی حاجتوں سے نہیں بلکہ خود گفتگو سے ہے کہ جس کے پیرایہ میں مادی حاجتیں پیش کی جاتی ہیں۔ در حقیقت الیی دعائیں ہمیں مادی گفتگو کا ادب بھی سکھاتی ہیں کہ خدا سے کیا طلب کریں اور کس طرح طلب کریں۔ افعالی عجلی میں انسان کی زندگی میں بہت سے نشیب وفراز نظر آتے ہیں لیکن ان سب میں خدا (کا جلوہ) نظر آتا ہے۔

امام زین العابدینَّ جب خدا سے اپنی سلامتی طلب کرتے ہیں تواس کے ساتھ قید لگادیتے ہیں کہ اس میں خدا کی معصیت نہ ہو:

واحفظنا من بین ایدینا و من خلفنا و عن ایماننا و شمائلنا و من جمیع نواحینا حفظا عاصما من معصیتک، هادیا الی طاعتک.... ترجمه: اور جاری حفاظت فرما سامنے سے، پیچھے سے، دائیں سے اور بائیں اور چاروں طرف سے، ایسی حفاظت جو گناہ سے روکے اور اطاعت و محبت کی طرف رہنمائی کرے۔ ا

صحیفہ سجادیہ کی تمام دعاؤں میں یہ نکتہ نظر آتا ہے کہ جب خداسے کسی حاجت طلبی کا وقت آتا ہے تو اس حاجت کا خداسے کیا تعلق ہے، اس کا بھی خیال کیا جاتا ہے۔ یعنی کوئی بھی چیز مطلق طور پر نہیں ما گل جاتی ہے۔

# دعا، الله تعالى كى صفاتى تجلى كے مرتبه ميں

صفاتی بچلی کے مرتبہ میں، انسان افعال سے گزر کر خدا کو صفات کے قالب (آئینہ) میں دیکتا ہے۔ اس مرتبہ میں اللہ تعالی انسان پر اپنے صفات کے ساتھ متجلی ہوتا ہے اور انسان پر حق کا صفاتی نور جلوہ فگن ہوتا ہے وہ خدا کو افعالی قالب جیسے رزاقیت اور غفاریت سے باہر لاتا ہے تواس پر جمال وجلال اور رحمت جیسے صفات آشکار ہوتے ہیں۔

جو شخص صفاتی شراب کے جام سے سیراب ہوتا ہے وہ ایبامست ہوتا ہے کہ وہ حق کے صفاتی نور کے علاوہ اور کچھ نہیں دکھتا ہے۔ حق کے افعال، حق کے صفات میں محو ہوجاتے ہیں۔ لینی اب اس

ا ـ صحيفه سجاديه، ص ۲۳

شخص کی حاجتیں افعال خداوندعالم سے متعلق نہیں ہیں بلکہ اس کی سرگوشی صفات حق کے ساتھ ہے۔
پس اس مرحلہ میں مادی مفاہیم انسانی زندگی کے لغت سے حذف ہوجاتے ہیں اور اس مرحلہ سے سختی کا وجود ختم ہوجاتا ہے۔ خداکی صفاتی تجلی کی مثال ایک نور کی مانند ہے جو متعدد در یجوں اور مختلف رنگوں میں انسان پر چمکتا ہے اور اسے چکاچوند کر دیتا ہے۔ جو چیز اسے نظر آتی ہے وہ نور ہی ہوتا ہے اور نور کی روشنی میں جو دوسری اشیاء نظر آتی ہیں وہ اس کے لئے اہم نہیں ہوتی ہیں۔ اس کے برخلاف افعالی تجلی میں انسان نور الہی سے مادی چیزوں کو دیکھتا ہے اور اس نور کے پر تو میں وہ اپنی حاجوں کو خدا کے سامنے پیش کرتا ہے۔

اس راستہ کی تختی کو جان کے عوض خریدا جاتا ہے لیکن اس عنوان سے نہیں کہ تختی ہے۔ جبیبا کہ افعالی تجلی میں بیان ہوا ہے بلکہ وہ رنج و قلق ہی مطلوب ہے یعنی اس مرحلہ میں سختی وآسانی مسئلہ نہیں ہے بلکہ وہ ایسی لذت بخش ہوتی ہے کہ انسان دست بردار نہیں ہوسکتا۔ دعائے سحر میں امام محمد باقر صفاتی تجلی کے ذریعہ خداسے گفتگو کرتے ہیں:

اللهم انی اسئلک من جمالک باجمله. اللهم انی اسئلک من نورک بانوره' یبال صفاتی بیبال صفاتی بیبال صفاتی بین سے اس حد تک گفتگو ہے کہ اس کے لئے تفصیلی صفت لاتے ہیں۔ صفاتی بیلی کے مرحله میں پہنچنے کے بعد انسان کے اندر ایک قتم کی آشفتگی اور مدہوشی آجاتی ہے:

الهي والهمني ولها بذكرك الي ذكرك

یہ مستی ومد ہوشی اس کی معثوق طلبی میں شدت پیدا کرتی ہے۔

اللهى أقِمْنى فِي اَهْلُ وِ لَا يَتِكَ مَقَامَ مَن رَجا الزياده مِن مَحبَّتك... اِللهى وَاجْعَلْنِي مِمَّنْ نَادَيْتَهُ فَاجَابَكَ وَلاحَظْنَهُ فَصَعِقَّ لِجَلَالِكَ ـ ترجمه: پالنے والے! مجھے اپنے چاہئے والوں کے اس گروہ میں قرار دے جنہوں نے اپنی امید تیری محبت بڑھنے سے وابستہ کررکھی ہے ...۔ پالنے والے! مجھے ان لوگوں میں سے قرار دے جنہیں تو نے پکارا ہے اور انہوں نے لیک کہا ہے ، تو نے ان پر توجہ کی ہے اور وہ تیری عظمت کے سامنے بیہوش ہوگئے ہیں۔

اله مفاتيح الجنان، مناجات شعبانيه، ص ٢٥٧

اس دعامیں خداسے محبت کی فراوانی کی طلب ہے اور ہم اس سے یہ چاہتے ہیں کہ اس کی نداسے ہم غش کھاکے گریڑیں۔

امام زین العابدینؓ نے صحیفہ سجادیہ میں خدا سے حاجتوں کے بارے میں بہت سے فقرے بیان فرمائے ہیں جو خدا سے بندہ کے ارتباط کو صفاتی مجل کے مرحلہ میں بیان کرتے ہیں:

فرغ قلبي لمحبتك واشغله بذكرك...، وهب لي الانس بك وباوليائك واهل طاعتكـا

ووسرى جكم فرمات بين: واجعل يقيني افضل اليقين- "

وهب لنا يقيناً صادقاً تكفينا به معونة الطلب "واضح رہے يه وعائيں افعالى على ميں مشاہره حق سے كہيں بلند ہيں۔ يقين و محبت اللي كے درجہ پر فائز ہونے كے ذريعه انسان صفات اللي كے مرحله تك پينج سكتا ہے اور لذت صفاتی سے سرشار ہوسكتا ہے۔

## دعا، الله تعالى كى تجلى ذاتى كے مرحله ميں:

خدا سے گفتگو کا حسین ترین جلوہ مجلی ذاتی اور وحدت حقیقی کے مقام پر پہنچنا ہے۔ اس مرحلہ میں انسان نورالہی کو صفات حق کے تکثر میں نہیں دیکھتا بلکہ وحدت حقیقی کو درک کرتا ہے۔ یہ مقام فٹا فی الحق کا مرحلہ ہے، انسان حق کے مقابل میں خود کو کچھ بھی نہیں سمجھتا اور پورے ایقان کے ساتھ خود کو اس کے سپر د کردیتا ہے۔ جب ہم مناجات شعبانیہ میں خداوند عالم سے اسی انقطاع (وایقان) کو طلب کرتے ہیں تو کس قدر لذت محسوس ہوتی ہے:

اِللهى هَبْ لِى كَمَالَ الإِنْقِطَاعِ اِلَيْكَ وَانْرِ اَبْصَارَ قُلُوبِنَا بِضِياءِ نَظَرِهَا اِلَيكَ حَتَّى النُّورِ فَتَصِلَ اللَّي مَعْدِنِ الْعَظَمَةِ وَتَصِيرَ اَرُواحُنَامُعَلَّقَةً بِعِزِّ تَحْرِقَ اَبْصَارُ القُلوبِ حُجُبَ النُّورِ فَتَصِلَ اللَّي مَعْدِنِ الْعَظَمَةِ وَتَصِيرَ اَرُواحُنَامُعَلَّقَةً بِعِزِّ تَحْرِقَ ابْصَارُ القُلوبِ حُجُبَ النَّامُ مَا اللَّهُ مَا اللَّهُ مِن اللَّهُ مِن اللَّهُ عَلَى اللَّهُ الْمُؤْمِنَ اللَّهُ اللَّهُ الْمُلْقَلِقُ اللَّهُ اللْمُلْلِ الْقِلْمُ اللَّهُ الْمُلْكِلِي الْمُلِي الْمُعْلِقُ اللَّهُ اللَّهُ الْمُلْكُ اللَّهُ الْمُلْكِلِي الْمُلْكِلِيلُولِ اللَّهُ الْمُلْكِلِيلُ الْمُلْكِلِيلُولِ اللَّهُ اللَّهُ الْمُلْكِلِيلُ الللْمُلْمُ اللَّهُ الْمُلْمُ اللَّهُ الْمُلْمُ اللَّهُ الْمُلْمُ اللَّالِمُلْمُ اللَّهُ الْمُلْمُ اللَّهُ الْمُلْمُ اللَّهُ الْمُلِمُ اللَّهُ الْمُلْمُلِمُ اللْمُلْمُ اللَّالِيلُولِلْمُ اللْمُلِمُ الللللِّلْمُ اللْمُلْمُ اللَّالِمُلِلْمُ اللْمُلْمُ اللِمُلْم

ا ـ صحيفه سجاديد، ص ۱۴۶۱

۲\_ایضاً، ص ۱۲۸

س\_الضاً، ص ١٩٧

مکمل طور پر تجھ تک پہنچ سکوں اور ہمارے دلوں کی بصارتوں کو تیری طرف متوجہ رہنے کی نور سے روشنی عطا کرتے رہنا یہاں تک کہ دل کی آئکھیں نور کے پر دوں کو پار کرلیں اور عظمت کے سرچشموں سے جاملیں اور ہماری روحیں تیرے مقام قدس کی بلندیوں سے لٹک جائیں۔ ا

امام زین العابدینٌ خداسے مناجات کرتے وقت اس طرح عرض کرتے ہیں:

اللهم الحلصت بانقطاعی الیک-اے اللہ! میں نے خود کو سب سے جدا کرکے تیرے لئے خالص کرلیا ہے۔ انقطاع حقیقی وہی مقام انقطاع ہے جہاں انسان ذات اللی کے علاوہ ہر چیز سے انقطاع کرلے۔ یہ مقام حقیقت، مقام عدم ہے۔ بعض روایات میں یہ مضمون آیا ہے:

من شغله ذکری عن مسالتی اعطیته فوق مااعطی السائلین۔ ترجمہ: جس شخص کو میری یاد، دعا اور سوال کرنے سے باز رکھتی ہے، میں انہیں اس سے کہیں زیادہ عطا کرتا ہوں۔ ۲

گذشتہ ساری بحثوں سے ہم یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ دعاکا ایک ثابت مفہوم نہیں ہے بلکہ اس کے مختلف مراتب ہیں۔ دعا کی خوبصورتی مختلف مراتب میں متفاوت ہے۔ تاجرانہ دعا میں حسن نہیں ہوتا اور لذت بخش بھی نہیں ہے لیکن مجلی الہی کے مختلف مراتب، فعلی وصفتی اور ذاتی مجلی وغیرہ میں دعا لذت بخش ہے اور یہ تمام مراتب صحیفۂ سجادیہ کی دعاؤں اور مناجاتوں میں بہترین انداز میں نظر آتے ہیں۔

#### منابع ومآخذ

- 🍫 قرآن کریم
- هجفه سجادید، ترجمه فیض الاسلام، انتشارات فقیه، ۷۹ ml ش
- 💠 بار بور ، این ، علم و دین ، ترجمه خر مشاهی ، مر کز نشر دانشگاهی ، تهران ، ۱۳۶۲ ش
  - 💠 خمینی، روح الله، دیوان، نشر آثار امام خمینی، تهران، ۱۳۸۱ ش

ا ـ مفاتيح الجنان، ص ۲۲۵

۲\_ محمد ی ری شهری، محمد، میزان الحکمة (ج ۴)، ص ۱۶۷۳

راه اسکام 1+4

- سید رضی، نج البلاغه، ترجمه شهیدی، شرکت انتشارات علمی و فر منگی، تهران، ۱۳۷۸ش
   عطار نیشا پوری، فرید الدین، تذکره الاولیاء، تقییح محمد استعلامی، انتشارات زوار، تهران، ۱۳۸۰ش
  - 💠 قمی، شخ عباس، مفاقع الجنان، انتشارات آستان قدس، مشهد، ۷۵ ساا ش
  - 💠 محمدی ری شهری، محمد، میزان الحکمه، ترجمه حمید رضایشخی، دارالحدیث، قم، ۲۵ ساش

# اسلام کاتربیتی نظام صحیفه سجادید کے تناظر میں

مؤلف: حميد مقامی مترجم: مولانا ڈاکٹر رضوان حيدر

اسلام کے تربیتی نظام کی تحلیل واستنباط کے لئے ائمہ معصوبین علیہم السلام کی دعائیں اور خاص طور پر امام زین العابدین کی گراں قدر دعائیں اہم ذرائع ثار ہوتی ہیں۔اس مقالہ میں صحفہ کاملہ میں موجود تربیت طریقوں کے مقاصد، اصول اور بنیادوں کا جائزہ لیاجائے گا۔ پہلے تربیتی نظام، اہداف و مقاصد، مبانی واصول اور تربیت کے طریقوں جیسے مفاہیم کی تعریف و تحلیل کی جائے گی اور ان مفاہیم کے در میان ربط کو واضح کیا جائے گااور ای مفاہیم کے در میان موجود منطقی ربط کے پیش نظر، صحیفہ سجادیہ کے نقطہ نظر سے تربیت کے عملی طریقوں کو بیان کیا جائے گا۔

زبان دعاتربیت کا بہترین طریقہ ہے اور صحیفہ کالمہ میں شیعوں کی تعلیم وتربیت کے لئے اسی طریقہ کو بروئے کار لایا گیا ہے۔ یہ زبان ایک جذباتی اور عقلانی زبان کے عنوان سے تربیت پانے والوں کے اندر عقلانی جذبہ اور دل انگیز شعور پیدا کرتے ہوئے، تربیت کی طرف ان کی رہنمائی کرتی ہے۔ صحیفہ کالمہ کی کلی اور جزئی تربیت کے بلند مقاصد پر بہنی ہیں جس کی وجہ سے، اور جزئی تربیت کے بلند مقاصد پر بہنی ہیں جس کی وجہ سے، اسلامی تعلیم و تربیت کے نظام کو ایک منطقی اور خوبصورت ڈھانچہ عطا کرتی ہیں۔ اگرچہ یہ ڈھانچہ صحیفہ کالمہ میں کسی معین صورت میں ظام نہیں ہوتا لیکن ایک ایسے استنباط کا محتاج ہے جس کے ذریعہ اس کے بنیادی اصول و مقاصد واضح ہو سکیں۔

تربیق نظام: تربیق نظام یعنی تربیت سے تعلق ایسے منظم مفاہیم و افکار کا مجموعہ جو ایک دوسرے سے جڑے ہوئے بیں اور بنیادی طور پر تربیت کی کیفیت کو واضح کرتے ہیں اور بیہ مفاہیم کچھ اس طرح ہیں: مبانی ، مقاصد، اصول اور طریقے جو تعلیم و تربیت کے بنیادی عناصر کے نام سے جانے جاتے ہیں۔

تربیت کے مقاصد: تعلیم و تربیت کے باب میں اہداف و مقاصد وہ آخری نقطہ اور مطلوبہ کیفیت ہے جس پر ہماری تربیتی کو ششیں ارادی طور پر مر کوز ہوتی ہیں ۔ مقاصد کو مجموعی طور پر دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ایک آخری مقصد اور دوسرا بالواسطہ مقاصد۔ بعض بالواسطہ مقاصد ایک دوسرے سے عرضی تناسب رکھتے ہیں لیعنی ایک دوسرے کے پہلو میں رہتے ہوئے انسان کے مختلف حالات پر نظر رکھتے ہیں اور یہ اہداف، غائی اہداف کے مقابلہ میں طولی ربط رکھتے ہیں یعنی کے بعد دیگرے اور غائی اہداف کے حصول کی ایک کڑی شار ہوتے ہیں۔ صحیفہ کاملہ میں اس طرح کے بعض اہداف کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

تربیت کی بنیادیں: تربیت کی بنیادیں انسان کی عام خصوصیات کو بیان کرتی ہیں اور ایسے جملوں کے ذریعہ جن میں " ہے" کا استعال ہوا ہے، قابل بیان ہیں۔ دوسرے لفظوں میں تعلیم و تربیت کی بنیادیں انسان کی پوزیشن، ذرائع، اس کے حدود اور اس کی ضرور توں کے بارے میں بحث کرتی ہیں جن سے انسانی زندگی مسلسل دچار رہتی ہے۔ اس مقالہ میں مبانی تربیت سے مراد صحیفہ کالمہ سے ماخوذ وہ تجویزات ہیں جو انسان کی عام خصوصیات کو بیان کرتے ہیں۔

تربیت کے اصول: ایسے قوانین کا مجموعہ ہے جن کو مبانی (انسان کی عام خصوصیات) اور مقاصد کے پیش نظر دریافت کرکے ، عملی تربیت میں استعال کیا جاتا ہے۔ اس بحث میں جن اصولوں پر بہت زیادہ تاکید کی گئ ہے، ان کی بنیاد صحیفہ کاملہ سے حاصل شدہ مبانی ہیں اور یہ اصول، تربیت کے طریقوں کے دریافت کرنے کی راہ ہموار کرتے ہیں۔

تربیت کے طریقے: یہ طریقے وہ دستور العمل ہیں جن کو متر بی کے اندر مطلوب تبدیلیاں پیدا کرنے کے الکے استعمال کیاجاتا ہے۔ اس دستور العمل کام رحصہ کسی نہ کسی تربیتی اصول کے ضمن میں پایا جاتا ہے اور اس کے لئے استدعال کیاجاتا ہے اور ان کے اس پر موقوف ہے۔ تربیت کے طریقوں کو حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ مبانی، اہداف اور ان کے

در میان آلیبی ار تباط کومد نظر رکھا جائے۔اس مقالہ میں اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ تربیتی طریقوں کو صحیفہ کاملہ کے مبانی واہداف کے پیش نظر حاصل کیا جائے۔

## صحفه کالمه میں تربیت کے اہداف

جیبا کہ پہلے بیان کیاجاچکا ہے کہ تعلیم و تربیت کے سلسلہ میں اہداف کی دوقشمیں ہیں۔ ایک آخری مقصد اور دوسرا بالواسط اہداف۔ بالواسط اہداف، آخری ہدف سے طولی رابطہ رکھتے ہیں اور وہ اسی وقت مفید ہیں جب آخری ہدف سے وابستہ ہوں۔ چنانچہ ان کی اہمیت آخری ہدف کی وجہ سے ہے اور یہ تمام اہداف ایک دوسرے کے ساتھ مل کر انسان کے اجتماعی، سیاسی، اقتصادی، اخلاقی اور فکری مراتب پر نظر رکھتے ہیں۔

آخرى ہدف (آخرى مقصد) قرب الهى كے علاوہ اور آخرى ہدف (آخرى مقصد) قرب الهى كے علاوہ اور آخرى ہدف (آخرى مقصد) قرب الهى كے علاوہ اور آخرى ہدف (آخرى مقصد) قرب کو خدا سے پھھ نہيں ہے۔ چنانچہ بورى صحفه كالمہ ميں خداكى طرف توجہ موجزن ہے۔ امامٌ نے نظام تربيت كو خدا سے گفتگو اور دعا كے پيرائے ميں بيان فرمايا ہے جس كاما حصل بيہ ہے كہ زندگى كو خدا كے نام اور اس كى ياد اور اس كے تقرب كے ذريعہ زينت ديناچاہئے۔

بنیادی طور پرخود لفظ دعاتر بیت کرنے والا اور رہنما ہے۔ دعاخود بخود روح کو پاک کرتی ہے اور بلندی و تقرب کی راہ کو ہموار کرتی ہے۔ امام علیہ السلام نے بہت سی دعاؤں میں خداکے تقرب کا مطالبہ کیا ہے اور جولوگ اس کے تقرب حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے انہیں کامیاب لو گوں میں شار کیا ہے:

يَا مَن تَنقَطِعُ دُونَ رُويَتهَ الأَبصَارُ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَ آلِهَ وَ اَدنِنَا اللَّى قُربِكَ ترجمه: ال وه كه جس كوآنكه ويكف سے قاصر بين! محمد وآل محمد (عليهم السلام) پر رحمت نازل فرما اور جمين اپناقرب عطافرما۔

وَ مَن تُقَرِّبهُ اِلَّيكَ يَغْنَم - ترجمه: جس كوتوني الناقرب عطاكياوه فائده ميں رہا۔ ا

ا۔ صحیفہ سجادیہ، دعا۵، بند ۴

۲\_ایضاً، دعا۵، بند ۹

راه است لا)

اور پچ تو یہ ہے کہ یہ فائدہ سعادت و نیک بختی اور انسانی تربیت کے اصل مقصد کے علاوہ اور پچھ نہیں ہے اور اس مقصد کو حاصل کیا جاسکتا ہے، اس لئے کہ جو بھی خداوند عالم سے تقرب کے لئے اس کی رسی سے متمسک ہو گیا، اس نے اس کا تقرب حاصل کرلیا:

اَلقَریبُ اِلی مَن حَاوَلَ قُربِکَ - ترجمہ: جس نے تیرے قرب کا ارادہ کیا تو اس کے قرب کا ارادہ کیا تو اس کے قریب ہوگیا۔

یہیں سے معلوم ہوتا ہے کہ تعلیم وتربیت کے آخری مقصد کو حاصل کرنے کے لئے زندگی کے ہر مرحلہ میں قصد قربت کیوں ضروری ہے اور اس راہ میں کوشش کرنا متر بی کی ذمہ داری ہے:

و اَذِفْنِی طَعْمَ الفَراغِ لِما تُحِبُّ بِسَعَةٍ من سَعَتَکَ وَ الإِحْتِهادِ فِيْمَا يُزْلِفُ لَدَيکَ وَ عِنْدَکَ ـ ترجمہ: مجھے اپنی وسعوں کی بناپر اپنے محبوب اعمال کے لئے فرصت اور اپنی بارگاہ سے قریب تر بنانے والے اعمال کی کوشش کامزہ چکھادے۔ ا

اسی بنیاد پر تمام بالواسطه اہداف جو که انسانی زندگی کے مختلف مراحل پر محیط ہیں، کو آخری مقصد پر منتہی اور تمام ہونا چاہئے ورنہ اس کا کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ خداکے قرب وملا قات کی اس کو شش میں شوق و ذوق کا ہونا ضروری ہے:

وَشَوِّقْنى لِقائك - ترجمه: مير اندراين ويداروملاقات كاشوق پيدا كرد - "

متر بی کامقصد صرف و صرف اس کادیدار وملا قات ہو نا حاہیے:

واجْعَلْ فِيماعِنْدَ کَ رَغْبَتى شَوقاً الى لَقائِکَ ترجمه: اور اپنے تواب كى رغبت پيدا كردينا تاكه ميں تيرى ملاقات كامشاق بن جاؤل گ۔

ا ـ صحيفه سجاديه ، دعا۵ م، بند ۲۱

۲\_ایضاً، دعا ۴۷، بند ۱۲۵

٣\_الصّاً، دعاكه، بند ٢٦١

۴ ـ الضاً، دعا ۵۴، بند ۴

اللہ تعالیٰ کا تقرب اس عنوان سے کہ اس دنیا کی تربیت کاآخری اور اصلی مقصد ہے، اس قدر اہم ہے کہ امام زین العابدینؓ کی نظر میں وہ انسان کے سکون کاسر چشمہ ہے:

وَاجْعَل لِى عِنْدَكَ مَقيلاً آوى إلَيهِ مُطْمَئِنًا وَ مَثَابَةً اَتَبَوَّهُ وَ اَقَرُّ عَيناً ترجمه: مير النجاب مين وه مقام قرار دے جو مير النج سكون واطمينان كا باعث ہواور مير النجاب كوروش كردے۔ ا

یہ سکون واطمینان کا مقام اسی وقت حاصل ہو سکتا ہے جب متر بی اپنے پورے وجود لیعنی مال و دولت و نفس و جان سے قصد قربت رکھتا ہو اور اس کو جوار رحمت الٰہی تک پہنچنے کا ذریعیہ سمجھتا ہو :

وَاجْعَل مَا حَوَّلَتَنى مِن حُطامهَا وَ عَجَّلتَ لِى مِن مَتاعِهَا بُلغَةً اِلَى جَوارِ کَ وَ وَصلَةً اِلَى قَرْبِكَ وَ ذَريعَةً اِلَى جَنَّتِكَ ترجمه: جو پُچه تونے مجھ مال و متاع و نیا عطاکیا ہے اور جو بھی تونے (اس دنیا میں) دیا ہے اسے اپنے جوار تک پہنچنے کا ذریعہ اور تقرب اور جنت کا وسیلہ قرار دے '۔

للذا جو پچھ بیان کیا گیا اس کا مطلب میہ ہے کہ قرب یعنی خدا کی طرف رخ کرنا، خدا سے دوری اور روگردانی کے برخلاف ۔ تعلیم و تربیت کے عمل میں جو چیز مقصد کے لئے اہم ہے وہ متر بی کا ذات خداوند متعال کی طرف متوجہ ہونا ہے، اس طرح کہ اس کام کام اور ہم عمل خدا کی یاداور اس کی توجہ کے ساتھ انجام یائے اور وہ غفلت میں نہ ڈوب جائے۔

توجہ کے بھی مراتب ہوتے ہیں جو انسان کے ظاہر اور باطن پر محیط ہوتے ہیں۔جس قدر بھی ظاہری اور باطنی توجہ نے بھی مراتب ہوتے ہیں جو انسان کے ظاہر اور باطنی توجہ جس قدر سطحی اور معمولی ہو گی خداسے تقرب اتناہی نویدہ جس قدر سطحی اور معمولی ہو گی خداسے تقرب اتناہی کم ہوگا، لیکن اس راہ پر گامزن رہناسب سے زیادہ اہم ہے۔ متر بی اپنے معبود کی طرف جو بھی قدم اٹھاتا ہے، چاہے وہ قدم چھوٹا ہی کیوں نہ ہو وہ تقرب کے ایک درجہ کو یا ہی لیتا ہے، اس طرح وہ پچھلے حالات کی بنسبت اس سے اور زیادہ قریب ہوجاتا ہے، اگر چہ وہ بلند مرتبہ اور رتبہ کی بنسبت کمزور ہوتا ہے۔

ا ـ صحيفه سجاديه، دعا ٢٨، بند ١٢٩

۲\_الضاً، دعا ۳۰، بند ۲

اسلامی تعلیم و تربیت میں مربی کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ وہ ہمیشہ متربی کی آگے کے درجہ کی طرف رہنمائی کرتارہے اور متربی بھی اپنے کامول میں قرب الہی کا قصد رکھے تاکہ وہ بھی مسلسل مربی کے ساتھ ساتھ بلند مراتب اور قرب الہی کو حاصل کرتارہے، جیسا کہ امام زین العابدین بھی ایک مربی کی حیثیت سے خداوند عالم سے تقرب چاہتے ہیں:

و ادننا الىٰ قربك ترجمه: تمين ايخ تقرب سے قريب كروے۔

یہی وجہ ہے کہ اسلامی تعلیم وتربیت میں مربی اور متربی دونوں مسلسل تبدیلی کی کیفیت میں رہتے ہیں۔ ایسی تبدیلی جس میں مر لمحہ پچھلے مرحلہ سے زیادہ بلندوکامل مرتبہ حاصل ہوتار ہتا ہے۔

#### بالواسطه مقاصد

عقلانی تربیت: تربیت کی راہ میں رکاوٹ بننے والی چیز وں کے مقابلہ میں متر بی کو جو چیز متحکم و مضبوط بناتی ہے وہ اس کی عقلانی قوت ہے جو اس کو تربیت کے آخری مقصد کے اعتبار سے مطلوبہ مقام تک پہنچنے میں مدد کرتی ہے۔ عقلانی تربیت ایک اہم بالواسطہ مقصد کے عنوان سے "عقلانی دستور" تک پہنچنے اور قرب الہی کے مقام کو حاصل کرنے میں متر بی کی مدد کرتی ہے اور اس کے بغیر اس راہ پرگامزن رہنا بہت ہی سخت بلکہ ناممکن ہے۔ اس لئے کہ شیطان ایک اہم ترین رکاوٹ کی حیثیت سے تعلیم و تربیت کے عمل میں فکری اور روحانی بے چینی بیدا کر تار ہتا ہے اور انسان کی صلاحیتوں کو بروئے کار نہیں آنے دیتا۔ امام زین العابدین نے دعائے مکار م الاخلاق میں اس مسئلہ کی طرف اشارہ فرما باہے:

اللّهُمَّ اجْعَل مَا يُلْقى الشَّيطانُ فِي رَوعِي مِنَ التَّمَنِّى وَ التَّظَنِّى وَالحَسَدِ ذِكْراً لِعَظَمَتِكَ وَ تَفَكُّراً فِي قُدْرَتِكَ وَ تَدبيراً عَلَى عَدُوِّ كَ ترجمه: خداوندا! شيطان ہمارے دل ميں جو جھوٹ، بدگمانی اور حسد ڈالتا ہے تواس کو اپنی عظمت کی یاد، اپنی قدرت کے خیال اور اپنے دشمن کے مقابلہ میں عاقبت اندیثی میں بدل دے۔

ا ـ صحیفه سجادیه ، دعا۵ ، بند ۴ ۲ ـ الضاً ، دعا ۲ ، بند ۱۳ صحیفہ کاللہ کی نظر میں عقلانی تربیت کے تین مرحلے قابل تصور ہیں: ا۔ ذکر (ذکر اُلعظمتک) ۲۔ فکر (تفکر اُفی قدر تک) ۳۔ تدبیر (تدبیر اُعلی عدوک)

پہلا مرحلہ جس کو امام علیہ السلام نے ذکر کا نام دیا ہے، متر بی کے علم کی یاد دہانی ہے۔ متر بی ایک انسان کی حیثیت سے فطر تا بھول اور غفلت سے دوچار رہتا ہے اور چونکہ مربی کی جانب سے یاد دہانی (تذکر) اور متر بی کی جانب سے یاد (ذکر) عقلانی تربیت کے بالواسطہ ہدف کے پیش نظر اور اسلامی تعلیم و تربیت میں آخری مقصد تک رسائی کے ایک اہم و بنیادی اصل ہونے کے اعتبار سے توجہ کا مرکز ہے، لہذا مربی کو چاہئے کہ عقلانی تربیت کے پہلے مرحلہ میں سب سے پہلے متر بی کے ذہن کو تحریک کرتے ہوئے اس کی فطری اور اکتبابی معلومات کو خداوند عالم کی عظمت و بزرگی (ذکراً لعظمتک) کی طرف رہنمائی کرے اور اس کو اس مسئلہ کے متعلق سوچنے اور سمجھنے پر آمادہ کرے۔ اسی طرح مربی کو چاہئے کہ متر بی کے لئے خداوند عالم کی قدرت میں غور و فکر کرنے کی راہ ہموار کرے۔ ( نظراً فی قدرت کیں)

ان دونوں مرحلوں کا نتیجہ یہ ہوگا کہ متر بی کو تدبیر حاصل ہوجائے گی۔ (تدبیر اَعلی عدوک) متر بی ذکر و فکر کے بعد الیی عقلانی طاقت حاصل کرلیتا ہے جس کے ذریعہ اور تدبیر و دور اندلیثی کے ساتھ تربیت کی راہ میں موجود رکاوٹوں (شیطان جو اس کادشمن ہے) کو سمجھ سکتا ہے، البتہ یہ سب چیزیں صرف خدا کی توفیق اور اس کی مدد سے ہی ممکن ہیں۔

خدا کی معرفت: صحیفہ کلد میں تربیت کے بالواسطہ مقاصد میں سے ایک خدا کی معرفت ہے اور یہ مقصد جو آخری مقصد کے حصول کی گنجی ہے، خداوند عالم سے تقرب کے حصول میں بہت اہم کردارادا کرتا ہے، کیونکہ خداوند عالم کی معرفت کے بغیر اس کا تقرب ممکن نہیں ہے۔ خداوند عالم کی قربت، ایجھے اخلاق سے آراستہ ہونا، حصول ایمان اور اس کی ذات پر توکل اور تقوی یہ ساری چیزیں اس کی ممکل اور گہری معرفت پر منحصر ہیں۔

معمولی معرفت کی وجہ سے خدااور بندے کے در میان ایک کمزور رابطہ وجود میں آتا ہے اور جس قدر پیر معرفت وسیع و عمیق ہوتی جاتی ہے، پیر رابطہ اور زیادہ محکم و مضبوط ہوتا چلا جاتا ہے۔امام زین العابدینً

نے اپنی متعدد دعاؤں میں معرفت الہی کی گفتگو کی ہے اور توحید اور اس کے مراتب، خداوند عالم کی ذات، صفات اور معرفت جیسے موضوعات کو بیان کیا ہے۔ آپ نے پہلی دعامیں خداوند عالم کی حمد و ثنا کے ضمن میں ذات خدا کی معرفت اور اس کی شاخت کی بات کی ہے:

النَّذِى قَصُرَت عَن رُويَتِهِ اَبْصَارُ النَّاظِرِينَ وَ عَجَزَت عَن نَّعْتِهِ اَوهامُ الوَاصِفِينَ الْبَتَدَعَ بِقِمْ الْبَعْدَعَ الْبَعْدَعَ الْبَعْدَعَ الْبَعْدَعَ الْبَعْدِهِ الْبَعْدِهِ الْبَعْدِهِ الْبَعْدِهِ الْبَعْدِهِ الْبَعْدِهِ الْبَعْدِهِ الْبَعْدِةُ الْبَعْدِةُ الْبَعْدِةُ الْبَعْدِةُ الْبَعْدِةُ الْبَعْدِةُ اللّهِ اللّهِ اللّهُ الللّهُ اللّهُ اللّهُ اللّهُ الللللّهُ اللللّهُ الللللّهُ الللللّهُ الللّهُ الللللّهُ الللللللللّ

اس دعااور دعائے عرفہ جیسی دوسری دعاؤں میں امام علیہ السلام نے خداوند عالم کو پہچنوا یا ہے اور انسانوں کے لئے خدا کی معرفت کے دریچے کھولے ہیں۔ خدا کی معرفت چاہے حصولی ہو اور اس کی مخلو قات میں غور و فکر کے ذریعہ حاصل ہو اور چاہے علم حضوری کے ذریعہ حاصل ہو، صحفہ کالمہ میں دونوں کو اہمیت دی گئی ہے۔ مثال کے طور پر امام زین العابدین نے صحفہ سجادیہ کی پہلی دعامیں فطری اور حضوری معرفت کی طرف اشارہ کیا ہے اور انسانوں کو اپنی معرفت کی توفیق عطا کرنے پر اللہ تعالی کی حمد و ثنافر مایا ہے:

الحمدُ لِللهِ علَى مَا عَرَّفَنَا مِن نَفْسِه وَ الْهَمْنَا مِنْ شُكْرِه وَ فَتَحَ لَنَا مِن اَبُوابِ العِلْمِ بِرُبُوبِيَّته وَ دَلَّنَا عَلَيهِ مِنَ الإِخْلاصِ لَهُ فِي تَوحِيدَهُ وَ جَنَّبَنَا مِنَ الإِلْحَادِ وَ الشَّكِّ فِي بِرُبُوبِيَّته وَ دَلَّنَا عَلَيهِ مِنَ الإِخْلاصِ لَهُ فِي تَوحِيدَهُ وَ جَنَّبَنَا مِنَ الإِلْحَادِ وَ الشَّكِّ فِي الْمُرِه - ترجمه: تمام تعرفي اس خداكے لئے بیں جس نے اپنے نفس كى معرفت عطاكى اور اپنى ربوبيت كى معرفت كے اپنے شكركا الہام كيا (يعنی شكر كرنے كى توفيق عطافرمائى) اور اپنى ربوبيت كى معرفت كے

ا ـ صحيفه سجاديه ، دعاا ، بند ۲ ، ۳ ، ۴

دروازوں کو ہم پر کھول دیا اور توحید میں اضلاص کی طرف رہنمائی فرمائی اور ہمیں اپنے معالمہ (معرفت ذات خدا) میں شک و شبہ سے محفوظ رکھا۔

## صحيفه سجاديه ميس تربيت كى بنيادي

صحیفہ سجادیہ میں غور و فکر کے ذریعہ انسان کی بعض عام خصوصیات کو تربیت کے اصول کے عنوان سے پیش کیا جاسکتا ہے۔ امام زین العابدینؑ کی نظر میں تربیت کے بعض اصول اس طرح سے ہیں۔ خدا کی تلاش اور اس کی محبت، غفلت اور خود پیندی۔

خدا کی تلاش: صحیفہ کالمہ میں خدا کی تلاش، خدا پیندی اور اس سے محبت کو انسان کی عام خصوصیت کے عنوان سے تعلیم و تربیت کے اہم اصولوں میں شار کیا گیا ہے۔ یہ مشتر ک حس فطری طور پر تمام انسانوں میں پائی جاتی ہے، یہان تک کہ ان لو گوں میں بھی جو خدا کے پانے میں راہ سے بھٹک گئے ہیں۔امام سجاڈ بیسویں دعامیں خداوند عالم سے درخواست کرتے ہیں:

اَللَّهُمَّ اجْعَلَنِی اَصُولُ بِکَ عِندَ الضَّرُورَةِ وَ اَسْفَلُکَ عِنْدَ الحَاجَةِ وَ اَتَضَرَّعُ اِلَیکَ عِنْدَ المَسْکَنَةِ۔ ترجمہ: خداوندا! مجھے ایبا بنا دے کہ ضرورت کے وقت تیری مدد سے مشکلات پر غالب آجاؤں اور حاجت کے موقع پر تجھ سے طلب کروں اور تنگ دستی میں تیری بارگاہ میں گریہ وزاری کروں۔ ا

یہ کلمات اس بات کی نشاند ہی کرتے ہیں کہ انسان کے اندر کی طاقت اسے خدا کی طرف کھینچی ہے اور مشکلات میں اس کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔

غفلت: صحیفہ کالمہ میں تربیت کے جن اصولوں پر تاکید کی گئی ہے، ان میں سے ایک غفلت ہے البتہ اس اصل کا بچپلی اصل یعنی خدا کی تلاش و محبت کی اصل کے ساتھ بھی تجزید کیا جاسکتا ہے۔ مندرجہ ذیل کلمات میں ان دونوں خصوصیتوں کا ایک ساتھ ذکر کیا گیا ہے:

ا ـ صحيفيه سجاديه ، دعاا ، بند • ا

۲\_الضاً، دعا۲۰، بند ۱۲

وَلا تَسُمْنَا الغَفْلَةَ عَنْكَ إِنَّا اِلَيْكَ رَاغِبُونَ وَمِنَ الذُّنُوبِ تَائِبُونَ۔ ترجمہ: ہمیں اپنی جانب سے غفلت میں مبتلانہ کر اس لئے کہ ہم تیری طرف راغب ہیں اور اپنے گناہوں سے توبہ کرتے ہیں۔ ا

صحیفه کامله کی دعاوٰل میں خدا سے محبت اور اس کی یاد سے غفلت جیسے موضوعات پر غور و فکر کرنے سے دو بات سمجھ میں آتی ہے:

ا۔ انسان خدا کو جا ہنے والا اور اس کی تلاش میں ہے۔

۲۔ غفلت انسان کی خصوصیات میں سے ہے۔ یہ دونوں با تیں تربیت کے بعض اصول جیسے توبہ و تذکر کے لئے اصل وبنیاد قراریا سکتے ہیں۔

خود پیندی: انسان کی بہت سی محبوں اور جاہتوں کا سرچشمہ خود پیندی ہے اور اس چیز کو ہم تربیت کی تیسری بنیاد شار کر سکتے ہیں اور تربیت کے بعض اصول و طریقوں کو اس سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔ صحیفہ کالمہ میں اس عنوان کا مستقل طور پر تو ذکر نہیں ہوا ہے لیکن بعض دعاؤں میں غور و فکر کرکے اس خصوصیت کے مظام کو دیکھا جاسکتا ہے۔

امام زین العابدین کی اپنے اور اپنے رشتہ داروں کے لئے دعا(دعاک)، حاجتوں کی طلب (دعا ۱۳)، بیاری کے وقت شفا(دعا ۱۵)، بلاؤں اور شخیتوں سے نجات (دعا ۱۸)، صحت و تندر ستی (دعا ۱۳)، رزق کی تکلی اور فقر سے نجات (دعا ۲۹)، قرض کی ادائیگی کے لئے مدد مانگنا(دعا ۴۰)، غم و اندوہ سے نجات (دعا ۱۵۸) اور دوسری بہت سی دعائیں جن میں خداوند عالم سے سعادت و نیک بختی، کمال و قدرت نجات (دعا ۱۵۸) اور دوسری بہت سی دعائیں جن میں خداوند عالم سے سعادت و نیک بختی، کمال و قدرت اور نعمت کا مطالبہ کیا گیا ہے، یہ سب کے سب انسان کی خود سے محبت یا خود پیندی کو بیان کرتی ہیں۔ اگر خود پیندی یا حب ذات کو تربیت کی ایک اصل کے عنوان سے دیکھا جائے اور اس پر توجہ دی جائے تو یقیناً وہ متر بی کی عزت، کمال، سعادت و نیک بختی اور سر فرازی کا سر چشمہ قرار پائے گی لیکن اگر یہی جذبہ غلط رخ متر بی کی عزت، کمال، سعادت و نیک بختی اور سر فرازی کا سر چشمہ قرار پائے گی لیکن اگر یہی جذبہ غلط رخ اختیار کرلے تو تکبر واسکیار اور بغاوت و گناہ اس پر غالب آجائے گا اور انسان کو خود خوابی، خود پر ستی اور غرور

ا ـ صحيفه سجاديه ، دعا ۳۴ ، بند ۴

و تكبر ميں مبتلا كردے گا۔ ان مطالب سے ہم تربيتی تدابير ميں ايك اصل " اصل عزت" كے عنوان سے استفادہ كرسكتے مبیں۔ استفادہ كرسكتے مبیں۔

### صحيفه كالمدمين تربيت كے اصول

تربیت کے اصول وہ قواعد ہیں جو اصول و مقاصد میں غور و فکر کے ذریعہ حاصل ہوتے ہیں اور تعلیم و تربیت کے عمل میں رہنماقرار پاتے ہیں۔تربیت کے اصولوں کی بنیاد پر صحیفہ کللہ میں مذکور اصول تربیت میں سے تین اہم اصل یعنی توبہ، تذکر اور عزت نفس کو پیش کیا جاسکتا ہے۔

توبہ یا کردار میں تبدیلی: توبہ یا کردار میں تبدیلی کی اصل سے خداجوئی (خداکی تلاش) کی اصل کو حاصل کیا جاسکتا ہے۔ صحیفہ کاملہ میں توبہ (بازگشت) یا کردار میں تبدیلی کو انابہ کے نام سے یاد کیا گیا ہے:

ان یکن الترک لمعصیتک انابة فانا اول المنیبین ـ ترجمه: اگر تیری نافرمانی اور گناه کاترک کردیناانابه اور توبه (بازگشت) ہے تومیں سب سے پہلے توبه کرنے والا ہوں الم

تلقاک بالانابة۔ ترجمہ: توبہ اور انابہ کے ذریعہ ہم تیری طرف رخ کرتے ہیں۔ ا

خدا کی طرف واپی اور کردار میں تبدیلی متر بی کے اندر توبہ کی تدبیر کے ذریعہ ممکن ہے۔ انابہ کا معنی ہے۔" الر جوع الی الله بالتوبة ""۔ انابہ لعنی توبہ کے ذریعہ خدا کی طرف بلیٹ آنا۔ یا انابہ اطاعت کے معنی میں ہے "میں ہے" جس میں کردار میں تبدیلی اور گناہ و نافر مانی سے اطاعت میں تبدیلی کا کحاظ کیا جاتا ہے۔

متر بی کاخدا کی طرف بلیک آنااور اس بنیادی موضوع کی طرف اس کا متوجہ ہو جانااصول تربیت کی ایک بنیادی اصل یعنی'' اصل تذکر'' کی مدد سے ہی ممکن ہے۔ تعلیم وتربیت کے دوران کبھی کبھی متر بی، مربی کی

ا\_صحيفه سجاديه، دعاا٣، بند ٢٨

۲\_ایضاً، دعا ۱۲، بند ۸

سا\_ابن منظور، لسان العرب (ج۱۲)، ص ۱۹۹

۴\_الضاً

نعمتوں اور اس کی نیکیوں کو بھول جاتا ہے، اسی لئے وہ گناہ و نافر مانی میں مبتلا ہو جاتا ہے اور تربیت کی راہ سے بھٹک جاتا ہے۔ اس مقام پر مربی کی ذمہ داری ہے کہ اس کو یاد دلائے ، اس کو واپس بلائے اور اپنی نیکی و محبت کی آغوش میں سمولے۔

اصل تذکر (یاد دہانی): اصل تذکر یا یاد دہانی جو "غفلت" یا خداسے دوری سے متعلق ہے، اصول تربیت کے بنیادی تربین مسائل میں سے ہے کہ جس کی ہر وقت مربی کو ضرورت رہتی ہے، اس لئے کہ غفلت مسلسل متربی کی تاک میں رہتی ہے تاکہ اس کواچک لے۔

یہ اصل '' توبہ یا بازگشت اور کردار میں تبدیلی '' کا مقدمہ ہو سکتی ہے۔امام علیہ السلام اپنی مخلف دعاؤں میں غفلت سے دوری کا بہترین طریقہ مانتے ہیں اور ذکریا یاد دہانی کو غفلت سے دوری کا بہترین طریقہ مانتے ہیں :

نَتِهْنِی لِذِکْرِکَ فِی اَوْقَاتِ الْغَفْلَةِ۔ ترجمہ: غفلت کے او قات میں مجھے اپنی یاد میں مشخول کردے ا۔

\*

وَاشْغَلْ قُلُوبَنَا بِذِكْرِ كَ عَنْ كُلِّ ذِكْرٍ - ترجمه: اور بهارے ولوں كواپني ياد ميں لگادے۔ ا

ثُمَّ انْتَبَهْتُ بِتَذْكِيرِ كَ لِى مِنْ غَفْلَتِى - ترجمہ: تیرے آگاہ كرنے كی وجہ سے میں خواب غفلت سے بیدار ہوگیا۔ "

ان عبار توں مے مطالعہ سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ غفلت سے بیخے کے لئے ضروری ہے کہ متر بی کو یاد دہانی کی جاتی رہے۔ یہی یاد دہانی اور رہنمائی متر بی کو بہلنے اور گمراہ ہونے سے بچاتے ہوئے راہ راست پر لگاتی ہے۔اس لئے امام علیہ السلام مزید فرماتے ہیں:

وَ نَهَضْتُ بِتَوفِيقِكَ مِنْ زَلَّتِي وَ رَجِعْتُ وَ نَكَصْتُ بِتَسْدِيدِكَ عَنْ عَثْرَتِي.

ا ـ صحيفه سحاديه ، دعا ۲۰ ، بند ۲۹

۲\_ایضاً، د عااا، بند ا

٣- ايضاً، دعا ١٣، بند ١٧

ترجمہ: تیری توفیق کی وجہ سے میں لغزش سے نے گیااور تیری رہنمائی کے ذریعہ میں گرنے سے نے گیا۔

اصل عزت: خود دوستی کو انسان کی عام خصوصیت قرار دیتے ہوئے "عزت" کو اصول تربیت کی تیسری اصل قرار دیا جاسکتا ہے۔ اس اصل کے مطابق مربی کو چاہئے کہ متربی کو عزت نفس عطا کرے۔ متربی اگر خود دوستی کے جذبے کے پیش نظر اپنے اندر ایک حقیقی عزت نفس کا احساس کرتا ہے، تو پھر اس کے اندر خود شیفتگی، خود محوری، خود خواہی اور خود پیندی وغیرہ چیسے برے احساسات جنم نہیں لے سکیں گے بلکہ اس کے بر خلاف وہ اپنی قوت وطاقت سے با خبر ہوتے ہوئے کمال اور سعاد تمندی کی راہ پر گامزن ہو جائے گا۔

متربی چونکہ خود اپنے اوپر فریفتہ ہے اس لئے یہ "اصل عزت "اس کی ہدایت کر سکتی ہے اور اس کو سعادت کی راہ دکھا سکتی ہے۔ متربی کو عزت دینے اور متربی میں احساس عزت پیدا کرنے میں فرق ہے۔ عزت کا احساس وہم و خیال بھی ہو سکتا ہے جو ذلت کے ساتھ اکٹھا ہو سکتا ہے لیکن حقیقی اور واقعی عزت، ذلت کے ساتھ اکٹھا ہو سکتا ہے لیکن حقیقی اور واقعی عزت وزلت کے ساتھ اکٹھا نہیں ہو سکتی۔ جب بھی کوئی خود پسندی کے جذبے کی بنیاد پر علم ، قدرت اور حسن و جمال و غیرہ کے ذریعہ دوسروں کو جیرت میں ڈال دیتا ہے تواس کے اندر عزت کا احساس جاگ اٹھتا ہے۔ ایسا شخص ممکن ہے اپنی خصوصیات کا دیوانہ ہو جائے توالی صورت میں پھر اس کے پاس حقیقی اور واقعی عزت نہیں ہوتی۔

ایسے موقع پر مربی کی ذمہ داری ہے کہ وہ متربی کے اندر حقیقی عزت کا احساس پیدا کرے، اس لئے کہ کہی بھی عزت کا احساس نفس کی تحقیر و ذلت اور گراہ کن خود پیندی کے علاوہ اور پچھ نہیں ہے۔ اسی لئے امام علیہ السلام اپنی دعامیں لوگوں کے در میان عزت و بزر گواری کو اپنی نظر میں دنیاوی مقام و منزلت کی پستی کے ساتھ چاہتے ہیں اور اسی وجہ سے خود کو غدا وند عالم کے سپر د کرتے ہیں اور ارشاد فرماتے ہیں:

وَ لَا تَرْفَعْنِى فِى الْنَّاسِ دَرَجَةً إِلَّا حَطَطْنِى عِنْدَ نَفْسِى مِثْلَهَا وَ لَا تُحْدِثْ لِى عِزَّا ظَاهِراً إِلَّا اَحْدَثْتَ لِى ذِلَّةً بَاطِنَةً عِنْدَ نَفْسِى بِقَدَرِهَا ـ ترجمه: مجصلو گوں کے درمیان کوئی

منصب و مقام عطانہ فرمامگریہ کہ اتنا ہی مجھے میرے نفس کے سامنے پیت کر دے اور میرے لئے ظاہری بزر گواری قرار نہ دے مگریہ کہ اس قدر مجھے میرے نفس کے نز دیک باطنی اور پوشیدہ ذلت وخواری قرار دے۔ ا

واضح رہے کہ متر بی کے اندر احساس ذلت کو دور کرنے کے لئے حقیقی اور پائیدار عزت کو پانے کے احساس کو بیدار کرنا ہوگااس لئے کہ عزت کا احساس صرف عزت حاصل کرنے کے لئے حالات فراہم کرنے کا کام کرتا ہے۔ حقیقی عزت صرف اور صرف بارگاہ احدیت میں بندگی اور تذلل کے ذریعہ ہی ممکن ہے جیسا کہ امام زین العابدین ارشاد فرماتے ہیں:

وَ ذَلَّلْنِی بَینَ یَدَیک وَ اَعَزَّنِی عِنْدَ خَلْقِک وَ ضَعْنِی إِذَا حلوت بِکَ وَ اَرْفَعْنِی بَینَ یَدَیک مِی اَوْرار دے اور یَد کی اور این مخلو قات کے در میان عزیز و بزر گوار قرار دے اور جب میں تنہائی میں تیری بارگاہ میں حاضر ہوں تو ذلیل و حقیر اور جب تیرے بندوں کے در میان ہوں تو بلند مرتبہ و باعزت رہوں۔

اس طرح بندگی کے سائے میں خدا وند عالم کی عزت کے سہارے اور اس کی ذات پر مجروسہ کرتے ہوئے، انسان لو گوں سے دور اور خدا کی عزت کی وجہ سے ان سے بے نیاز ہو جاتا ہے :

وَ امْنَعْنَا بِعِزِّ کَ مِنْ عَبَادِ کَ وَ اَغْنِنَا مِنْ غَيْرِ کَ بِاِرْفَادِ کَ- ترجمہ: مجھا پی عزت وقدرت کے ذریعہ لوگوں (کے شر)سے دور کر دے اور اپی بخشش کے ذریعہ اپنے علاوہ سے بے نیاز کر دے۔ "

اله صحیفه سجادیه، دعا۲۰، بند ۴

۲\_ایضاً، دعا ۲ م، بند ۱۱۸

۳\_الضاً، دعا۵، بند ۱۳

اییالگتا ہے کہ اسلامی تربیت کے اصولوں میں "عزت "سب سے اہم اور بنیادی اصل ہے اس لئے کہ اگر متر بی خود کو اپنی نگاہ میں باعزت پائے گاتو کبھی بھی خود کو آئاہ میں بتلا نہیں کرے گایا کم سے کم پستی اور حقارت کار جمان اس کے اندر بہت کم ہوجائے گا۔

تربیت کے طریقوں کو ایبا ہونا چاہئے کہ متر بی کے اندر عزت نفس کا احساس پیدا ہو جائے اور اس کو ذلت و حقارت میں ڈو بنے سے بچالے۔"اصل عزت"ہی کی بنیاد پر صحیفہ کاللہ کی عبار توں سے"عذر پذیری، عیب پوشی، حسن ظن" جیسے تربیت کے طریقے اور"اصل تذکر" (یاد دہانی) کے ذریعہ بگڑی ہوئی شخصیت کو سنوار نے اور باطنی عزت کو یا لینے کے طریقے حاصل کئے جا سکتے ہیں۔

### صحفه کامله میں تربیت کے طریقے

اس حصہ میں اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ تربیت کے تین اصل یعنی بازگشت (توبہ)، تذکر (یاددہانی) اور عزت کی بنیاد پر متربیوں کی تعلیم و تربیت اور کردار سازی کے سلسلہ میں بعض تربیت طریقوں کو صحیفہ کالمہ کی عبار توں سے حاصل کرکے پیش کیا جائے۔ اس تناظر میں بارہ طریقوں کا جائزہ لیا جائے گا۔ حالا نکہ تربیت کے بنیادی اصولوں کے پیش نظر موقع و محل کو دیکتے ہوئے دوسرے طریقوں سے بھی استفادہ کر سکتا ہے۔

توبہ (بازگشت): توبہ کا صحیفہ کالمہ میں ایک خاص اور اہم مقام ہے اور تربیت کے اصل "بازگشت" یعنی توبہ یا " کر دار میں تبدیلی " کے پیش نظر تربیت کے عمل میں اسے ایک جزئی ہدایت کے عنوان سے استعال کیا جاتا ہے۔ لغت میں " توبہ" کے معنی رجوع اور بازگشت (بلٹنا) کے ابیں اور صحیفہ کالمہ میں یہ لفظ گنا ہوں پر پشیمان ہو نااور کر دار میں تبدیلی یا انسان کی اصلاح اور برائی سے دوری کے معنی میں استعال ہوا ہے:

اَللَّهُمَ إِنْ يَكُنِ النَّدَمُ تَو بَةً اِلَيْكَ فَانَا أَنْدَمُ النَّادِمِينَ۔ ترجمہ: خداوندا! اگر توبہ، پشیمانی اور تیری طرف پلٹنا ہے تومیں پشیمان ہونے والوں میں سبسے زیادہ پشیمان ہوں۔ ا

اله السان العرب (جلد ۲)، ص ۲۱

۲\_ صحیفه سجادیه، دعاا۳، بند ۲۸

راه اسک لا)

#### نيزآپ فرماتے ہيں:

یَا مَن اسْتَصْلَحَ فَاسِدَهُمْ بِالتَّوبَةِ- ترجمہ: اے وہ کہ جس نے اپنے بندوں کی تابی کی اصلاح توبہ کے ذریعہ جابی ہے۔ ا

مر بی کی ذمہ داری ہے کہ جب متر بی اپنی خداجوئی کی فطرت سے دور ہو تو اس کو اس کی فطرت کی حقیقت لینی خداجوئی کی فطرت سے دور ہو تو اس کو اس کی فطرت کی حقیقت لینی خداجوئی کی طرف واپس لے آئے ۔ لفظ توبہ اپنے واقعی معنی میں صرف سماہ کی طرف توجہ اور ماورائے مادہ (خدا) سے عفلت اور حقیقی پشیمانی اور خدا کی طرف بیٹ آنے کے لئے بھی استعال ہوتا ہے۔ امام علیہ السلام اس سلسلہ میں فرماتے ہیں:

اللَّهُم وَ إِنِّى اتُوبُ اِلَيكَ مِن كُل مَا خَالفَ اِرَادَتَك اَو زَال عَن مُحَبَّتك مِن خَطَرات قَلْبى وَ لَحْظاتِ عَينِى وَ حَكَايَات لِسَانى۔ ترجمہ: خداوندا! میں ہراس چیز سے جو تیرے ادادہ کے خلاف ہو یا تیری محبت سے مجھے باہر کر دے یا وہ خیالات کہ جو میرے دل میں آتے ہیں جس نے تیری محبت ختم کردی ہے یا جو میں نے دیکھا ہے یا کیا ہے ان سب سے تیری بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں۔ ا

توبہ کردار کی تبدیلی (خاص طور سے بچوں اور نو جوانوں میں ) کے سلسلہ میں ایک غیر معمولی اور بنیادی طریقہ شار کیا جاتا ہے اور یہ جو ہماری تعلیم و تربیت کے نظام میں توبہ کو نا قابل یقین تصور کیا جاتا ہے وہ شاید اس لئے ہے کہ ہم دینی تربیق مفاہیم کو صحیح طریقہ سے سمجھ نہیں سکے ہیں اس لئے کہ ہمیشہ توبہ صرف انہیں لوگوں کے سلسلہ میں استعال کیا جاتا ہے جو انہائی درجہ کے بڑے گنا ہوں کے مرتکب ہوتے ہیں لیکن توبہ کی حقیقت کچھ اور ہی ہے اور وہ یہ کہ توبہ متر بی کا مربی کی آغوش میں آجانے کا بہترین ذریعہ ہے اور یہ حقیقت تعلیم و تربیت میں اس وقت تک نہیں آتی جب تک مربی بھی

ا ـ صحیفه سجادیه ، دعا ۱۲ ، بند ۱۰ ۲ ـ الضاً ، د عا ۳ ، ص ۲۲ متر بی کی طرف آگے نہ بڑھے، نہ اس کو قبول کرے اور پیار و محبت کے ہاتھوں کو پھیلا کر متر بی کے ملیٹ آنے کا نظار نہ کرے۔

اس لئے توبہ اپنے مختلف مراحل کے پیش نظر شدت وضعف کا عامل ہے۔ یعنی یہ کہ بچپن میں توبہ کے طریقہ کو بہت دھیان سے اپنا یا جائے۔اس میں کوئی شک نہیں کہ بچپن ہی میں غلطی کرنے سے روکنا چاہئے لیکن اس کی توبہ میں اور نو جوان اور جوان کی توبہ میں فرق ہے اسی لئے بچپن میں توبہ کو دوسر سے طریقوں کے ساتھ بروئے کارلانا چاہئے۔

تفضل (رحم و كرم): تفضل ان طريقوں ميں سے ہے كہ جس كو ہم " اصل بازگشت" (توبه) سے حاصل كر سكتے ہيں اور تفضل صحيفہ كالمد كى تعريف كے مطابق ايك ابتدائى نعمت يا احسان ہے اللہ دوسرے لفظوں ميں تفضل يعنى دوسروں پر احسان كرنا اور بيد احسان بغير كسى حق كے ہوتا ہے "، يعنى تفضل اس كام كا بدلہ نہيں ہے جسے متر بی نے انجام دیا ہے ۔ امام عليہ السلام تفضل كو پارساؤں كى صفات ميں سے شار كرتے ہيں اور اللہ تعالى سے درخواست كرتے ہيں كہ وہ انہيں اس تربيتی طريقہ سے آراستہ فرمائے۔

اس تربیتی طریقه میں متربی، مربی کے تفضل کے ذریعہ راہ راست پر آجا تا ہے اور اس کی طرف پلٹ آتا ہے ۔ بنیادی طور پر صحفه کامله میں انابه (توبه) اور خدا کی طرف بازگشت، تفضل ہی کے ذریعہ ممکن ہے۔ یہی خدا کا تفضل ہے جو بندہ کو آمادہ کرتا ہے کہ وہ خدا سے مائلے اور اس کی طرف بلٹ آئے:

وَ يَحْدُونِي عَلَى مَسْئَلَتِکَ تَفَصُّلُکَ عَلَى مَنْ اَقْبَلَ بِوَجْهِهِ اِلَيْکَ وَ وَفَدَ بِحُسْنِ طَنِّهِ اِلَيْکَ اِجْدَاءٌ۔ ترجمہ: تیری طرف رجوع طَنِّهِ اِلَیْکَ اِذْ جَمیعُ اِحْسَانِکَ تَفَضُّلٌ وَ اِذْ کُلُّ نِعَمِکَ اِبْتِداءٌ۔ ترجمہ: تیری طرف رجوع کرنے اور تجھ سے حسن طن رکھنے والوں پر تیرے تفضل نے مجھے تجھ سے طلب کرنے کی

ا ـ صحیفه سجادیه ، دعا ۱۲، ص ۳ ۲ ـ الضاً، ص ۹۹

جرات دی اس لئے کہ تیرے تمام اصانات تیرے فضل و کرم کی وجہ سے ہیں اور تمام نعتیں ابتدائی ہیں (یعنی کسی بدلے کے لئے نہیں ہیں)۔ ا

آپ خدا کی طرف بازگشت اور توبه کو بھی خداوند عالم کا ابتدائی فضل و احسان ہی تصور کرتے ہیں :

مربی کا ابتدائی فضل واحسان اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ وہ متربی سے محبت کرتا ہے اور بیہ فضل متربی کے کردار میں تبدیلی پیدا کرتا ہے اور اسے صحح راستہ پر لگا دیتا ہے۔ رسمی اور عام تعلیم و تربیت میں عام طور سے نہ مربی کو ابتدائی احسان کی فکر ہوتی ہے اور نہ ہی متربی کو مربی سے اس طرح کے احسان کی امید ہوتی ہے۔ تعلیم و تربیت کا رابطہ ہمیشہ لین دین کا ہے۔ کسی احسان کے جذبے کے بغیر تفضل اس لئے ہوتا ہے کیونکہ متربی ، مربی کو چاہتا ہے اور وہ اس کے دل وجان میں اتر جاتا ہے ، اسی طرح جیسے کا نئات کا پروردگار اپنے بندوں سے رابطہ رکھتا ہے جوبے پناہ فضل و کرم کے ساتھ مخلوقات پر ابتدائی احسان میں مشغول ہے اور مخلوق بھی اس کے تفضل کی امیدوار ہے للذا تعلیم و تربیت کے نظام میں دونوں طرف سے تفضل کا عمل جاری وساری رہتا ہے۔

بشارت: (خوشخری کاطریقه): اچھائیوں کی طرف متربی کے بلٹ آنے کے سلسلہ میں صحیفہ کالمہ میں مجانہ میں صحیفہ کالمہ میں جن طریقہ متربی کوخوشخری دینے

ا ـ صحيفه سجاديه، دعا ۱۲، بند ۳

۲-الضاً، دعاا، بند ۲۲

یا امیدوار کرنے کا طریقہ ہے۔اس طریقہ میں جو عمل سے پہلے انجام پاتا ہے مربی، متربی سے ناامیدی کو دور کرتا ہے اور آنے والی نعمتوں،رحمتوں اور مہربانیوں کی خوشنجری دیتا ہے۔

بثارت کی وجہ سے متر بی سکون قلب کے ساتھ عمل کے لئے اٹھ کھڑا ہوتا ہے، برے عمل سے دوری اختیار کرتا ہے اور اچھائی کی طرف آجاتا ہے اور اس طرح اپنے کردار کو سنوارتا ہے۔ امام علیہ السلام اس سلسلہ میں فرماتے ہیں:

اللّهُمَ إِنِّى وَجَدْتُ فِيمَا الْزُلْتَ مِنْ كِتَابِكَ وَ بَشِّوْتَ بِهَ عِبَادِكَ إِنْ قُلْتَ: يَا عِبَادِى اللَّهُ مَ أَنْ اللّهَ يَغْفِرُ اللَّهُ وَمَ قَلْتَ: يَا عِبَادِى اللَّذِينَ اَسْرَفُوا عَلَى انْفُسِهِم لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ الله اَنَّ اللّهَ يَغْفِرُ اللَّهُ نُوبَ جَميعاً۔ ترجمہ: خداوندا! میں نے تیری کتاب میں جس کو تونے نازل کیا ہے اور جس کے ذریعہ تونے اپنے بندول کو خوش خبری دی ہے یہ پایا ہے کہ تونے فرمایا ہے: اے میرے بندو! جخول نے اپنے نفول پر زیادتی کی ہے خداکی رحمت سے مایوس نہ ہول کہ خداوند عالم تمام عناموں کو معاف کرنے والا ہے۔ (سورة زمر، آیت ۵۳) ا

\*\*

سُبْحَانَکَ لَاآیْاسُ مِنْکَ وَ قَدْ فَتَحْتَ لِی بَابُ التَّوبَةِ اِلَیْکَ-ترجمہ: جب تک تونے توبہ کے دروازے کو میرے لئے کھول رکھاہے میں تجھ سے مرگزنا امید نہیں ہو نگا۔ ا

فَلُولًا المَوَاقِفُ الَّتِي أُؤَمِّلُ مِنْ عَفْوِکَ الَّذِی شَمِلَ کُلَّ شَیءٍ لَا لَقَیْتُ بِیَدِی۔ ترجمہ: اگر تیری عفو و بخشش کے وہ مقامات نہ ہوتے کہ جو مرچیز کے شامل حال ہے تو میں خود سے آزاد ہو جاتا (خود کو تباہ کر لیتا)۔"

متر بی کے اندر امید کو جگانا اور رحمت و نعمت و بخشش کی خوشخری دینا، اسے تباہی سے روک لینا اور بخشش کی طرف متوجہ کر دینا ہے۔البتہ اس طریقہ کار میں ایسی مہارت سے کام لینا جاہئے کہ لوگ معاملہ

ا ـ صحيفه سجاديه، دعا ٥٠، بند ٢

۲۔الضاً، دعا ۱۲، بند ۷

٣\_الضاً، دعا ٥٠، بند ٣

نہ کر بیٹھیں۔ اس طریقہ کار میں زیادہ روی متر بی کو تاجر بنادین ہے کہ وہ بنااجر و بدلے کے کوئی عمل انجام دینے کو تیار نہیں ہوتا اور جب اجر پا جاتا ہے تو عمل کو بالکل فراموش کر دیتا ہے اور اس کو اپنے دل و جان میں جگہ نہیں دیتا ہے للذاخو شخبری اس حد تک ہونی چاہئے جتنی متر بی کی ظرفیت ہو۔ متر بی کے اندر جس فدر وسعت نفس ہو گی تبشیر اتنا ہی اس کے اندر اثر انداز ہو گی، اسی لئے بہتر ہے کہ جہاں تک ہو سکے تنشیر میں غیر مادی پہلوزیادہ ہوتا کہ وہ متر بی میں اس طرح اثر انداز ہو کہ جس میں دوام پایا جائے (اس لئے کہ مادی چیزیں ختم ہو جانے والی ہیں) اور وہ کبھی ختم نہ ہو۔ تربیت کی راہ میں بشارت کے ذریعہ آگے بڑھنے کے لئے ضروری ہے کہ انسان خود کو بچاکے رکھے اور مستقبل پر نظر رہے اس لئے کہ جو خود کو برائیوں سے زیادہ بچانے والا اور دور اندیش ہوگا اس پر خوشخبری کا اثر زیادہ اور مشکم ہوگا ای لئے بچوں کے برائیوں سے زیادہ بچانے والا اور دور اندیش ہوگا اس پر خوشخبری کا اثر زیادہ اور مشکم ہوگا ای گئے بیں اور نہ بی کئی نزاکت کو صحیح طریقہ سے نہ سمجھ پانے کی بنا پر خود کو اچھی طرح سے تحفظ نہیں دے سکتے ہیں اور نہ بی ان کے اندر دور اندیش ہوتی ہے۔

برائی کے بدلے نیکی کا طریقہ: اصل بازگشت یا کردار میں تبدیلی سے جو چوتھا طریقہ حاصل کیا جاتا ہے وہ ہے" برائی کے بدلے نیکی کا"۔ دین کے ہادیوں اور رہنماؤں کا نادان دشمنوں اور غلطی کرنے والوں کے ساتھ ہمیشہ یہی طریقہ رہا ہے۔ اسی طریقہ کو خدا وند عالم بھی اپنے نافرمان اور بدکار بندوں کے سلسلہ میں اپنے فضل و کرم کے ذریعہ اختیار کرتا ہے۔

برائی کے بدلے اچھائی کا طریقہ برائیوں کی اصلاح کے لئے بہترین اور مناسب ترین طریقہ ہے۔ کبھی کبھی برائی کرنے والے کے ساتھ اچھائی کا برتاؤ، خدا کو تلاش کرنے والی اس کی فطرت کو بیدار کر دیتی ہے اور وہ اپنے کئے پر پشیمان اور شر مندہ ہوتا ہے اور سیدھے راستہ پر آجاتا ہے۔ اس طریقہ کار کو ایک خاص جذبہ کے ساتھ استعال کیا جاتا ہے تاکہ متر بی پر اپنا اثر ڈال سکے ۔ امام زین العابدین اپنے پڑوسیوں کے لئے دعا کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وَاجْعَلْنِي اَللَّهُمَّ اَجْزِي بِالْإِحْسَانِ مُسيئَهُم وَ أُعْرِضُ بِالتَّجَأُوزِ عَنْ ظَالِمِهِمْ ـ ترجمہ: خداوندا! مجھے برائی کرنے والوں کے ساتھ نیکی کرنے کی توفیق عطافر مااور یہ کہ ان کے ظالموں کے ساتھ عفو و شخشش کا برتاؤ کروں۔'

ابكُ دوسري دعاميں آپ خداوند عالم سے اس طرح خطاب فرماتے ہیں :

سَلِّدْنِي لِأَنْ أُعَارِضَ مَنْ غَشَّنِي بِالنُّصْحِ وَ أَجْزِي مَنْ هَجَرَنِي بِالْبِرِّ وَ أَثْيبَ مَنْ حَرَمَنِي بِالْبَذْلِ وَ أَكَافِيَ مَنْ قَطَعَنِي بِالصِّلَةِ وَ أَخَالِفَ مَن اغْتَابَنِي اِلَي خُسْن الذِّكْرِ ترجمہ:خدا وندا! مجھے توفق عطافرما کہ جس نے میرے ساتھ دھوکا کیا ہے اس کے ساتھ اچھائی کروں اور جو مجھ سے دور ہو گیاہے اس کا بدلہ اچھائی کے ساتھ دوں اور جس نے مجھے محروم و ناامید کیا ہے اس کو میں بخشش و عطاکے ذریعہ بدلا دوں اور جس نے مجھ سے قطع تعلق کر لیا ہے اس کے ساتھ صلہ رحم کا برتاؤ کروں اور جس نے میری غیبت کی ہے میں اس کواچھائی کے ساتھ باد کروں۔ آ

سزامیں تاخیر کاطریقہ: کسی کی تشویق اور حوصلہ افنرائی میں جلدی کرنی جاہے اور تنبیہ اور سزامیں تاخیر کرنی حاہیۓ۔ چنانچہ سزامیں تاخیر متر بی کے لئے سو چنے کاموقع فراہم کرتی ہے تاکہ وہ اپنے کاموں میں خوب غور و فکر کرے اور اپنے آپ کو خطا و گناہ کی قید و بند سے آزاد کر سکے۔اس طرح پیہ طریقہ متر بی کے کئے کر دار میں تبدیلی اور توبہ کو ممکن بناتا ہے۔امام زین العابدینؓ اپنے بندوں کے ساتھ خدا کے پرلطف برتاؤير تعجب كرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وَ اَعْجَبُ مِنْ ذَلِكَ اَنَاتُكَ عَبِّي وَ إِبْطَاؤُ كَ عَنْ مُعَاجِلَتِي وَ لَيْسَ ذَلِكَ مِنْ كَرَمِي عَلَيْكَ بَلْ تِانِّياً مِنْكَ لِي وَ تَفَضُّلاً مِنْكَ عَلَىَّ لِأَنَّ أَوْتَدِعَ عَنْ مَعْصِيَتِكِ الْمُسْخِطَةِ وَ اَقْلَعَ عِنْ سَيِّغَاتِيَ الْمُخْلِقَةِ وَلِأَنَّ عَفْوَكَ عَنِّي اَحَبُّ اِلَيْكَ مِنْ عُقُو بَتِي -

اله صحيفه سجادييه، دعا٢٦، بند ٣

۲۔الضاً، دعا ۲۰، بند ۹

ترجمہ: اور اس سے تعجب انگیز میرے سلسلہ میں تیری برد باری (جب کہ تو میری پوشیدہ حالات سے آگاہ ہے) اور جمجھ سزا دینے میں تیری تاخیر ہے اور یہ اس لئے نہیں ہے کہ میں تیرے نزدیک کوئی مرتبہ رکھتا ہوں بلکہ یہ مجھ پر تیرے کرم واحسان کی وجہ سے ہے تاکہ بچھ کو ناراض کرنے والی نافر مانی سے دستبر دار ہوجاؤں اور ان برائیوں سے پر ہیز کروں جو مجھے ذلیل کر دینے والی ہیں اور اس لئے کہ تو مجھے سزا دینے کی بنسبت معاف کر دینازیادہ پیند کرتا ہے۔ ا

وعظ ونصیحت کا طریقہ: صحیفہ کاملہ سے تربیت کے تین طریقے معلوم ہوتے ہیں۔ایک وعظ ونصیحت دوسرے نعمتوں کی یاد دہانی اور حمد وشکر سے آشنا کر نااور تیسرے تذکر یعنی یاد دہانی۔

وعظ ونفیحت اگراچی طرح سے انجام دیا جائے تو (موعظہ حسنہ) یہ یاد دہانی کا بہترین طریقہ ہے۔
البتہ وعظ کرنے والے کو چاہئے کہ وہ اپنی نفیحتوں پر خود بھی عمل کرتا ہو تا کہ اس کی نفیحتوں کااثر ہوسکے
اور یہ نفیحتیں دعامے پیرائے میں بہت زیادہ ہیں۔اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہم دور میں وعظ ونفیحت
کرنا دینی مربیوں اور رہنماؤں کا طریقہ رہا ہے تا کہ اس کے ذریعہ وہ متربیوں کو غفلتوں سے نکال کر راہ
راست برلگائیں۔

نعتوں کی یاد دہانی کا طریقہ: وعظ و نقیحت مسلسل نعتوں کی یاد دہانی کے ساتھ ساتھ زیادہ اثر انداز ہوتی ہے اس لئے کہ نعتوں کی یاد دہانی متر بی کے اندر دفاع کی قوت کو (یعنی بہانہ تلاش کرنا) کمزور کر دیتی ہے اور پھراس کو ضد کرنے اور مخالفت کرنے سے روک دیتی ہے۔

نعتوں کی یاد دہانی اس لئے ہونی چاہئے کہ متر بی غفلت کی عادت اور مشغولیت کی وجہ سے (خاص طور سے اگر بچین میں ہو کہ جب احساسات پائیدار نہیں ہوتے اور خواہشیں بدلا کرتی ہیں ) اس قدر ڈوب جاتا ہے کہ بچھلی نعمتوں، فراوانیوں اور آسانیوں سے غافل ہو جاتا ہے۔ نعمتوں کا تذکرہ اس کو ہوش میں لاتا ہے اور اس کو منعم و مربی کے طرف متوجہ کر دیتا ہے۔ صحیفہ کللہ کی منطق میں نعمتوں کی یاد دہانی خداوند عالم کی حجہ و ثنا کے ساتھ ہونی چاہئے تاکہ پھر اس بات کا احساس دلائے کہ انسان خداوند عالم کے احکام کی پابندی اور

ا فحیفه سجادیه، دعا ۱۱، بند ۲۹

خالفت کرنے میں کس قدر ضعیف و کمزور ہے۔ توبہ اور خدا کی طرف بلیٹ آنے کو اور اس کی توبہ کو قبول کرنے کو خداکا فضل شار کرتے ہوئے اس بات کی تاکید کرے اور اس سلسلہ میں خدا کی حمد و ثنا کرے کہ اس نے توبہ و بخشش کے دروازہ کو کھول رکھا ہے اور با کمال اور خوش بخت اس انسان کو سمجھے جو خدا وند عالم کی طرف بلیٹ آتا ہے اور اس سے لولگا تا ہے۔ ا

حمد و ثناسے روشناس کرانے کا طریقہ: جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا کہ نعمتوں کی یاد دہانی حمد و ثنا کے ساتھ ساتھ ساتھ ہونی چاہئے تاکہ متر بی نعمت دینے والے کی سلسل نعمتوں اور بخششوں کی طرف متوجہ ہو جائے، لہذا متر بی کو حمد و شکر سے آشنا کرایا جانا چاہئے۔ اس طرح کہ اگریہ طریقہ متعارف نہیں کرایا گیا تو متر بی نعمتوں سے بہرہ مند ہوتے ہوئے اور اس سے استفادہ کرنے کے باوجود غفلت میں پڑار ہے گا اور شکر ادا نہیں کرے گا اور وہ اس طرح سے انسانیت کی سطے سے گر کر حیوانیت میں پڑ جائے گا:

وَالْحَمْدُ لِلهِ الَّذِى لُو حَبَسَ عَنْ عِبَادِهِ مَعْرِفَةَ حَمْدِهِ عَلَى مَا ٱبْلَاهُمْ مِنْ مَنَنِهِ الْمُتَطَاهِرَةِ لَتَصَرَّفُوا فِي مِنَنِهِ فَلَم يَحْمَدُوهُ وَ الْمُتَطَاهِرَةِ لَتَصَرَّفُوا فِي مِنَنِهِ فَلَم يَحْمَدُوهُ وَ الْمُتَطَاهِرَةِ لَتَصَرَّفُوا فِي مِنَنِهِ فَلَم يَحْمَدُوهُ وَ تَوَسَّعُوا فِي رَزْقِهَ فَلَم يَشْكُرُوه، وَ لَو كَانُوا كَذَلِكَ لَحَرَجُوا مِن حُدُودِ الْأَنْسَانِيَّةِ اللَي تَوَسَّعُوا فِي رَزْقِهَ فَلَم يَشْكُرُوه، وَ لَو كَانُوا كَذَلِكَ لَحَرَجُوا مِن حُدُودِ الْأَنْسَانِيَّةِ اللَي حَدِّ الْبَهِيْمَةِ فَكَانُوا كَمَا وَصَفَ فِي مُحْكَم كِتَابِهِ إِنْ هُمْ إِلَّا كَالاَنْعَام بَلْ هُم اَصَلُ سَبِيلاً.

ترجمہ: تمام تعریفیں اس خدائے کریم کے لئے ہیں کہ جو اگر اپنے کو ان تمام مسلسل نعمتوں کی معرفت سے محروم کر دیتا جو اس نے ان پر نازل کی ہیں اور ان سب بخششوں کی معرفت سے محروم کر دیتا جو اس نے ان کے اوپر مسلسل کی ہیں تو وہ اس کی نعمتوں سے فائدہ اٹھانے کے باوجو د اس کا شکر ادانہ کرتے۔ انہیں اپنی روزی میں فراوانی تو ملتی لیکن وہ اس کا شکر ادانہ کر سکتے اور اگر ایسا ہوتا (کہ وہ شکر نہ کرتے ) تو وہ انسانیت کے دائرہ سے نکل کر حیوانیت کے زمرہ میں آجاتے اور وہ ایسے ہی ہو جاتے جیسا قرآن مجید میں بیان کیا گیا ہے کہ

ا۔ صحیفہ سجادیہ، دعاا، بند ۱۸سے ۲۲

## وہ نہیں ہیں مگر چو یا یوں کی طرح بلکہ اس سے بھی بدتر۔ ا

الْحَمْدُ لله عَلَى مَا عَرِفْنَا مِنْ نَفْسِه وَ الْهَمْنَا مِن شُكْرِه - ترجمه: ال خداكا شكر كه جس نے خود كو بميں پېچنوايا اور اپنا شكر بميں الهام كيا "-

خدا کی طرف سے شکر کاالہام اس حقیقت کو واضح کرتا ہے کہ انسان کو فطر تأاس کا شکر گزار ہونا چاہئے جو اس کو شرافت و بزرگی عطا کرتا ہے اور وہ جو کفران نعمت کرتا ہے اور اپنی صلاحیتوں کا اظہار نہیں کرتا وہ اس قدر نفسانی ذلت کا شکار ہو جاتا ہے کہ خود کو دوسروں کا محتاج تصور کرتے ہوئے اپنی عزت و شرافت کو بریاد کر دیتا ہے۔

اس لئے امام علیہ السلام صحیفہ کاملہ کی بہت سی دعاؤں میں خدا وند عالم سے اس بات کا مطالبہ کرتے ہیں کہ ان کو لو گوں کے در میان بزر گوار و صاحب عزت قرار دے اور اپنے نزدیک ذلیل و حقیر و مختاج

ا ـ صحيفه سجاديه، دعاا، بند ۸ و ۹

۲- شکوبی ، غلام حسین ، مبانی واصول آ موزش ویرورش ( جلد ۲۰ ) ، ص ۳۱۲

٣ ـ صحيفه سجاديه، دعا ٢٣، بند ا

۳\_الضاً، دعاا، بند ۱۰

قرار دے۔ و ذللنبی بین یدیک و اعز نبی عند حلقک۔<sup>ا</sup>

خدا کی مخلوقات کے در میان عزت کا مطلب ہے خداوند عالم کی مدد سے اپنی قوت و طاقت پر بھروسہ کرنا جس کو خدا کی بند گی کے ذریعہ ہی حاصل کیا جاسکتا ہے اس لئے کہ جب متربی کو خود اپنی قوت و طاقت اور صلاحیتوں کا اندازہ ہوگا تو پھر وہ کسی غیر کے پاس نہیں جائے گا اور خدا کے علاوہ کسی <sup>۔</sup> د وسرے کا محتاج نہیں ہو گا۔ اس طرح وہ اپنی عزت کو محفوظ رکھے گااوریہی انسان کے اندر کی عزت کو زندہ کرنے کا ماعث ہے۔

حسن ظن كاطريقه: متربي سے ہونے والى كسى غلطى كے امكان كويقيني سمجھنا غلط ہے۔ يہ غلطى مربى کے اندر متر لی کے لئے بر گمانی کاسب ہوسکتی ہے جس کے نتیجہ میں متر لی کے اندر احساس عزت ختم ہو سکتا ہے۔ لیکن حسن ظن کی وجہ سے مر بی ، متر بی کی مکنہ غلطی کے بدلے بہترین رویہ اختیار کرتا ہے اور اس کی عزت کے ساتھ کھلواڑ نہیں کرتا۔ فقہ اسلامی میں اس طریقہ کو" اصالة الصحة" کے نام سے جانا جاتا ہے اور اس اصل کے مطابق ایک مسلمان کے عمل کو صیح اور جائز قرار دیاجاتا ہے اور اگر اس کے غلط ہونے کاامکان بھی ہو تواس کی طرف توجہ نہیں کی جاتی اور اس کی جبتجو بھی نہیں کی جاتی اس لئے کہ ایک مسلمان کی عزت جبتو کرنے سے یامال ہو جاتی ہے۔امام علیہ السلام حسن ظن کے طریقہ کو استعال کرتے ہوئے خداوند عالم سے مطالبہ کرتے ہیں:

... وَاسْتَعْمِلُ حُسْنَ الظَنَّ فِي كَافَّتِهِمْ - ترجمه: خدا وندا! مجص توفيق عطا فرماكه ان سب (اینے تمام برادران دینی اور پڑوسی ) کے سلسلہ میں اچھا خیال رکھوں لیعنی حسن ظن ر کھول ۔ '

ع**زر کو قبول کرنے کا طریقہ**: متر بی کی معذرت کو قبول کر لینااس کی عزت نفس کو جانے نہیں دیتا اس لئے کہ اگر مر بی اس کے عذر کو قبول نہ کرے تو پھر متر بی کو اپیز سناہ کے ظاہر ہو جانے اور ذلیل ہو جانے کا ڈر نہیں رہ جاتا اور پھر ایسے موقع پر اس کی عزت نفس کو خطرہ ہوتا ہے اور اس کی شخصیت تباہی

ا ـ صحيفه سجاديه ، دعا ٢ مم ، بند ١١٨

۲\_الضاً، د عا۲۷، بند ۳

کے دہانے پر پہنچ جاتی ہے۔ عذر کو قبول کر لینا تربیت کا ایک طریقہ ہے جو متر بی کو عزت نفس عطا کرتا ہے۔ امام زین العابدینؓ نے دعائے اعتدار میں خداوند عالم کی بارگاہ میں اس بات کی معذرت جاہی ہے کہ انہوں نے غلطی کرنے والے کا عذر قبول نہیں کیا:

اَللَّهُمَّ إِنِّى اَعْتَذِرَ اِلَيْکَ ... مِنْ مُسىءِ اعْتَذَرَ اِلَىَّ فَلَمْ اَعْذِرْهُ - ترجمہ: خدا وندا! میں تیری بارگاہ میں اس بات کی معذرت چاہتا ہوں کہ اگر کسی برائی کرنے والے نے مجھ سے معذرت جاہی ہو اور میں نے اس کے عذر کو قبول نہ کیا ہو۔

امام علیہ السلام نے متعدد مواقع پر بندوں کی معذرت قبول کرنے کو خداوند عالم کا طریقہ بتایا ہے چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں:

...وَ مَا اَنَا بَالْوَمِ مَن اعْتَذَرَ الَيْكَ فَقَبِلْتَ مِنْهُ ـ ترجمہ: میں اس شخص سے زیادہ قابل ملامت نہیں ہوں جس نے تیری بارگاہ میں عذر کو پیش کیا اور تونے اس کے عذر کو قبل ملامت نہیں ہوں جس نے تیری بارگاہ میں عذر کو بیش کیا اور تونے اس کے عذر کو قبول بھی کر لیا۔ ا

ع**یب پوشی کا طریقہ**: عیب پوشی اور عذر کو قبول کر نااس وقت استعال کیا جاتا ہے جب متر بی کی غلطی میٹینی ہو اور اس کے عیب اور غلطی کو چھپانا چاہئے اور نہ صرف یہ کہ دوسروں کو بتانا نہیں چاہئے بلکہ خود اس کے سامنے بھی اس کاذکر نہیں کرنا چاہئے اور یہ دو طریقے ایک دوسرے کو مکل کرتے ہیں۔

متربی کے عیب کو چھپانا اور اس کے گنا ہوں کو پوشیدہ رکھنا اس کو بے عزتی اور بے حیائی سے بچاتا ہے اور اس کے آئی ہوں وقت تک اس کی عزت بھی باتی ہے اور اس کے سے اور اس کی آبر و اور حیا پس پر دہ باتی ہے اس وقت تک اس کی عزت بھی باتی ہے اور اس سے سے مید امید کی جا سکتی ہے کہ آئندہ وہ اس غلطی کی تکرار نہیں کرے گا اور گناہ میں نہیں پڑے گا۔ امام علیہ السلام خداوند عالم کی اس بات پر حمد و شکر ادا کرتے ہیں کہ اس نے عیبوں کو پوشیدہ رکھا ہے اور گنا ہوں پر پر دہ ڈال رکھا ہے:

اله صحیفه سجادیه ، دعا ۳۸ م، بند ا

۲\_الضاً، دعا ۱۲، بند ۱۱

یا اِلهی! فَلَکَ الْحَمْدُ فَکم مِنْ عَائِبَةٍ سَتُرْتَهَا عَلَیَّ فَلَمْ تَفْضَحْنِی وَ کَم مِنْ ذَنْبٍ غَطَّیْتَهُ عَلَیَّ فَلَمْ تَشْهُرْنی وَ کَمْ مِنْ شَائِبَةٍ الْمَمْتُ بِهَا فَلَمْ تَهْتِکْ عَنِی سِتْرِهَا وَ لَمْ تُعَلِیْن مَکْرُوهَ شَنَارِهَا وَ لَمْ تُبْدِ سَوْاتِهَا لِمَنْ یَلْتَمِسُ مَعَایِبی مِنْ جِیرَتِی وَ حَسَدَه تُقَلِّدْنی مَکْرُوه شَنَارِهَا وَ لَمْ تُبْدِ سَوْاتِهَا لِمَنْ یَلْتَمِسُ مَعَایِبی مِنْ جیرَتِی وَ حَسَدَه نِعْمَتَک عِنْدِی۔ ترجمہ: اے میرے معبود! تیراشکرہ کہ تونے میرے کتنے ہی عیبوں کی بِدہ یوشی کی اور مجھے رسوانہ کیا۔ تونے میرے کتنے ہی تابوں کو چھپایا اور میری تشہیرنہ کی۔ میں نے کتنی ہی برائیاں کیں لیکن تونے مجھے ذلیل نہیں کیا اور اس کی ذلت کا طوق میری گردن میں نہیں ڈالا اور میرے ان پڑوسیوں پرجو میرے عیبوں اور برائیوں کی تلاش میں ہیں اور تیری دی ہوئی نعتوں پر رشک و حسد کرنے والے ہیں تونے ظاہر نہیں کیا۔ ا

اسی طرح آپ بیسویں دعامیں خداوند عالم سے مطالبہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ مجھے پارساؤں کے زیور سے آراستہ کر دے کہ ان کازیور دوسروں کے عیبوں اور برائیوں کو چھیانا ہے۔

مذکورہ بیانات سے بیہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ اسلام کا تربیتی نظام مختلف عناصر سے مل کر بنا ہے جس کو ہم اسلامی متون سے حاصل کر سکتے ہیں اور ہم اسے اپنے لئے مشعل راہ قرار دے سکتے ہیں۔ صحیفہ کالمہ بھی ایک معتبر کتاب ہونے کے عنوان سے بلند ترین مضامین کی حامل ہے جو اسلامی نظام تعلیم و تربیت کے بنیادی عناصر کو استناط کرنے کے لئے ایک قابل اعتاد ماخذ ہے۔

#### منابع و مآخذ:

- 💸 ابن منظور، لسان العرب ( جلد ۱۲۷)، داراحیا ِ التراث العر کی، بیر وت، ۱۹۸۸ ِ
- پ باقری، خسرو،، نگابی دوباره به تربیت اسلامی ، سازمان پژوهش وبر نامه ریزی آموزشی، دفتر انتشارات کمک آموزشی، انتشارات مدرسه، تهران، ۷۹ ساش
  - 💠 بجنور دی، میر زاحسن،القواعد الفقهیه،مطبعه الاداب، نجف،۱۳۹۱ق
  - 💠 جوادی آملی، عبدالله، مراحل اخلاق در قرآن، نشراسراء، قم، ۲۷ ساش

ا ـ صحيفه سجاديه ، دعا ۱۲ ، بند ۲۱

راه است لام

پ حاجی ده آبادی ، محمد علی ، در آمدی بر نظام تربیتی اسلام ، دفتر تحقیقات و تدوین متون در سی مرکز جهانی علوم اسلامی، قم، ۱۳۷۷ ش

- په شکوهی، غلامی حسین، مبانی واصول آ موزش ویرورش ، انتشارات آستان قدس رضوی، شرکت به نشر، مشهد، ۱۳۷۸ ش
  - طباطبائی، محمد حسین، المیزان فی تفسیر القرآن، انتشارات جامعه مدر سین حوزه علمیه قم
    - 💠 فيض الاسلام (مترجم)، صحيفه كامله سجاديه، دار الكتب الاسلاميه، تهران، ۷۵ ساش
    - 💠 ، هوشیار ، محمد باقر ، اصول آ موزش وپر ورش ، انتشارات دانشگاه تهران ، ۱۳۲۷ش

# اخلاق، صحیفه سجادیه کی روشنی میں

مؤلف: فردین احدوند مترجم: شبیه عباس خان

عصر حاضر میں اخلاق اجتماعی کا شار علم اخلاق کے اصلی شاخوں میں ہوتا ہے جس پر مغربی اور اسلامی آثار میں بہت کم توجہ دی گئی ہے۔ شاید یہ کہا جاسکتا ہے کہ اخلاقیات کو اسلامی نقطہ نظر سے بخوبی تقسیم کرنے والی پہلی کتاب عبداللہ دراز کی "دستور الاخلاق فی القرآن "ہے جو ۱۹۵۰ میں شائع ہوئی۔ اس کتاب میں اخلاقیات کے مختلف شعبے جیسے اخلاق فردی، اخلاق اجتماعی، سیاستدانوں کا اخلاق اور دینی اخلاق کی بات کی گئی ہے۔

دور حاضر کے اسلامی اور مغربی ساج دونوں میں اخلاقیات کی ضرورت پہلے سے کہیں زیادہ محسوس ہوتی ہے۔ گذشتہ ادوار میں انسان موجودہ جدید آلات اور وسائل سے بے بہرہ تھااور اس کے تنزل اور تباہی کی صورت میں اس سے ظاہر ہونے والا اثر بھی محدود ہوا کرتا تھالیکن دور حاضر کی تازہ ترین ٹیکنالوجی کی بدولت انسانی تباہی کار قبہ لا محدود ہو چکا ہے۔ اب اخلاقی فساد کا اثر کسی ایک فرد یا شخص تک محدود نہیں رہتا بلکہ وہ گھروں کی چار دیواری سے نکل کر ساج کے مر ایک پہلو کو متاثر کرتا ہے اور اس کو ویران کر دیتا ہے۔ اس کے علاوہ مختلف شعبوں میں نئی ایجادات اور ٹیکنالوجی کی آمد سے اخلاقی امور کی ضرورت پہلے سے کہیں زیادہ ہو چکی ہے۔

"اکثر دینی مفکرین کی نگاہ میں دین اور اخلاق کے در میان بہت ہی محکم اور عمیق رابطہ ہے۔ اس طرح کہ وہ اپنی اخلاقی ضرور توں کو عام طور پر دین سے پورا کرتے ہوئے ایک اخلاقی نظام کی تشکیل میں دوبارہ اندیثی کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔ یہ لوگ ایٹے اخلاقی نظام کی تشکیل میں دوبارہ اندیثی کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔ یہ لوگ ایٹے اور برے ایٹے دینی رہنماؤں کی تعلیمات کی طرف رجوع کرکے ایٹے اور برے

کاموں میں تمیز کر لیتے ہیں۔ ان کے نزدیک ایک اخلاقی نظام کی تشکیل کا بہترین ذریعہ وحی الٰہی ہے۔ ا

انسان ایک سابق مخلوق ہے جو اپنی سعادت اور کامیابی کے لئے دوسروں کے ساتھ مل کرکام کرنے پر مجبور ہے۔ سارے انسان فطری طور پر آزاد رہنا چاہتے ہیں جب کہ یہ بات معاشرتی زندگی کے طور طریقوں کے منافی ہے۔ بعض افراد تو حیوانی زندگی کے بھی خواہاں ہوتے ہیں اور اخلاقی فضائل و ملکات نفسانی ہے بہرہ ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ انسانوں میں دوسروں سے خدمت لینے کی فطرت پائی جانے کی وجہ سے ان میں ہمیشہ اختلاف و تصادم پایا جاتا ہے لہذا معاشرے میں ایک ایسے قانون اور معیار کا ہونا ضروری ہے جس کی پیروی کرتے ہوئے لوگ اپنی اجتماعی زندگی کو منظم کرسکیں۔

بے شک ایک معاشرہ قانون کا محتاج ہے لیکن اس سے بھی زیادہ ضرورت اخلاق کی ہے کیونکہ اخلاق بنی آدم کی زندگی کو انسان کے تکامل وپیشر فت کے بنی آدم کی زندگی کو انسان کے تکامل وپیشر فت کے لئے معاشر تی زندگی اختیار کرنا ضروری ہے، دوسری طرف اجتماعی زندگی اخلاق اور قانون کی حاکمیت کے بغیر ممکن نہیں ہے لہذا اخلاقی قانون کو صرف وہی مرتب کر سکتا ہے جس نے خود انسان کو زیور وجود سے آراستہ کیا ہواور اس کی رہنمائی کے لئے قرآن مجید جیسی کتاب نازل کی ہو۔

ائمہ اطہار علیہم السلام سے نقل ہونے والی دعائیں قرآن مجید کی آیات کے مانند ہیں اس فرق کے ساتھ کہ قرآن مجید کی آیات کے مانند ہیں اس فرق کے ساتھ کہ قرآن مجید کی آیات، کلام نازل ہیں اور احادیث معصومین کلام صاعد ہیں۔ امام زین العابدین کی دعاؤں کا مجموعہ جے صحیفہ سجادیہ کہا جاتا ہے، اخلاق کے عظیم منابع و مصادر میں سے ایک ہے۔ اس مقالہ میں ہماری یہی کوشش ہوگی کہ صحیفہ سجادیہ میں موجود معاشر سے کے اخلاقی اصول کو آپ کے سامنے پیش کیا جائے۔

ا ـ شير واني، على، اخلاق اسلامي و مباني نظري آن ، ص ٦١

#### اخلاق كالمعنى

لفظ اخلاق کے معنی کے بارے میں علاء و مسلم دانشوروں کے در میان اختلاف پایا جاتا ہے۔ راغب اصفہانی کے مطابق: خُلق (پیش کے ساتھ) اور خُلق (زبر کے ساتھ) کا ایک ہی معنی ہے۔ خُلق کا استعال ظاہری صفات کے لئے ہوتا ہے جو آنکھ سے دکھائی دیں اور خُلق کا استعال ان باطنی صفات کے لئے ہوتا ہے جو نگاہ بصیرت سے قابل درک ہیں لہذا اخلاق کا مطلب ہے انسان کا اندرونی چرہ اور باطنی صورت۔ ا

غزالی اخلاق کو انسانی نفس میں ایک ایسی راتخ اور موثر حالت جانتے ہیں کہ جس کے حاصل ہونے کے بعد وہ حالت بغیر کسی فکرو تامل کے انسان کے رقار و کردار سے ظاہر ہو۔ دیگر علماء کی نظر میں اخلاق ایسے ملکات اور نفسانی صور توں سے عبارت ہے جن کے لئے تکرار کی ضرورت ہے۔ بعض لوگ اخلاق کو چند ایسے قوانین اور اصول کا مجموعہ سیجھتے ہیں جور فقار و کردار انسانی پر حاکم ہے '۔ لفظ اخلاق صرف نیک اور ایجھے افعال و کردار کے لئے استعال ہوتا ہے، جیسے ایثار کو ایک اخلاقی صفت جانا جاتا ہے جب کہ چوری کو ایک غیر افعال قور کیا جاتا ہے۔ "

فخر رازی خُلق کوایک ایساملکہ جانتے ہیں جس کی مدد سے نفس اپنے افعال کو بآسانی اور بغیر کسی توجہ کے انجام دیتا ہے۔''

عبدالرزاق لا ہیجی تحریر کرتے ہیں: خُلق ایک ایسا نفسانی ملکہ ہے جس کی بدولت ہمارا نفس اپنے افعال کو بلا کسی فکر و تامل کے انجام دیتا ہے۔ <sup>۵</sup>

غیاث اللغات میں خُلق کو عادت سے تعبیر کیا گیا ہے اور عربی لغت میں لفظ خُلق کو عادت، طبیعت، سجیت، دین اور مروت کے معنی میں ذکر کیا گیا ہے۔ '

مرحوم فیض کاشانی نے اخلاق کی اس طرح تعریف کی ہے:

ا جزایری، سید مجمد علی، دروس اخلاق اسلامی، ص ۵؛ مهدوی کنی ، محمد رضا، نقطه بای آغاز در اخلاق عملی، ص ۱۳

۱\_ برایری، شید عمد ی، درو ن احلان اسلام، ص۳۱ ۲\_ قائمی، علی، اخلاق و معاشر ت در اسلام، ص۳۱

۳\_ مصاح بزدی، محمد تقی، فلیفه اخلاق، ص۱۶

۳- رازی، فخر الدین، جامع العلوم، ص۲۰۱

۵\_لامیجی، عبدالرزاق، گوم مراد، ص ۴۸۵

۲\_حلبی ، علی اصغر ، تاریخ تمدن در اسلام ، ص ۱۷۸

" اخلاق روح انسان میں ثابت اور استوار حالت کا نام ہے جس کی مدد سے سارے کام بآسانی اور بغیر غور و فکر کے اس سے صادر ہوتے ہیں۔ اگر یہ حالت ایسی ہو کہ اس سے صادر ہونے والے افعال عقل و شرع کی نظر میں حسین و پہندیدہ ہوں تو اس کا نام اخلاق نیک ہے اور اگر اس سے صادر ہونے والے افعال عقل و شرع کی نظر میں برے اور نا پہندیدہ ہوں تو اسے اخلاق بدسے تعبیر کیا جاتا ہے"۔ ا

علامه مجلسی اخلاق کی تعریف میں فرماتے ہیں:

"اخلاق عبارت ہے اس نفسانی ملکہ سے جس سے بڑی آسانی سے فعل صادر ہوتا ہے البتہ کچھ ملکات فطری اور ذاتی ہوتے ہیں اور دوسرے ملکات محنت اور کوشش کے ذریعہ حاصل ہوتے ہیں۔مثال کے طور پر بخیل شروع میں بڑی مشکل سے کوئی چیز کسی کو دیتا ہے لیکن بار بار سخاوت کرنے سے بخل کی صفت اس کے نفس سے زائل ہو جاتی ہے اور وہ تخی بن جاتا ہے۔"

نفسانی ملکات و صفات اور روحی خصوصیات کے مجموعے کو اخلاق کہتے ہیں۔ اس تعریف کے اعتبار سے اخلاق، تربیت کے نتائج میں سے ایک ہے بلکہ اس کا اہم ترین نتیجہ ہے۔ اخلاق لغوی اعتبار سے انسان کہ ان تمام فضائل ور ذائل کے مجموعہ کو کہا جاتا ہے جو ایک نفسانی ملکہ کی صورت اختیار کرچکا ہے۔ "

اس مقالہ میں اخلاق سے یہی مراد ہے۔ انسانی نفس کے اچھے یا برے صفات اور اس کے تناسب سے ظاہر ہونے والے اختیاری اعمال ۔ مکتب اسلام کے نقطہ نظر سے اخلاق کو عملی مرحلے تک پہچانے کے لئے ایمان اور مذہب کی پشت پناہی ضروری ہے ورنہ اس کے بغیر اخلاق حقیقت میں اخلاق نہ رہ حائے گا۔

مرحوم احمد نراقی اپنی کتاب سیف الامه و بر ہان المله میں ہنری مارٹین کے نظریات کور د کرتے ہوئے اس جانب بھی اشارہ کرتے ہیں کہ انسان طبیعتاً اجتماعی ہوتا ہے اور ان میں اختلاف بھی یا یا جاتا ہے لہذا ان

ا۔ فلسفہ اخلاق، ص ۱۴

۲\_ مجلسی، محمد باقر، بحارالانوار (جلد ۲۷)، ص ۳۷۲ ث

۳ باشی، سید حسن، اخلاق در نیج البلاغه، ص ۲۹

کے در میان خدا کی حاکمیت کے ذریعہ ایک ضابطے اور قانون کی موجود گی اور ایسے فرد کی موجود گی جو اللہ کی طرف سے احکام کو ان کے لئے بیان کرے، ضروری ہے۔ ا

#### اجتماعي اخلاق

بروس کوئن معاشر ہے کی اس طرح تعریف کرتا ہے: معاشرہ عبارت ہے لوگوں کی ایک جماعت سے جو ایک خاص علاقے میں زندگی گزار رہے ہوں اور ان کے زندگی گزار نے کے طور طریقے مشترک ہوں اور اپنی اس اشتر اکی زندگی سے آگاہ رہتے ہوئے ایک مشترک ہدف کی طرف گامزن ہوں۔ معاشر ہے کچھ خمونے اس طرح سے ہیں: محلّہ، گاؤں، دیہات، شہر، ضلع وغیرہ۔

#### مسلمان اوراجتماعی اخلاق

اخلاق سے مراد تمام مستحبات و مکروہات ہیں، خواہ ان کا شار نفسانی صفات میں ہوتا ہو یا افعال و کردار میں۔ اگریہ اخلاقی صفات کسی گروہ یا جماعت کی پہچان بن جائیں تواسے اخلاق اجتماعی کہا جاتا ہے۔ اخلاق اجتماعی سے مراد وہ صفات و ملکات ہیں جو انسان اور معاشر ے کے باہمی را بطے میں لحاظ ہوتے ہیں۔ اس طرح کہ اگر ساج اور معاشرہ کا تصور نہ ہو تو ان صفات کا بھی کوئی مفہوم باتی نہیں رہ جائے گا۔ مثال کے طور پر پہندیدہ اجتماعی صفات جیسے سخاوت، وفاداری، تواضع وانکسار وغیرہ اور نا پہندیدہ اجتماعی صفات جیسے مساح یز دی تحریر فرماتے اجتماعی صفات جیسے حسد، بخل، تکبر، ظلم وغیرہ "۔ اس سلسلے میں آیت اللہ مصباح یز دی تحریر فرماتے ہیں:

"اجتماعی اخلاق ان امور کو کہا جاتا ہے جنہیں انسان دوسروں کے لئے انجام دیتا ہے اور ایک ایسارابطہ ہے جو دوسروں سے بر قرار کیا جاتا ہے۔ " "

> ا کیجا، نجمه ، مناسبات اخلاق وسیاست در اندیشه اسلامی، ص ۱۴۳۳ ۲ - حق شناس، حمید رضا، رویکر د صحیفه سجادییه به اخلاق اجتماعی ۳ - دروس اخلاق اسلامی، ص ۲۳

> > ۴\_مصباح بزدی، محمد تقی، اخلاق در قرآن، ص ۱۹

### مغرب اور اجتماعی اخلاق

بعض مغربی دانشوروں کا بیہ ماننا ہے کہ معاشرے کی تہذیب و تدن، آ داب ورسوم اور عقائد کے مختلف ہونے کے باعث، اخلاق اجتماعی کی ایک جامع اور مطلق تعریف پیش کرنا بہت مشکل ہے۔ ان کے مطابق لو گوں کے باہمی تجربے سے اجتماعی اخلاق وجود میں آ تا ہے۔ علمائے اخلاق نے اس کی دو قسمیں بیان کی ہیں۔ اخلاق نظری اور اخلاق عملی۔ اگر چہ گذشتہ زمانے میں اخلاق عملی کی بڑی اہمیت تھی لیکن ایک عرصے تک یہ موضوع بے توجہی کا شکار رہا اور آج کے دور میں دوبارہ اس کی طرف توجہ کی جارہی ہے۔ ا

اخلاق عملی کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے جس میں ایک کو اخلاق اجتماعی اور دوسرے کو اخلاق فردی کا نام دیا گیا ہے۔ علمائے اسلام کی اخلاقی کتابیں جیسے اخلاق ناصری، طہارۃ الاعراق، احیاء العلوم اور محجة البیضاء وغیرہ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ ان کتابوں کے مؤلفین کی توجہ اخلاق کے عملی پہلوپر زیادہ تھی۔ لبطور خاص اسلامی عرفان میں یہ چیز پوری طرح سے واضح ہے۔ارسطوکا ماننا ہے کہ اخلاق کے مطالعہ کا اگر قاری کی سبک زندگی پر کوئی اثر نہ ہو تو اس مطالعہ کا کوئی فائدہ نہیں ہے ۔ قرآن وسنت کی روشنی میں اخلاقی مسائل کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

ا۔ فردی مسائل یعنی وہ اصول و ضوابط جن کے ذریعہ شخص اپنے آپ کو اضلاقی رذائل سے پاک کرتے ہوئے فضائل کے جوم سے آراستہ کرسکے۔

۲۔ اجتماعی مسائل جن میں دوسروں کے حقوق کی رعایت کاذ کر ہوتا ہے۔ جیسے والدین کے ساتھ نیکی کرنا، دوسروں کی رہنمائی کرناوغیر ہ۔"

مسلم دانشوروں کی اخلاقی کتب کے مطالعہ سے ایسالگتاہے کہ اخلاق فردی ، اخلاق اجماعی پر مقدم ہے۔ محقق سبز واری کا بھی یہی ماننا تھا اور اسی لئے وہ اس بات پر تاکید کرتے تھے کہ حکمر انوں کا اخلاق عوام کے عادات واطوار پر اثر انداز ہوتا ہے۔ علمائے اسلام کے در میان بیر مسئلہ (اخلاق فردی کا اخلاق اجماعی پر مقدم

> ا ـ ویلیامز، برنارد، فلیفه اخلاق، ص ۱۵ پر

۲ کریب، راجر، اخلاق و فرااخلاق، ص ۳۹۸

س-اخلاق و معاشرت دراسلام

ہونا) کل بھی واضح تھااور آج بھی روش ہے کہ ساج اور معاشرے کی اصلاح فرد کے اخلاقیات کی تغییر میں ہے۔ اس کی نمایاں مثال علم اخلاق کی معروف کتاب معراج السعادة ہے جس میں معاشرے کی اصلاح کے لئے افراد کے تنز کیہ نفس کو بیان کیا گیا ہے ا۔

شایدیمی صحیح ہے کیونکہ اگر افراد کا تنز کیہ ہو جائے تو معاشرہ خود بخود تغییر ہو جائے گالیکن اس نکتے کی طرف بھی توجہ ضروری ہے کہ اگر ماحول اور معاشرہ اضلاق کے دائرہ میں ہو تو ممکن نہیں ہے کہ افراد اس سے متاثر نہ ہوں۔اسلام میں اخلاق اجتماعی کے اصول و قواعد کی بنیاد روش استقرائی یا مطالعہ اور مشاہدہ نہیں ہے بلکہ اسلامی تعلیمات یعنی کتاب وسنت پر مبنی ہے۔

#### صحيفه سجاديه ميس اخلاق اجتماعي

امام سجادیہ ہم تک پہنچنے والے مکتوبات میں سے ایک صحیفہ سجادیہ ہے جو دعاؤں کے سلسلہ میں عالم اسلام کی پہلی کتاب ہے۔ صحیفہ سجادیہ "زبور آل محمد"، "انجیل اہل بیت" اور "اخت القرآن" جیسے القاب سے مشہور ہے۔ مسلمانوں اور خاص طور سے اہل تشیع کے در میان صحیفہ سجادیہ کی اس قدر ارجمندی اور پہندی کی وجہ سے اس کی بے شار شروح تحریر کی گئی ہیں اور مختلف زبانوں میں اس کا ترجمہ بھی کیا جاچکا ہے۔ صحیفہ سجادیہ میں موجود سب سے اہم اخلاقی اصول مندرجہ ذیل ہیں:

گر اور خانوادہ کے سلسلہ میں ذمہ واری: امام سجادٌ صحیفہ سجادیہ کی ستر ہویں دعا کے دسویں فقر ے میں فرماتے ہیں:

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَ آلِهَ وَ اجْعَلْ آبَائَنَا وَ أُمَّهَاتِنَا وَ أَوْلاَدَنَا وَ اَهَالِينَا وَ ذُوى اَرْحَامِنَا وَ قَرَابَاتِنَا وَ جِيرَانَنَا مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَ اللهُ وَعَلَيْهِ اللهِ اللهِ اللهِ اللهِ اللهُ وَمَا اللهُ وَمَا اللهُ وَمَا اللهُ وَمُعَلِي اللهُ وَعَلَيْهِ اللهُ وَمِينَ اللهُ وَاللهُ وَمِينَ اللهُ وَاللهِ اللهِ اللهُ وَمِينَ اللهُ وَمُعَلِينَ مَر دُو عُورَتُ بَمِينَ لَا اللهُ اللهُ وَلَا اللهُ وَلِي اللهُ وَاللهُ وَلِي اللهُ اللهُ اللهُ وَاللهُ وَاللهُ وَاللهُ وَلَا اللهُ وَاللهُ وَاللهُ اللهُ وَاللهُ وَلَا اللهُ وَاللهُ وَاللّهُ وَاللّهُ وَاللّهُ وَاللّهُ وَاللّهُ وَاللّهُ وَاللّهُ وَلَا اللّهُ وَاللّهُ وَلَا اللّهُ وَاللّهُ وَلَا لَا اللّهُ وَاللّهُ وَاللّهُ وَاللّهُ وَاللّهُ وَلَا لَا اللّهُ وَاللّهُ وَاللّهُ وَاللّهُ وَلَا اللّهُ وَاللّهُ وَلّهُ وَاللّهُ وَلّهُ وَاللّهُ وَاللّهُ وَاللّهُ وَاللّهُ وَاللّهُ وَاللّهُ وَاللّهُ وَاللّهُ وَلَا اللّهُ وَاللّهُ وَاللّهُ وَاللّهُ وَلّهُ وَاللّهُ وَلّهُ وَاللّهُ وَاللّهُ وَلّمُ وَاللّهُ وَاللّهُ وَاللّهُ وَلّمُ وَاللّهُ وَاللّهُ وَاللّهُ وَاللّهُ وَاللّهُ وَاللّهُ وَاللّهُ

ا ـ مناسبات اخلاق وسیاست در اندیشه اسلامی، ص ۴ مها

مشحکم حفاظت میں رکھنا اور محفوظ قلعہ اور روک تھام کرنے والی پناہ گاہ میں رکھنا اور سب کو اس کی طرف بچانے والی زرہ دینا اور اس کے مقابلہ کے لئے تیز اسلحہ عطافر مانا۔

دوسرے مقام پر امام سجاڈ ان لوگوں کے حق میں دعافرماتے ہیں جو مجاہدین کے اہل وعیال اور ان کے گھر والوں کی ذمہ داری قبول کرتے ہیں۔ آپ ان کے لئے خداوند عالم سے مجاہدین کے برابر اجر و ثواب کی درخواست کرتے ہیں اور ستائیسویں دعاکے ۱۲ فقرے میں ارشاد فرماتے ہیں:

اللَّهُمَّ وَ اَيُّمَا مُسْلِمٍ خَلَفَ غَازِياً او مُرَابِطاً فِي دَارِهِ او تَعَهِّدَ خَالِفيهِ فِي غَيْبَةِ او اعَانَةُ بِطَائِفَةٍ مِنْ مَالِه اَوْ اَمَدَّهُ بِعِتَادٍ اَوْ شَحَذَهُ عَلَى جِهَادٍ اَوْ اتْبَعَهُ فِي وَجْهِهِ دَعُوةً اَوْ رَعى اعَانَةُ بِطَائِفَةٍ مِنْ مَالِه اَوْ اَمَدَّهُ بِعِتَادٍ اَوْ شَحَذَهُ عَلَى جِهَادٍ اَوْ اتْبَعَهُ فِي وَجْهِهِ دَعُوةً اَوْ رَعى لَهُ مِنْ لَهُ مِنْ لَهُ مِنْ لَا اَجْرِهِ وَزْنَا بِوَرْنٍ وَ مِنْلاً بِمِنْ لِ وَعَقِضْهَ مِن فِعْلَهَ عِوضاً لَهُ مِنْ وَرَائِهَ حُوْمَةً فَاجِرْ لَهُ مِنْلُ اَجْرِهِ وَزْنَا بِوَرْنٍ وَ مِنْلاً بِمِنْلِ وَ عَقِضْهَ مِن فِعْلَهَ عِوضاً حَاضِراً حرَجمہ: خدایا! اور جو مرد مسلمان کسی غازی یا سرحد کے سپاہی کے گو کی ذمہ داری لے اور اس کے اہل خانہ کی گہداشت کرے یا اپنے مال سے اس کی مدد کرے یا آلات جہاد کا جوش دلائے یا اس کے حق میں اپنی دعاؤں کو ساتھ کردے یا اس کے حق میں اپنی دعاؤں کو ساتھ کردے یا پس غیبت اس کی حرمت کا تحفظ کرے تو اسے بھی اسی جیسا اجر عنایت فرما تا کہ دونوں کا وزن ایک جیسا ہو اور دونوں کا انداز ایک طرح کا ہو اور اسے اس کے عمل کا فوری معاوضہ عطافر ما۔

اسی طرح دوسرے مقام پرامام سجاً خداہے دعافرماتے ہیں کہ مجاہدین اسلام کے ذہن ہے ان کے گھر والوں اور اہل خانہ کی یاد کو دور فرمادے کیونکہ ممکن ہے اپنے اہل وعیال کے تئیں اپنی ذمہ داریوں کو یاد کر کے ان کی تلواریں کند ہو جائیں۔ آپ ستائیسویں دعاکے تیر ہویں فقرے میں ارشاد فرماتے ہیں :

اللَّهُم وَ اَيُّمَا غَازٍ غَزَاهُم مِنْ اَهْلِ مِلَّتِکَ اَوْ مُجَاهِدٍ جَاهَدَهُم مِن اَتْبَاعِ سُنَّتِکَ لِيَكُونَ دِينُکَ الاَّعْلَى وَ حِزْبُکَ الاَقْوَى وَ حَظُّکَ الاَوْفَى فَلَقِّهِ الْيُسْرَ وَ هَيِّىءٌ لَهُ الاَمْرَ وَ لَيَكُونَ دِينُکَ الاَعْلَى وَ حِزْبُکَ الاَقْوَى وَ حَظُّکَ الاَوْفَى فَلَقِّهِ الْيُسْرَ وَ هَيِّىءٌ لَهُ الاَمْرَ وَ تَخَيَّرُ لَهُ الاَصْحَابَ وَ اسْتَقْوِ لَهُ الظَّهْرَ وَ اسْبِغْ عَلَيْهَ فِى النَّفَقَةِ وَ مَتِّعُهُ بِالنَّمْحِ وَ تَخَيَّرُ لَهُ الاَصْحَابَ وَ اسْتَقْوِ لَهُ الظَّهْرَ وَ اسْبِغْ عَلَيْهَ فِى النَّفَقَةِ وَ مَتِّعُهُ بِالنَّمْوِلِ وَ اللَّهُ فِي النَّفَقَةِ وَ مَتِّعُهُ بِالنَّشَاطِ وَ اطْفِ عَنْهُ حَرَارَةَ الشَّوقِ وَ اَجِرْهُ مِنْ غَمِّ الوَحْشَةِ وَ اَنْسِهِ ذِكْرَ الاهلِ وَ النَّقَلَادِ تَرْجَمَه: يَرُورِدگارا! تيرے اہل مذہب میں سے جو مجامِ بھی ان ظالموں سے جہاد

کرے یا تیری سنت کی پیروی کرنے والوں میں سے جو غازی بھی ان سے مقابلہ کرے تاکہ تیرادین سربلند ہواور تیرا گروہ غالب رہے اور تیراحصہ ممکل طور سے مل جائے تواس کے مرحلہ جہاد کو آسان بنادے اور اس کے امور کو مہیا کردینا، اس کی کامیابی کی ذمہ داری لے لینا، اس کے لئے بہترین سواری کا انتظام کردینا، اس کے لئے بہترین سواری کا انتظام کردینا، اس کو ممکل خرچ عطافرمانا، اسے نشاط جنگ سے سرفراز فرمانا، اس کے لئے شوق وطن کی حرارت کو سرد کردینا اور غم وحشت سے نجات دے دینا اور اہل وعیال واولاد کی یاد کو اس کے دل سے نکال دینا۔

# غصه **کوبی جانا:** امام سجادًآ تھویں دعاکے پہلے فقرے میں فرماتے ہیں:

اللَّهُمَ إِنِّى اَعُوذُبِکَ مِنْ هَيَجَانِ الْحِرْصِ وَ سَوْرَةِ الغَضَبِ وَ غَلَبَةِ الْحَسَدِ وَ ضَعْفِ الصُبرِ وَ قِلَّةِ القِنَاعَةِ وَ شَكَاسَةِ الخُلْقِ وَ الْحَاحِ الْشَّهْوَةِ وَ مَلَكَةِ الْحَمِيَّةِ ـ ترجمه: خدايا! الصُبرِ وَ قِلَّةِ القِنَاعَةِ وَ شَكَاسَةِ الخُلْقِ وَ الْحَاحِ الْشَّهْوَةِ وَ مَلَكَةِ الْحَمِيَّةِ ـ ترجمه: خدايا! ميں تيرى پناه چاہتا ہوں لا لي كے بيجان، غضب كى شدت، حسد كے غلبہ، صبر كى كمزورى، قناعت كى قلت، اخلاق كى ابترى، خواہشات كے دباؤاور تعصب كى حاكميت سے۔

# امام سجارً بیسویں دعامے دسویں فقرے میں فرماتے ہیں:

... وَ حَلِّنى بِحِلْيَةِ الصَّالِحِينَ وَ ٱلْبِسْنِى زِينَةَ الْمُتَّقِينَ فِى بَسْطِ الْعَدْلِ وَ كَظْمِ الْعَدْلِ وَ كَظْمِ الْعَدْلِ وَ كَظْمِ الْعَدْفِ وَ اِطْفَاءِ النَّائِرَةِ... ترجمه:... اور مجھے صالحین کا انداز عطا فرما، متقین کی زینت کا لباس مرحمت فرماتا که میں عدل کو منتشر کروں اور غصه کو ضبط کروں اور آتش جنگ کو کجھادوں...۔

#### صداقت: امام سجادً ۵۴ وعالے چوتھ فقرے میں فرماتے ہیں:

...وَاقْبِضْ عَلَى الصِّدْقِ نَفْسِى وَاقْطَعْ مِنَ الدُّنْيَا حَاجَتِى وَ اجْعَلْ فِيمَا عِنْدَکَ رَغْبَتِى شَوْقاً إِلَى لِقَائِکَ وَ هَبْ لِى صِدْقَ التَّوَكُّلِ عَلَيْکَ ترجمہ:... میری روح کو صداقت پر قبض فرمانااور دنیا سے میری حاجت کے سلسلہ کو توڑو ینااور اپنے ثواب کی رغبت پیدا کرناتا کہ میں تیری ملاقات کا مشاق بن جاؤں اور مجھے اپنے اوپر بہترین توکل عطافر ما۔

انسانیت کے لئے احرام قائل ہونا: امام سجاد بیسویں دعائے تیسرے فقرے میں فرماتے ہیں: ... وَ اَجْرِ لِلنَّاسَ عَلَى يَدِى الْخَيْرَ وَ لَا تَمْحَقُهُ بِالْمَنَّ ... ترجمہ:... لوگوں کے لئے ہمارے ہاتھوں پر خیر جاری کردے لیکن اسے احسان جتانے کے ذریعہ بربادنہ ہونے دینا۔

صالح غفارى اپنى كتاب مدينه فاضله ميں اس دعاكے بارے ميں لکتے ہيں:

" خداوند متعال نے اس محبت کی پیدائش کے لئے کہ جس میں عالم بشریت کی سعادت و آرامش مضمر ہے، انسانوں کو ایک دوسرے سے محبت سے پیش آنے اور ایک دوسرے پر احسان کرنے کا حکم دیا ہے تاکہ اس سے محبت پیدا ہواور اس سے مدینہ فاضلہ نام کی تہذیب و تدن کی تشکیل ہوسکے۔ مخدوم پر احسان جتانا وہ واحد عمل ہے جس سے خدمت کی وجہ سے خادم اور مخدوم کے بچے وجود میں آنے والی محبت عداوت میں بدل جاتی ہے۔ اگر ہم نے کسی انسان کی خدمت کی ہے تو ہم کو اسے اس بات کا یقین بھی دلانا ہوگا کہ ہماری خدمت در حقیقت اس کی انسانیت کی خدمت ہے "۔ ا

امام سجادً چواليسوي دعامج دسوي فقرے ميں ارشاد فرماتے ہيں:

وَ وَفِقْنَا فِيهِ لِأَن تَصِلَ أَرْحَامَنا بِالْبِرِّ وَ الصِّلَةِ وَ أَنْ نَتَعَاهَدَ جِيرَانَنَا بِالإفْضَالِ وَ الْعَطِيَّةِ- ترجمہ: اور جمیں توفیق دے کہ ہم اس ماہ رمضان میں اپنے قرابتداروں کے ساتھ نیکی اور صلہ رحمی کابرتاؤ کریں اور اپنے ہمسایوں کے ساتھ انعام و بخشش کابرتاؤ کریں۔

اس فقرہ میں امام سجاڈ خداسے دعا فرماتے ہیں کہ ان کو انسانیت کی بناپر انسانوں کی خدمت کرنے کی توفیق عطامو۔

انسان میں پائی جانے والی مثبت خصوصیات میں سے ایک یہ ہے کہ اس میں دیگر انسانوں سے دوستی کرنے کی خواہش ہے جو کہ اس کی فطرت میں ہے جس کی طرف صحیفہ سجادیہ میں مختلف مقامات پر اشارہ کیا گیا ہے۔

ا ـ صالح، غفاری، محمر علی، مدینه فاضله، ص ۱۸۸

\_

تواضع اور اکساری: امام سجار چجبیسویں دعامے دوسرے فقرے میں ارشاد فرماتے ہیں:

وَ وَفِقْهُمْ لِإِفَامَةِ سُنَتِكَ وَ الأَخْذِ بِمَحَاسِنِ اَدَبِكَ فِي اِرْفَاقِ ضَعِيفِهِمْ وَ سَدَّ خَلَتِهِمْ وَ عَيَادَةِ مَريضِهِمْ وَ هِدَايَةِ مُسْتَوْشِدِهِمْ وَ مُنَاصَحَةِ مُسْتَشِيرِهِمْ وَ تَعَهُّدِ قَادِمِهِمْ وَ عَيَادَةِ مَريضِهِمْ وَ هِدَايَةِ مُسْتَوْشِدِهِمْ وَ مُنَاصَحَةِ مُسْتَشِيرِهِمْ وَ تَعَهُّدِ قَادِمِهِمْ وَ عَدَرَاتِهِمْ ... ترجمہ: اور انہیں توفیق دے کہ تیری سنت کو قائم کرنے، کمزوروں کے ساتھ نرمی برتے، ان کی حاجت روائی کرنے، مشورت لینے والوں کو صحیح مشورہ دینے، وارد ہونے والے سے ملاقات کرنے، اسرار کو پوشیدہ رکھنے، عیوب کو چھیانے ... میں بہترین ادب کا مظاہرہ کریں۔

بعض او قات امامؓ نے غربا اور مساکین کے ساتھ ہمنشینی اور دوستی کی شکل میں خداسے فروتی اور اکساری کی درخواست فرمائی ہے۔اس کے علاوہ بھی پورے صحیفہ سجادیہ میں مختلف مقامات پر امام سجادؓ نے کمبر سے دوری اور اکساری افتیار کا ختیار کمبر سے دوری اور اکساری اختیار کا ختیار کرنے کو نہ صرف دوسروں کے طئے ایک نیک عمل کی طرح دیکھتے ہیں بلکہ آپ اس کو ایک اندرونی حالت تصور کرتے ہیں ار فتار و کر دار میں نرمی کا نمایاں ہونا، فروتی اور اکساری کے آثار میں سے ہے۔امام سجادٌ خداسے دعا مانگتے ہیں کہ وہ اپنے والدین سے نرمی کے ساتھ پیش آئیں اور تواضع کے ساتھ ان سے بات خداسے دعا مانگتے ہیں کہ وہ اپنے والدین سے نرمی کے ساتھ پیش آئیں اور تواضع کے ساتھ ان سے بات

اَللَّهُمَ خَفِّضْ لَهُمَا صَوتِی وَ اَطِبْ لَهُمَا كَلَامِی وَ اَلِنْ لَهُمَا عَرِیكَتِی وَ اَعْطِفْ عَلَیْهُمَا وَلَیْ لَهُمَا عَریكَتِی وَ اَعْطِفْ عَلَیْهُمَا وَلَا لَهُمَا عَریكَتِی وَ اَعْطِفْ عَلَیْهُمَا وَلَا لَا عَلَیهِ مَا رَفِیقاً وَ عَلیهِمَا شَفِیقاً۔ ترجمہ: خدایا ان کے سامنے میری آواز کو دباو یہ میرے مراج کو نرم کردے، میرے دل کو مهربان بنادے۔ میرے کلام کو خوشگوار بنادے حال پر شفق بنادے۔ ا

ار صحیفه سجادید، دعا ۲۰، بند ۳؛ دعا ۱۷، بند ۱۳؛ دعا ۱۳؛ دعا ۱۲، بند ۱۳؛ دعا ۱۲، بند ۷؛ دعا ۷۲، فقره ۲۷؛ دعا ۷۲، بند ۲۲؛ دعا ۲۷، بند ۲۷؛ دعا ۲۷، بند ۲۷؛ دعا ۲۷، بند ۲۷؛ دعا ۳۳، بند ۱۷؛ دعا ۲۳، بند ۲۷؛ دعا ۳۳، بند ۲۱؛ دعا ۳۳، بند ۲۰ بند ۲۰

۲\_ صحیفه سحادیه، دعا۲۲، بند ۲

خوش اخلاقی: بیبویں دعامے ساتویں فقرے میں امام سجاد رشتہ داروں کے برے برتاؤ کو بدلنے کے سلسلے میں فرماتے ہیں:

... وَ مِن عَدَاوَةِ الأَدْنَيْنِ الْوَلَايَةَ وَ مِن عُقُوقِ ذَوِى الأَرْحَامِ الْمُبَرَّةَ وَ مِنْ خُدُلاَنِ اللَّوْبِينَ النَّصْرَةَ... ترجمہ:..اور قریب لوگوں کی دشمنی کے بدلے محبت عطا فرما ، الاَقْرُبِينَ النَّصْرَةَ... ترجمہ:..اور قریب لوگوں کی دشمنی کے اور عزیزوں کی کنارہ کشی کو امداد میں تبدیل کردے۔

سخاوت و بخشش: امام سجارٌ تيسوين دعاكے چوتھے فقرے ميں فرماتے ہيں:

اَللَّهُمَّ حَبِّبُ اِلَى صُحْبَةَ الْفُقَرَاءِ وَ اَعِنِّى عَلَى صُحْبَتِهِم بِحُسْنِ الْصَّبْرِ۔ ترجمہ:خدایا میرے لئے فقیروں کی صحبت کو محبوب بنادے اور اس ہمنشینی پر حسن صبر سے میری المداد فرما۔

اس دعاسے یہ نتیجہ یہ حاصل کیا جاسکتا ہے کہ فقرااور مساکین کی مادی ضروریات کو پورا کرنے کے ساتھ ساتھ ان سے دوستی کرکے اور ان کی ہمنشینی کے ذریعہ ان کی معنوی اور جذباتی ضروریات کو بھی پورا کرنا چاہیے۔ سخاوت صرف مال کی بخشش کا نام نہیں ہے بلکہ دوستی کرکے عشق و محبت کی بخشش بھی سخاوت کے جلوؤں میں سے ہے۔

امامٌ تیسویں دعامے تیسرے فقرے میں فرماتے ہیں:

...وَ وَجِّه فِي ٱبْوابِ الْبِرِّ اِنْفَاقِي- ترجمہ:اور نیک راستوں کی طرف میرے

اخراجات کو موڑ دے۔

اس فقرے سے یہ استنباط کیا جاسکتا ہے کہ سخاوت مناسب وقت اور جگہ کے لئے مخصوص ہے۔ یوں کہا جائے کہ اظہار سخاوت کا ایک صحیح اور مناسب وقت ہوتا ہے اور انسان کو اس بات کا بخو بی اندازہ ہونا چاہئے کہ کس وقت سخاوت کا مظاہرہ کرنا ہے اور اس کے لئے کس چیز کو مقدم قرار دینا ہے۔ لہذا اس کے لئے علم اور آگاہی کی ضرورت ہے جس کے لئے امامؓ بارگاہ خداوندی میں دعا کر رہے ہیں کہ ان کو یہ علم عطا ہو جائے۔

آپ بیسویں دعامے تیسرے فقرے میں فرماتے ہیں:

وَ اَجْرِ لِلنَّاسَ عَلَى يَدِىَ الْحَيْرَ وَ لَا تَمْحَقْهُ بِالْمَنَّ - ترجمه:... لو گول كے لئے ہمارے ماتھوں پر خیر جارى كردے ليكن اسے احسان جمانے كے ذريعه بربادنه ہونے دينا۔

اس فقرے سے نتیج کے طور پر دو نکات حاصل ہوتے ہیں: پہلا یہ کہ جب تک شخص خود مالدار نہیں ہوگا تب تک وہ دوسروں کی مدد نہیں کر سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام ، خداسے اس قابل بننے کی دعا کر رہے ہیں جیسا کہ اخلاقی کتابوں میں ملتا ہے کہ اگر انسان مالدار نہیں ہے تواس کو چاہیے کہ قناعت اختیار کرے اور اگر مالدار ہے توانفاق سے کام لے۔

دوسرایہ کمہ احسان اور بخشن کے عمل کے بعد کسی بھی طرح کااحسان کا جنانا نہیں ہونا چاہئے کیونکہ اس کے باعث پھر اس احسان کی کوئی اہمیت نہیں رہ جائے گی للذایہ سمجھا جاسکتا ہے کہ بخشش اور احسان فقط اور فقط خدا کی رضا کے لئے ہونا چاہیے نہ کہ کسی اور چیز کے لئے۔

امامً آٹھویں دعاکے تیسرے فقرے میں فرماتے ہیں:

اَللَّهُمَ اِنّى اَعَوذُ بِكَ...وَ الإِزْرَاء بِالْمُقِلِّينَ...ترجمہ: خدایا میں تیری پناه مانگتاہوں...غریوں کے ذلیل کرنے سے...

اس فقرے سے بھی دونتائج حاصل ہوتے ہیں: پہلا میہ کہ احسان، بخشش اور نیکی کرنے والے شخص کی نگاہ میں مرگزاس انسان کی انسانی اہمیت اور حیثیت کم نہیں ہونی چاہیے اور احسان کرنے والامرگزان کو ذلیل اور خوار نصور نہ کرے۔

دوسرا نکتہ یہ کہ مدد حاصل کرنے والاانسان، مددگار انسان کاشکریہ ادا کرے اور اس کی قدر دانی کرے اور یقنیاً خدا کی ذات ہی سب سے پہلے لا کق شکر و ثنا ہوگی۔ چو بیسویں دعاکے نویں اور دسویں فقرے میں امامً فرماتے ہیں:

اَللَّهُمَّ وَ مَا تَعَدِياً عَلَىَّ فِيهَ مِن قَولٍ اَو اَسْرَفاً عَلَىَّ فِيهِ مِنْ فِعْلٍ اَو ضَيَّعَاهُ لِى مِن حَقِّ اَو فَصَّراً بِي عَنْهُ مِن وَاجِبٍ فَقَد وَهَبْتُهَ لَهُمَا .... فَهُمَا اَوْ جَبُ حَقًا عَلَىَّ وَ اَقْدَمُ إِحْسَاناً اَوْ خَبُ حَقًا عَلَىَّ وَ اَقْدَمُ إِحْسَاناً اللَّهَ ... - ترجمه: پالنے والے! اور اگر انہوں نے کسی قول میں مجھ سے زیادتی کی ہے یا کسی عمل میں حدسے تجاوز کیا ہے یا میرے کسی حق کو بر باد کیا ہے یا میرے بارے میں کسی میں میں حدسے تا میرے بارے میں کسی

واجب میں کوتاہی کی ہے تو میں اسے معاف کردیتا ہوں ... کہ ان دونوں کاحق میرے اوپر زیادہ واجب ہے اور ان کے احسانات میری خدمات کے پہلے سے ہیں۔

امام کی اس دعاہے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر ہماری گردن پر کسی کا کوئی حق ہے تو ہمار افریضہ ہے کہ ہم اس کی قدر کریں اور قدر شناسی کا ثبوت پیش کریں کیونکہ اولاد پر ظلم و تعدی کرنے والے والدین کی بخشش کی وجہ وہی حق ہے جوان کے بچوں کے مقابل میں ان پر پہلے سے ہے۔

امام سجاد صحیفہ سجادیہ میں مکارم اضلاق کی دعا کرتے ہوئے خداوند متعال سے دستمنوں کی اصلاح اور ہدایت کی درخواست کرتے ہیں۔ عملی طور پر امامً عفواور در گزر کرنے کا درس دے رہے ہیں یعنی دشمنی اور عداوت کا جواب نہ صرف یہ کہ نہیں دیناچاہئے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر بارگاہ خداوندی میں اس دشمن کے لئے طلب اصلاح و مغفرت کرنی چاہئے۔

بیسویں دعامے آٹھویں فقرے میں امامؑ خداسے دعا کرتے ہیں کہ جو بھی ان کوخو فنر دہ کرتا ہے، اللہ تعالی اسے سلامتی عطا کرے نہ رہے کہ اس کو بھی خو فنر دہ کر دے اور یہی بزر گواری اور بخشش کی معراج ہے۔ امام ۴۵ ویں دعامے دوسرے فقرے میں فرماتے ہیں :

وَ يَا مَنْ لَا يَنْدَهُ عَلَى الْعَطَادِ ترجمه: ال وه يرور دگار جواني عطاؤل يرنادم نهيل موتاد

اس فقرے سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ بخشش کرنے والے کوہر گز بخشش کے بعد پشیمان نہیں ہونا چاہیے کیونکہ اسلامی تہذیب میں انسان زمین پر خدا کا خلیفہ ہے اور لاز می ہے کہ اس کے اندر اگر چہ کمتر درجے کے پھر بھی خدائی صفات موجود ہوں۔

صحیفہ سجادیہ کے ایک دوسرے فقرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بخشش کرنے والے انسان کو اپنے فضل و بخشش میں تسلسل لانا چاہئے ایسانہ ہو کہ بس ایک بار کے بعد دوبارہ وہ بخشش اس سے نہ ہو۔

چھبیسویں دعامے دوسرے فقرے سے معلوم ہوتا ہے کہ ضرور تمندوں اور مستحق افراد کے حق میں فضل و بخشش، درخواست سے پہلے ہی ہو جانا چاہئے، اس طرح سے کہ ان کی انسانی کرامت اور شان پر کوئی حرف نہ آئے۔

نرمی اور ملائمت سے پیش آنا: امام سجاڈ چھبیسویں دعاکے دوسرے فقرے میں پڑوسیوں سے ملنے جلنے کے طریقے اور آ داب کے بارے میں بتاتے ہیں۔ آپ پڑوسیوں سے رواداری اور برتاؤ کے طریقے کو واضح طور پر بیان فرماتے ہیں۔ آپ چھبیسویں دعاکے تیسرے فقرے میں برے پڑوسیوں کے ساتھ برتاؤاور ان کے ساتھ رواداری سے پیش آنے کے طریقے کو بھی بیان کرتے ہیں۔

ان فقرات میں امام بداخلاق پڑوسیوں کے ساتھ رواداری کادر س دیتے ہیں۔ آپ خاص طور سے حسن ظن پر تاکید کرتے ہیں جو کہ نرمی اور ملائمت سے پیش آنے کا بہترین مظہر ہے۔ اسی طرح سے امامٌ قرابت داروں اور رشتہ داروں کے ساتھ رواداری اور نرمی اخلاق کو قائم کرنے اور باقی رکھنے کی بھی تاکید کرتے ہیں۔

وعده وفا كرنا: ابن مالك امام سجادٌ كو خطاب كرتے ہوئے سوال كرتے ہيں: مجھے دين كے تمام قوانين سے آگاہ كيجے ـ آپ فرماتے ہيں:

"حق بات كهنا، ايغ فيصلول مين عدالت سے كام لينااور اپناوعده پورا كرنا."

# تیسویں دعامے پہلے فقرے میں آپ فرماتے ہیں:

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَ آلِهَ وَهَبْ لِى الْعَافِيةَ مِن دِيْنِ تُخْلِقُ بِهِ وَجْهِى وَ يَحَارُ فِيه فِهْنِى وَ يَتَلَقُ فِيهِ وَجْهِى وَ يَحَارُ فِيه فِهْنِى وَ يَتَشَعَّبُ لَهُ فِكْرِى وَ يَطُولُ بِمُمَارَسَتِهِ شُغْلِى۔ ترجمہ: خدایا ! محمد وآل محمد پر دمت نازل فرما اور مجھے اس قرض سے نجات ویدے جو میری آبر و کومٹادے اور میرے وَبَن کو پریثان کردے اور میں اس کی فکر میں ہمہ وقت مصروف رہوں۔

آپ اس دعامیں قرض کی ادائیگی کے لئے خداوند عالم سے دعا فرماتے ہیں اور قرض کی ادائیگی در حقیقت وعدہ کا پورا کرنا ہے۔

عزت نفس: صحیفہ سجادیہ میں ہر مقام پر نفس انسان کو محترم تسلیم کیا گیا ہے اور اس کتاب میں موجود اخلاقی تربیت کے تمام ابعاد کی بنیاد نفس انسان کی عزت اور اس کی کرامت کے تحفظ پر ہے چونکہ صحیفہ سجادیہ کی زبان، دعا کی زبان ہے اور ہم سب جانتے ہیں کہ دعامیں مخاطب خداوند عالم کی ذات ہوتی ہے لہذا یہ فعل

راه اسلا

خود ہی نفس انسان کی عزت و کرامت پر مبتنی ہے کیونکہ اس نے صرف خداوند عالم کی ذات کو گریہ وزاری اور التماس کے لائق سمجھا ہے۔

امام سجادً الرتاليسوي دعا كے ايك سواٹھارويں فقرے ميں فرماتے ہيں:

وَ ذَلِلَّنِي بَيْنَ يَدَيْكَ وَ اَعِزَّتِي عِنْدَ خَلْقِكَ ... ترجمه: اور مجھ اپنی بارگاه میں ذلیل

بناكرر كهناليكن مخلوقات كے سامنے باعزت بنادينا۔

امام اس فقرے میں اصلِ عزت کوخدا کی جانب سے اور ان چیزوں کی جانب سے جانتے ہیں جو ذات خدا سے وابستہ ہیں کیونکہ خدا کی جانب سے عطا ہوئی عزت لوگوں کی عزت کی طرح نہیں ہے جو شر الطاور حالات کے بدلنے سے بدل جائے بلکہ خدا کی جانب سے ملی عزت ثابت اور دائی ہے

امام سجاڈ پینتیسویں دعاکے پانچویں فقرے میں خدا کی جانب سے عطاکی گئ عزت کے ثبات اور یائیداری کی جانب اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

.... أَيَّدُنَا بِعِزٍّ لاَ يُفْقَدُ - ترجمه : ... خدايا مجمع وه عزت دے جو كم نه هو-

لو گوں کے در میان ذلت کے اسباب میں سے ایک سبب لو گوں سے قرض لینااور ان کے سامنے ہاتھ پھیلانا ہے۔امامؓ یانچویں دعاکے تیر ہویں فقرے میں ارشاد فرماتے ہیں :

وَ اَغْنِنَاعَنْ غَيرِ كَ ترجمه: اورا پن عطايا كے صدقه ميں اغيار سے سے بنياز كردے۔

اسی طرح آپ بیسویں دعاکے چھبیسویں فقرے میں فقر کو خواری اور ذلت کا سبب شار کرتے ہیں اور فرماتے ہیں:

...وَصُن وَ جُهِى بِالْيَسَارِ وَ لَا تَبْتَذِلْ جَاهِى بِالِاقْتَارِ فَاسْتَوْزِقَ اَهْلَ رِزْقِکَ...۔ ترجمہ:...اور میری منزلت کو غربت کی بنایر نہ گرادینا کہ تیرے طلبگاروں سے رزق طلب کرنے لگوں...۔

امام سجاڑ کے نزدیک قناعت انسان کو بے نیازی تک لے جاتی ہے۔جو بھی کفایت سے کام لے گا، بے شک اس کی زندگی دوسروں سے مختلف ہو گی کیونکہ کفایت سے زندگی گزارنے کا مطلب بہت سارے مال و منال اور زر وزیور اکٹھا کر لینا نہیں ہے الہذاجو شخص سب سے زیادہ یہ گمان کرتا ہے کہ دولت کی پناہ میں سکون چھپا ہوا ہے، وہ شخص تمام مشکلات اور شختیوں سے گزرنے کے بعد اس بات تک پہنچتا ہے کہ اس کا گمان سراسر غلط تھااور اگر اس کی دولت میں کئ گنا اضافہ بھی ہو جائے لیکن قلبی سکون نہ ہو تو وہ شخص کبھی بھی سکون کی نیند نہیں سوسکے گا۔ ا

#### منابع و مآخذ

- 💠 قرآنی کریم، ترجمه محمد مهدی فولاد وند، دار القرآن الکریم، تهران، ۱۳۷۹ش
  - 💠 صحيفه سجاديه، شرح وترجمه سيد على نقى فيض الاسلام، 20 ساش
- 💠 برز گر،ابراهیم، رابطه عرفان وسیاست در صحیفه سجادیه، فصلنامه اندیشه دینی، ش ۱۲
- 💠 جزایری، سید محمه علی ، دروس اخلاق اسلامی ، مر کز مدیریت حوزه علمیه قم ، مؤسسه النشر الاسلامی ، ۱۳۸۲ش
- 💠 تحمينی شير ازی، سيد علی خان، رياض السالکين فی شرح صحيفه سيد الساحدين، مؤسسه النشر الاسلامی، قم، ۱۱٬۸۱۱ق
- پ حق شناس، حمیدر ضا، رویکرد صحیفهٔ سجادیه به اخلاق اجتماعی، پایان نامه کار شناسی ار شدر شته علوم قرآن وحدیث، دانشگاه قم، دانشکدهٔ الابهات، ۱۳۸۶ ش
  - 💠 حلبی، علی اصغر ، تاریخ تدن در اسلام ،اساطیر ، تهران ، ۱۳۸۲ش
    - دازی، فخر الدین، جامع العلوم
  - 💠 رکنی یز دی، فاطمه، ره توشه ای از دعای مکارم الاخلاق، مشکوه، ش ۸۸ و ۸۵، ۱۳۸۳ ش
    - 🖈 سادات، محمد علی ، اخلاق اسلامی ، سمت ، تهر ان ، ۱۳۸۴ ش
    - 🖈 شیر وانی، علی، اخلاتی اسلامی ومبانی نظری آن، دار الفکر، قم، ۱۳۸۴ ش
      - 🖈 صالح غفاری، محمد علی ،مدینه فاضله ، برهان، ۱۳۷۲ ش
    - 💠 فرزانه، عبدالحميد، انسان در صحيفه سجاديه، فصلنامه انديشه ديني، ش ۱۵، ۱۳۸۴ش
  - 🚓 فلسفی، محمد تقی، شرح و تفسیر دعای مکارم الاخلاق، دفتر نشر فر بنگ اسلامی، تهران، ۲۵ ساش
    - 💸 قائمی، علی، اخلاق ومعاشرت در اسلام، انتشارات امیری، تهران ، ۱۳۶۴ ش
    - 💠 كريب، راجر، اخلاق وفرااخلاق، مجروز جند قي، نقد و نظر، ش١٩و١، ١٣٧٨ش
    - 🚓 کوئن ، بروس ، میانی جامعه شناسی ،غلامعلی توسلی ورضا فاضل ، سمت ، تهر ان ، ۱۳۸۳ ش

ا ـ ممروحی کرمانشاہی، حسن، شہود و شاخت ( جلد ۱) ، ص ۲۵۷

راه اسک ل

💠 کیجا، نجمه ، مناسبات اخلاق وسیاست در اندیشه اسلامی بیژ و بهشگاه علوم و فربنگ اسلامی ، قم، ۱۳۸۷ ش

- 💠 لا ہیجی، عبدالرزاق، گوم مراد، کتابفروشی اسلامیه، تهران، ۷۷ساش
- مجلسی، محمد باقر، بحار الانوار (جلد ۲۷)، مؤسسه الوفا، بیروت، ۳۰۰ ۱۴، ۱۴۰
- مصباح یزدی، محمد تقی، اخلاق در قرآن، مؤسسه آموزشی ویژو و شی امام خمیتی، قم، ۱۳۸۷ش
- 💠 مصباح يزدى، محمد تقى، فليفه اخلاق، تحقيق ونگار ش احمد حسين شريغي، حياب ونشر بين الملل، ١٣٨٣ ش
  - مصباح، مجتبى، فلسفه اخلاق، مؤسسه آموزشی ویژومهشی امام خمیشی، قم، ۱۸ساش
    - 💠 مهروحی کرمانشاهی، حسن، شهود و شناخت، مؤسسه فر بنگی ساء، قم ۱۳۸۱ش
  - 💸 مهدوی کنی، محمد رضا، نقطه های آغاز در اخلاق عملی، دفتر نشر فر بنگ اسلامی، تهران، ۲۲ ساش
    - 💠 ویلیامز، برنارد، فلسفه انطاق، ترجمه وتعلیقات زمراجلالی، انتشارات اسلامیه ، قم
      - 💠 باشی، سید حسن، اخلاقی در نیج البلاغه، بوستان کتاب، قم، ۱۳۸۸ش

# انقلاب حسيني كى تروج ميس عضر عقلانيت كا كردار

مؤلف: دُاكرُ قدرت الله قربانی مترجم: شبیه عباس خان

تحریک حسینی میں عضر عقلانیت کے کردار کے بارے میں اٹھنے والے سوالات کا مکتب تشیع کے طرز تفکر اور مسلمانوں کی دینی طرز زندگی سے گہرا تعلق ہے کیونکہ مکتب عاشورہ کی تعلیمات وہ تعلیمات ہیں جو پوری تاریخ میں شیعوں کی دینی، سیاسی، فکری اور عملی اعتبار سے رہنمائی کرتی رہی ہیں۔اس کی تعلیمات ہمیشہ اپنے عقید تمندوں خصوصاً شیعوں کی ساجی و فردی حیات کو ایک نیا معلی دیتی رہی ہیں۔اس کی تعلیمات ہمیشہ اس کے عقید تمندوں خصوصاً شیعوں کی ساجی و فردی حیات کو ایک نیا معلی دیتی اور اجتماعی پہلو رہی ہیں۔ اس کی تفصیل میں سے کہا جا سکتا ہے کہ تحریک عاشورہ کے تاریخی، کلامی، سیاسی اور اجتماعی پہلو اور شیعوں کی دینی حیات میں اس کے گہرے اثرات کی وجہ سے ،اس کی عقلانیت کے سلسلہ میں اور زیادہ سوالات اٹھتے ہیں۔

لہذااب یہ سوال بجا ہے کہ کیا عقلی لحاظ سے امام حسین کی یہ ذمہ داری تھی کہ آپ معاشر ہے میں عدل وانصاف قائم کریں اور مظلو موں کے حقوق کو زندہ کریں یا آپ کی یہ ذمہ داری نہیں تھی۔اورا گرآپ کادینی فریضہ یہی تھا تو کیا معاشر ہے میں حقیقی عدالت قائم کرنے اور امت مجمد یہ کے بگڑے حالات کی اصلاح کا واحد ذریعہ صرف قیام تھا؟ یا کسی دوسرے عقلانی طریقے کی بھی گنجائش تھی؟ کیا امام کی ساری کو ششیں صرف اس لئے تھیں کہ وہ کو فہ کو تصرف کرکے ایک اسلامی حکومت قائم کریں یا یہ کی حکومت کی تشکیل صرف ایک ابتدائی ہدف تھا تا کہ اس کے ذریعے بآسانی ایک عادلانہ نظام قائم کرکے مسلمانوں کو حقیق سعادت سے ہمکنار کریں۔ نیزیہ کہ اگر تشکیل حکومت میسر نہ ہو توکیے ممکن ہے کہ آپ کے شہید ہونے سے اور اہل بیت علیہم السلام کے اسیر ہونے سے معاشرے میں قیام عدالت کے ساتھ ساتھ بنی امیہ کی طالمانہ حکومت بھی نابود ہوجائے۔

# تحريك عاشوره ميس ديني عقلانيت

تح بک عاشورہ کے مطالعہ کے دوران ہمیں مختلف پہلو نظر آتے ہیں جن کا آپیں میں گہرا تعلق بھی ہے۔ان کے آپی رابطے کو درک کرنے سے ہی تحریک عاشورہ کی عقلانیت نمایاں ہوتی ہے۔سب سے پہلے یہ کہ سنہ ۲۰ ہجری کے ماہ رجب کے آخری ایام میں معاویہ ابن ابوسفیان کے انتقال سے نہضت عاشورہ کاآ غاز ہوااور ۱۰ محرم سنہ ۲۱ ہجری میں امام حسین علیہ السلام اور آپ کے یا وفااصحاب کی شہادت تک اس تحریک کا تجزیہ کیا جاسکتا ہے جو کہ تقریباً پنتی ماہ کی ایک قلیل مدت ہے۔اس عرصہ میں رونما ہونے والے واقعات کا جائزہ لینا ضروری ہے۔اس مدت میں رونماہونے والے واقعات میں امامؑ سے بچیاں ردعمل کی توقع بے جا ہے بلکہ مختلف حالات کے بیش نظر امام گا جو رد عمل تھا ان کے متعلق عقلانیت کو تلاش کیا جا سکتا ہے۔ دوسری جانب خود نہصنت عاشورہ کی اپنی ایک الگ عقلانیت ہے۔ دوسرے بیر کہ اس پانچ مہینے کی مدت میں معاشرے کے بدلتے حالات کے پیش نظر امامؓ کارد عمل یکال نہیں تھا۔ بلکہ امامؓ کی کوشش تھی کہ جیسے حالات سے روبر و ہوں اسی کے مطابق ایک عاقلانہ رد عمل اختیار کرتے ہوئے بہترین نتیجہ حاصل کریں۔ تیسرے بیر کہ ان تمام مرحلوں میں دینی عقلانیت کو سمجھنے کے لیے تین اہم عناصر کی طرف توجہ ضروری ہے، یعنی عقلانیت مقصد ، اس مقصد کے حصول کے لئے اپنائے گئے طریقوں کی عقلانیت اور جو نتیجہ حاصل ہوااس میں موجود عقلانیت۔عقلانیت ہدف یعنی انقلاب عاشورہ کے اہداف میں عقلانیت کا یا با جانا، ہدف تک پہنچنے کے لئے امامؑ نے جس روش کا انتخاب کیا، اس روش میں عقلانیت کا یا ما جانا اور وہ نتائج جو اس قیام سے حاصل ہوئے، ان نتائج میں عقلانیت کا یا یا جانا۔ اور عقلانیت کے بیہ تینوں عناصر امامٌ کی گفتگو اور آ پ کے عمل میں نظرآتے ہیں۔

# معاویہ کے انتقال سے امام کے قیام تک

عملی طور پر امام کی تحریک کاآغاز اس وقت ہواجب یزید نے نیمہ ماہ رجب سنہ ساٹھ ہجری میں معاویہ کے انتقال کے بعد والی مدینہ ولید بن عتبہ کو فرمان جاری کیا کہ امام حسین اور بعض دیگر سربرآوردہ افراد سے اپنے لئے بیعت طلب کرے اور بیعت کا بیہ مطالبہ اس صلح نامہ کے خلاف تھا جویزید کے باپ معاویہ اور امام حسن علیہ السلام کے در میان ہوا تھا اور امام حسن اپنے والد حضرت علی کی جانب سے مسلمانوں کے خلیفہ برحق تھے۔ ولید کویزید کی جانب سے حکم تھا کہ امام حسین سے بیعت لینے میں زرا بھی نرمی نہ دکھائے خلیفہ برحق تھے۔ ولید کویزید کی جانب سے حکم تھا کہ امام حسین سے بیعت لینے میں زرا بھی نرمی نہ دکھائے

اور ضرورت پڑنے پرآپ کی جان لینے سے بھی در پنے نہ کرے۔ جب امام کو اس مطالبہ کی خبر ملی توآپ نے مرگ معاویہ کے متعلق حکو متی اعلان سے پہلے ہی اظہار فرمایا کہ لگتا ہے بنی امیہ کا طاغوت ہلاک ہو چکا ہے اور یہ بیعت کا مطالبہ اس کے بیٹے بزید کے لئے ہے۔ بعض منا بع کے مطابق بزید نے حاکم مدینہ کو اس بات کا حکم دیا تھا کہ اگر امام حسین اور دیگر افراد اس کی بیعت سے انکار کریں تو وہ انہیں قتل کر دے۔ المام حسین کوری موجودہ حالات کے پیش نظر اسی نتیج پر پہنچ تھے جو کہ کا ملاً معقول ہے للذا در بار ولید جاتے وقت اپنے خاندان کے کم سے کم تمیں جو انوں کو مسلح کر کے اپنے ہمراہ لے گئے اور انہیں حکم دیا کہ بام آپ کے اشار سے منتظر رہیں تاکہ ضرورت کے وقت آپ کے منتظر رہیں تاکہ ضرورت کے وقت آپ کے وقت آپ کے منتظر رہیں تاکہ ضرورت کے وقت آپ کے دفاع کے لیے حاضر ہو سکیں۔

حاکم مدینہ سے گفتگو کے دوران جب آپ بیعت بزید کے مطالبے سے روبرو ہوئے تو ایک معقول روش اپناتے ہوئے آپ نے یہ جواب دیا کہ بیعت کاکام مخفی طور پر انجام نہ دیا جائے اور حاکم مدینہ کو ہماری اس مخفیانہ جلسہ سے راضی نہیں ہونا چاہیے بلکہ جب تمام اہل مدینہ کویزید کی بیعت کے لئے بلایا جائے تو ہم بھی اس وقت حاضر ہوں اور قصد بیعت کی صورت میں ہم بھی یزید کی بیعت کریں چونکہ خلیفہ کے لئے بیعت لینے کا عمل عوام میں اس کی مقبولیت کا باعث ہے لہذا اس عمل کو مخفی طور پر انجام دینے سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوگا۔ ا

حاکم مدینہ کے مطالبہ بیعت کے جواب میں امامؓ کا یہ عقلمندانہ جواب بہت اہمیت کا حامل ہے۔ سب سے پہلے یہ کہ امامؓ نے اس احتمالی خطرہ کو جس سے آپ روبر وسے نہایت عقلمندی سے ٹال دیا۔ دوسرے یہ کہ پہلے بہ کہ امامؓ نے اس احتمالی طور پر آپ نے یہ اشارہ کردیا کہ آپ بزیدگی بیعت کرنے والوں میں نہیں ہیں اور اپنے آخری فیصلے کو اہل مدینہ کے جمع ہونے تک ٹال دیا۔ امامؓ کی اسی مصلحت اندیثی کے متیجہ میں ولید کے دربار میں کسی طرح کا کوئی ناخوشا پند واقعہ پیش نہیں آیا لیکن امامؓ جب دربار سے نگلے لگے تو مروان بن حکم جو کہ وہاں پہلے سے موجود تھا، اس نے ولید کو یہ اشارہ کیا کہ اگر حسینؓ اس وقت بیعت کئے بغیر یہاں سے نکل گئے تو تُو مر گزان سے بیعت نہ لے سکے گاللذا بہتر یہی ہے کہ اسی وقت حسینؓ سے بیعت لے لے اور اگر بیعت نہ کریں تو ان کا سر قلم کر دے۔ مروان کی اس فتنہ انگیز گفتگو کی وجہ سے امام حسینؓ سخت لہجہ اور اگر بیعت نہ کریں تو ان کا سر قلم کر دے۔ مروان کی اس فتنہ انگیز گفتگو کی وجہ سے امام حسینؓ سخت لہجہ

ا\_خوارز می،احمد، مقتل الحسین ( جلدا )، ص ۱۸۴۰ ۲\_این طاووس، رضی الدین علی بن موسی، لہوف، ص ۱۹

اختیار کرنے پر مجبور ہوئے اور اسے خطاب کرکے صریح طور پر یہ اعلان کر دیا کہ یزید جیسے فاسق و فاجر شخص کی بیعت ممکن نہیں ہے۔ ا

اس واقعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ولید کے لئے امام کالہجہ نرم تھاجب کہ مروان کے لئے آپ کاانداز بیال نہایت قبر آمیز تھاچو نکہ ولید حاکم مدینہ ہونے کے باوجوداہل بیت پیغیر خصوصاً امام حسین کا پاس و لحاظ رکھتا تھا، اسی لئے اس نے امام کی شان میں کوئی جسارت یا گتاخی نہیں کی جب کہ مروان بن حکم کی یہی کوشش تھی کہ کسی طرح یا توامام سے بیعت لے لی جائے یا پھر آپ کو قتل کر دیا جائے۔ یہی وجہ تھی کہ امام حسین نے اپنے دونوں دشمنوں کے مقابل دو مختلف اور معقول رد عمل کا مظاہرہ کیا۔ اور آپ نے ولید کے سوال بیعت پر نرمی سے جواب دیتے ہوئے اسے آئندہ پر ٹال دیالین مروان کے روبر وجو کہ آپ کا کھلا دشمن تھا صریحی طور پر بزید کی بیعت سے انکار کر دیا۔

یاد رہے کہ ابھی اہل کوفہ کی جانب سے کوئی ایبا خط امامؓ تک نہیں پہنچاہے جس میں آپ کو کوفہ آنے کی دعوت دی گئی ہو، توالیے موقع پر امامؓ کے اس اصلاحی قیام کا پہلا معقول ہدف یزید جیسے فاسد اور ظالم حاکم کی بیعت نہ کرنا ہے اور اس ہدف تک پہنچنے کے لئے آپ نے آشکارا طور پریزید کے ظلم وستم کو بیان کیا۔ ایک طرف حکومت کا امامؓ سے بیعت لینے پر اصر ار اور دوسری طرف امامؓ کا بیعت سے انکار، ان مسائل کے پیش نظر امامؓ کا مدینہ سے ججرت کرنا اور مکہ معظمہ جیسی پر امن جگہ کو وقتی طور پر اپنے لیے رہائش گاہ قرار دینا، امام کی جانب سے ایک عقلانی اور فطری ردعمل ہے۔ ان حالات میں اس سے بہتر کوئی اور راہ حل متصور نہیں ہے۔

# محمد بن حنفية كوامامٌ كي وصيت

محمہ بن حفیۃ سے امام کی وصیت بھی اسی تحریک کا ایک حصہ ہے جس میں امام نے اپنے بھائی کے سوال کے جواب میں اپنی اصلاحی تحریک کے اہداف کو بخوبی بیان کیا ہے۔ محمہ بن حفیۃ انکار بیعت کے آثار و بتان تھے لہٰذاانہوں نے امام کو یہ مشورہ دیا کہ آپ مکہ جانے سے پر ہیز کریں، وہ جگہ آپ کے لئے امن کی جگہ نہیں ہو سکتی۔ آپ دور دراز کے کسی علاقے میں جاکر لوگوں کو حق کی دعوت

ا - مقتل الحسين ( جلد ۱) ، ص ۱۸۸؛ لهوف، ص ۱۹؛ مجلسي ، محمد باقر ، بحار الانوار ( جلد ۴۴) ، ص ۳۲۵

\_

دیں اور ان کی مدد سے اپنی تحریک کو کامیاب بنائیں۔ اور اگر لوگوں نے آپ کاساتھ دینے سے انکار بھی کیا تو بھی آپ ہم طرح کے خطروں سے محفوظ رہیں گے۔ محمد بن حفیۃ کے جواب میں امام یات پر تاکید کی کے میزید کی بیعت سے انکار کے بعد اب آپ کسی بھی جگہ محفوظ نہیں ہیں اور امام گی بیر رائے اور آپ کی کی کہ میزید کی بیعت سے انکار کے بعد اب آپ کسی بھی جگہ محفوظ نہیں ہیں اور امام گی بیر رائے اور آپ کی بید تشخیص بالکل صبحے تھی اور بعد کے واقعات بھی اس کی تائید کرتے ہیں۔ امام حسین آپ بھائی کے خیر خواہانہ مشور ہے کا احترام کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ مدینے میں بی امیہ کے جاسوسوں کی خفیہ آمد ورفت سے اور محمد بن حفیۃ کو بید ذمہ داری سونیتے ہیں کہ مدینے میں بنی امیہ کے جاسوسوں کی خفیہ آمد ورفت سے انہیں باخبر کرتے رہیں۔ اور اپنے وصیت نامہ ہے جس میں آپ نے اپنی اصلاحی تحریک کے امداف کو بیان کیا ہے۔ اس وصیت نامہ ہے جس میں آپ نے اپنی اصلاحی تحریک کے امداف کو بیان کیا ہے۔ اس وصیت نامہ میں امام نے اس بات پر زور دیا ہے کہ آپ کی تحریک کا مدف امر بالمعروف اور نہی عن المنکر، است کی اصلاح، سنت محمد یہ کا احیا اور اپنے والد کی سیرت کو زندہ کرنا ہے۔ ا

اس وقت کے حالات میں امام حسین نے اپنے اس تاریخی اور عقلانی وصیت نامہ میں جن امور پر تاکید کی ہے وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور اصلاح امت ہے اور ان عالی اہداف کے تحقق کی راہ میں اپنی جان کی بازی لگا دینا صرف بزرگان قوم و ملت ہی نہیں بلکہ عالم اسلام کے ہر حریت پند و عدالت خواہ انسان کا فریضہ ہے۔ خواہ ان اہداف کو حاصل کرنے کے لئے اسلامی حکومت کی تشکیل ہو یا آپ اور آپ کے بہترین اصحاب کی جانوں کا نذرانہ ہی کیوں نہ دینا پڑے کیونکہ ان مقدس اور انسان ساز اہداف کا زندہ کرنا ضروری ہے خواہ وہ تشکیل حکومت کے ذریعہ ہو یا شہادت سے کیونکہ جو لوگ الی نگاہ رکھتے ہیں وہ زندگی کو مادی حیات میں محدود نہیں سمجھتے ، ان کے لئے شہادت حماقت نہیں بلکہ عقلانیت کی دلیل ہوتی ہے اور مشہادت ناکامی نہیں بلکہ سعاد تمندی کا مظہر ہے۔

# مکہ میں قیام سے کوفہ کی جانب روا گی تک

شہر مکہ میں امام حسین کے قیام کے دوران آپ کی گفتار و کردار عقلانیت سے سرشار ہے۔ آپ اپنے خطوط کے ذریعہ مکہ سے ہی دور دراز کے علاقوں میں بسنے والے مسلمانوں کو اپنے قیام سے ملق ہونے کی

ا ـ مقتل الحسين (جلدا)، ص ٢٧٣؛ بحار الانوار ( جلد ٣٨)، ص ٣٢٩

دعوت دیتے ہیں اور اپنے قیام کے اسباب و اہداف اور اموی حکومت کے ظلم وستم کو بھی آشکار کرتے ہیں۔
اہل کو فیہ کے خطوط کے جواب میں آپ نے جو خط تحریر کیا یااہل بھر ہ کے لئے جو آپ نے خطوط بھیجے ان سے
ان باتوں کو بخو بی درک کیا جا سکتا ہے۔ اہل بھر ہ کے لئے امام نے جو خطوط لکھے ہیں، اس میں حکومت کے
لئے اپنی شائسٹگی اور لیاقت کو بیان کرتے ہوئے ان لو گوں کو کتاب خدا و سنت پنجیبر پر عمل پیرا ہونے کی
نصحت کرتے ہیں تا کہ وہ حقیقی سعادت سے ہم کنار ہو سکیں۔ سرکار سید الشدا نے اپنے بعض خطوط میں
اہل بھرہ کو یوں خطاب کیا ہے:

"میں اپنے قاصد کو تمہاری طرف بھیج رہا ہوں۔ تم لوگوں کو کتاب خداوست پیغیر گر عمل کرنے کی دعوت دیتا ہوں کیونکہ ہم ایسے حالات سے دوچار ہیں جس میں سنت پیغیر مٹ چکی ہے اور اس کی جگہ بدعتیں رواج پارہی ہیں۔ اگر تم میری باتوں کو سنواور میری آواز پر لبیک کہو تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ سعاد تمندی تمہارے قدم چومے گی اور تمہاری بدایت کامیں ضامن رہوں گا۔"ا

امام ی بے الفاظ واضح طور پر اس امر کی نشاند ہی کرتے ہیں کہ اہل بھر ہ کو اپنی مدد کے لیے دعوت دینے سے امام کا ہدف اگر شہر کوفہ کی تشخیر اور حکومت کی تشکیل بھی ہو تو بھی یہ ایک ابتدائی اور تمہیدی ہدف ہوگا تا کہ اس کے ذریعہ اصلی اور واقعی ہدف کو حاصل کیا جاسکے جو کہ کتاب خدا پر عمل اور پیخمبر اکرم گف فراموش شدہ سنت کا احیاء ہے۔ امام حسین کے ان خطوط سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کی نہضت کا اصلی اور محوری ہدف امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے۔

عقلانیت کا تقاضایہ ہے کہ جو رہبر و پیشواظالم حکومت کا تختہ اللّنا چاہتا ہے, وہ اپنی تحریک کی تقویت کرے اور اپنے ساتھیوں کی قوت سے فائدہ اٹھائے لہذا امام ؓ نے بھی مکہ میں قیام کے دوران اہل کو فہ کی جانب سے خطوط کے سیلاب کے باوجود، دوسرے شہر وں کے لوگوں کو خطوط کھے اور انہیں تحریک سے ملحق ہونے کی دعوت دی جو کہ ایک خرد پہندانہ اور عاقلانہ جدو جہد ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ امام ؓ اپنے ان خطوط اور خطبوں میں مسلسل اس بات پر زور دیتے ہیں کہ لوگوں کی ہدایت کرنے اور ظالمانہ حکومت

ا به نجمی، محمد صادق، سخنان امام حسین از مدینه تا کر بلا، ص ۷۳

کے خلاف قیادت کا حق صرف اور صرف اہل بیت رسول کو ہے۔ان تعبیرات سے یہ پیغام ملتا ہے کہ امامً کی نگاہ اپنے زمانے کی امامت و رہبری تک محدود نہیں ہے بلکہ مستقبل میں بھی ہدایت کا کام اور ظالمانہ حکومت کے خلاف قیام کی باگ ڈور اہل بیت رسول کے ہاتھوں میں ہونی چاہیے۔

امام حسین کا ایک اور خط جوآپ کے اصلاحی قیام کی پیشر فت میں ایک خاص اہمیت کا حامل ہے، وہ خط تھا جے آپ نے اہل کوفہ کے خطوط میں تشکیل عکومت کے لئے آپ کو کوفہ آنے کی دعوت دی۔ تاریخی حقائق سے پتہ چلتا ہے کہ اہل کوفہ نے بنی امیہ کے حکم انوں کے ظلم سے نگ آکر آپ کو کوفہ آنے کی دعوت دی تقی تاکہ آپ کوفہ آکر قرآن وسنت کی بنیاد حکم انوں کے ظلم سے نگ آکر آپ کو کوفہ آنے کی دعوت دی تھی تاکہ آپ کوفہ آکر قرآن وسنت کی بنیاد پر ایک اسلامی حکومت قائم کریں اور بنی امیہ کے بڑھتے ظلم وستم کا سد باب کریں۔ کوفہ والوں کی جانب سے تقریباً اٹھارہ ہزار خطوط امام کی خدمت میں بھیج گئے جن میں ان لوگوں نے امام کی دینی غیرت کا تقاضا حمایت کا وعدہ کرتے ہوئے آپ سے کوفہ آنے کی درخواست کی۔ ایسے موقع پر امام گی دینی غیرت کا تقاضا ہے تھا کہ وہ مظلوموں کی حمایت اور ان کے احقاق حق کی درخواست کی۔ ایسے موقع پر امام گی دینی غیرت کا تقاضا ہے تھا کہ وہ مظلوموں کی حمایت اور ان کے احقاق حق کی خراد بھائی مسلم ابن عقیل کو کوفہ روانہ کیا تاکہ وہ وہ ہاں کے امام حسین نے کوفہ والوں کے جواب میں اپنے پچپازاد بھائی مسلم ابن عقیل کو کوفہ روانہ کیا تاکہ وہ وہاں کے امام حسین نے کوفہ والوں کے جواب میں اپنے پچپازاد بھائی مسلم ابن عقیل کو کوفہ روانہ کیا تاکہ وہ وہ ہاں کے امام حسین نے کوفہ والوں کے جواب میں اپنے پھپازاد بھائی مسلم ابن عقیل کو کوفہ روانہ کیا تاکہ وہ وہاں کے امام حسین نے کوفہ والوں کے جواب میں ا

امام گابے رد عمل مر قتم کے جذبات سے عاری اور مرطرح سے عقلی معیار کے مطابق تھا کیونکہ امام علیہ السلام نے شروع میں نہ تو کو فہ والوں کی درخواست کورد کیا اور نہ ہی ان کے خطوط کی بنیاد پر کو فہ جانے کا قصد کیا بلکہ کوئی موثر قدم اٹھانے سے پہلے اپنے سفیر کو بھیجا تاکہ اہل کو فہ کی وفاداری یا بے وفائی کو پر کھا جاسکے۔ امام حسینؓ نے اہل کو فہ کے خطوط کے سیلاب کے جواب میں جو خط تحریر فرمایا اسے اپنے سفیر مسلم بن عقیل کے ہاتھوں کو فہ بھیجا۔ اہل کو فہ کی وہ ساری خیانتیں اور کو تا ہیاں امام کے سامنے تھیں جن کا ان لوگوں نے مولائے کا کنات اور آپ کے بھائی امام حسن کے دور حکومت میں ار تکاب کیا تھا للذا عقلمندی کا تقاضا بہ تھا کہ اہل کو فہ کی درخواست کے جواب میں سب سے پہلے ان کے دعوے کی سچائی کو پر کھا جائے۔

ا ـ ابن اثير ، عز الدين على بن مجمد الكامل ( جلد ٣) ، ص ٢٦٧؛ مفيد ، محمد بن محمد بن نعمان ، الارشاد ، ص ٢٠٠٢

راه اسلا

اسی لئے سب سے پہلے امام حسین علیہ السلام نے مسلم بن عقبل کو کوفہ روانہ کیا تاکہ وہ کوفہ کے صبیح حالات سے امام کو باخبر کریں۔

مسلم بن عقبل جب کوفہ پہنچے تو کوفہ کے حالات ویسے ہی تھے جیسا کہ انہوں نے اپنے خطوط میں تحریر کیا تھا اور عبید اللہ بن زیاد کے کوفہ آنے تک وہ امام حسینؓ کے حامی و طرفدار تھے۔ اگر کوفیوں کا یہ جوش و خروش اسی طرح باقی رہتا تو امام حسینؓ جنہوں نے ایک مصلح دینی کے عنوان سے قیام کیا تھا ، کا دینی فریضہ بنتا تھا کہ وہ اہل کوفہ کی حمایت کے لئے پیش قدم ہوں۔

جناب مسلم بن عقیل نے شہر کو فہ کے موجودہ حالات کو دیکھتے ہوئے امام حسین کو تحریر فرمایا کہ اہل کو فہ جان و دل سے آپ کے ساتھ ہیں اور آپ کی آمد کا شدت سے انتظار کررہے ہیں اور امام حسین ہی اپنادینی فریضہ سیھتے ہوئے کو فہ کی جانب روانہ ہوئے۔ امام حسین کا ہر قول و فعل عقلانیت کی بنیاد پر تھا۔ ظاہر کی حالات و واقعات کے پیش نظر خصوصاً جناب مسلم کی تائید کے بعد امام کا کو فہ کی جانب روانہ ہو ناایک عقلی اور منطقی عمل تھا چو نکہ ابن زیاد کے کو فہ آنے تک ایسالگتا تھا کہ شہر کو فہ کے حالات امام کے حق میں بیں اور اہل کو فہ اپنی دعوت میں سے ہیں للذا آپ کا دینی فریضہ یہی تھا کہ آپ اہل کو فہ کی مدد اور نصرت کریں اور ماضی میں مولائے کا ننات اور امام حسن کے ساتھ بے وفائی اور خیات کی وجہ سے آج انہیں تنہانہ جھوڑیں۔ اگر آپ ان حالات میں اہل کو فہ کی حمایت کرنے سے انکار کر دیے تو اس انکار کے لئے نہ کوئی معقول وجہ تھی اور نہ ہی اس کا کوئی دینی جواز تھا۔ حتی آپ کے قیام کے اصلاحی ہونے پر بھی حرف آجاتا۔ اور دنیا کا ہر حربت پیند اور عدالت طلب شخص آپ کے اس انکار کو شک کی نگاہ سے دیکھا۔

# امامٌ کا لشکر حرسے سامنا

امام حسین کی گفتار و کردار میں عقلانیت کی ایک اہم مثال آپ کا وہ مختفر خطبہ ہے جسے آپ نے مکہ سے کو فہ جانے سے کو فہ جانے سے میں اشکر حرسے سامنا ہونے پر ارشاد فرمایا۔ حرکے لشکر نے جب آپ کو کوفہ جانے سے روکا توآپ نے فرمایا:

"اے لوگو! میں تم پر اتمام جحت کرنے، اپنادینی فریضہ ادا کرنے اور اللہ کی بارگاہ میں اپنی ذمہ داری کو پورا کرنے کیلئے نکلا ہوں۔ میں تمہاری جانب اپنی مرضی سے نہیں آیا ہوں بلکہ تم لوگوں نے خطوط پر خطوط لکھ کر مجھے آنے پر مجبور کیا ہے، کہ ہمارا کوئی رہبر نہیں ہے، بلکہ تم لوگوں نے خطوط پر خطوط لکھ کر مجھے آنے پر مجبور کیا ہے، کہ ہمارا کوئی رہبر نہیں ہے،

ہمارا کوئی پیشوا نہیں ہے۔ آپ ہماری مدد کو آئے۔ آپ ہماری دعوت کو قبول کیجئے اور ہماری قیادت کے لئے جتنی جلدی ہو سکے تشریف لے آئے تاکہ خداوند متعال آپ کے ذریعہ ہماری ہدایت اور رہبری فرمائے۔ اگر تم اپنے دعوے میں سپچ ہواور اپنی وفاداری کے پابند ہو تو میں تم تک آچا ہوں۔ آؤ ہمارے ساتھ عہد و پیان محکم کرواور اپنی اطاعت اور تعاون سے ہمیں مطمئن کرواور اگر تمہارے ارادے بدل کی ہیں اور تم ہمارے آئے سے راضی نہیں ہو تو میں اب بھی واپس جانے کو تیار ہوں۔"

امام کے اس مخضر سے خطبے کے جواب میں کوئی کچھ نہ بولا۔ لشکر حر میں کوئی ایبا نہیں تھا جو آگے آتا اور کہتا کہ ہم نے آپ کو دعوت نہیں دی ہے اور آپ ہماری مدد کو کیوں آئے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ نماز عصر کے بعد بھی امام نے ایک مخضر خطبہ ارشاد فرمایا جس سے امام کی اصلاحی تحریک کی حقانیت اور عقلانیت کے دیگر ابعاد بھی آشکار ہوتے ہیں۔ امام حسین فرماتے ہیں:

"اے لوگو! خداکا خوف کرو اور اس بات کو قبول کرو کہ حق اہل حق کے پاس ہی رہے۔ اس میں اللہ کی خوشنودی اور رضا ہے۔ ہم اہل بیت رسول لوگوں کی رہبری اور ولایت کے لئے ان لوگوں (بنی امیہ) سے زیادہ شاکستہ اور سز اوار ہیں جو ناحق اس مقام ولایت کے دعوے دار ہیں۔ ان لوگوں نے ہمیشہ سے خداسے دشمنی اور بندگان خدا پر ظلم کرنے کی راہ اپنائی ہے۔ اگر تم لوگوں نے جو فیصلہ کیا ہے اسی پر قائم ہو اور ہم سے منہ موڑ لیا ہے اور ہمارے حق کو بھلادیا ہے تو میں یہیں سے واپس طے جانے کو تیار ہوں۔"

امام کے خطبے کا مضمون یہ ہے کہ آپ نے دنیا کی الی میں نہیں بلکہ انسانی فطرت اور الی تعلیمات کے تقاضوں کو پورا کرنے کیلئے اہل کو فہ کی صدائے مظلومیت پر لبیک کہی ہے اور اس پر خطر سفر کو اختیار کیا ہے ، نیز اہل کو فہ کے خطوط بھی اس بات کے گواہ ہیں کہ اس پر آشوب ماحول میں ان کی ہدایت و رہبری اور رستگاری اور سعادت کے لئے آپ سے بہتر کوئی اور نہیں ہے للذا یہاں تک اصل حریت پہندی اور عدالت طلبی نیز الی تعلیمات کی روسے آپ کا دینی فرض تھا کہ آپ ان کی درخواست کو قبول

ا به مقتل الحسين (جلدا)، ص ۲۲۴؛الارشاد، ص ۲۲۴

\_

کرتے ہوئان کی مدد کو کوفہ پنچیں لیکن جب کوفہ کے حالات کلی طور پر دگرگوں ہوگئ اور خود آپ کو دعوت دینے والوں نے ہی اپنارنگ برل دیا اور کوفہ آنے سے روک دیا توالی صورت میں کوفہ والوں کے لئے آپ کی کوئی ذمہ داری نہیں بنی للذا آپ نے کوفہ جانے کے بجائے لوٹ جانے کی بات پیش کی۔ غور طلب بات یہ ہے کہ پورے لئکر حرمیں سے صرف حریہ کہنے کی جرات کر سکا کہ مجھے ایسے خطوط کی کوئی اطلاع نہیں ہے جس میں آپ کو کوفہ آنے کی دعوت دی گئ ہو جب کہ لشکر کے باتی افراد انکار کی بھی جرات نہ کر سکے۔ اس سے پتہ چاتا ہے کہ حرکے لشکر میں ایسے لوگوں کی تعداد کم نہ تھی جنہوں نے خود امام کو کوفہ آنے کے لئے خط لکھا تھا۔

کاروان امام کے ساتھ ساتھ ساتھ سپاہ حر بھی روانہ ہوا تا کہ امام پر نظر رکھ سکے۔ منزل بیضہ میں ایک بار پھر امام کے لئے یہ موقع فراہم ہوا کہ آپ اپنے قیام کے اہداف کو لشکر کوفہ کے سامنے بیان کریں۔ آپ حرکے سپاہیوں کو خطاب کرکے فرماتے ہیں:

" اے لوگو! میں نے اپنے جدسے سنا ہے جس مسلمان کا بھی سامنا ایسے ظالم حکمرال سے ہو جو حرام خدا کو حلال اور عہد الهی کو پامال کرتا ہو اور سنت رسول کی مخالفت پر کمر بستہ ہو اور گناہ و معصیت کا دلدادہ ہو اور کوئی اپنے قول و فعل سے اس کی مخالفت کا اظہار نہ کرے تو خدا کو حق ہے کہ ایسے لوگوں کو اسی حکمران کے ساتھ آتش جہنم کے حوالے کر دے۔"

"اے لوگو! آگاہ ہو جاؤکہ ان لوگوں نے اطاعت خداوند کو پس پشت ڈال دیا ہے اور شیطان کی اتباع اور پیروی کو اپنا فریفہ سمجھ لیا ہے۔ معاشرے میں فساد کو بڑھاوا دینے والے اور حدود الی کو معطل کرنے والے ہیں اور فینی (وہ مال جو خاندان پیغمبر سے مخصوص ہے) کو اپنا ذاتی مال سمجھ لیا ہے۔ حلال و حرام اور اوامر و نواہی خداوند کو تبدیل کر دیا ہے۔ اسلامی معاشرے کی رہبری و ولایت کا حق مجھے ہے نہ کہ ان لوگوں کو جنہوں نے ہمارے جد کے دین کو بدل ڈالا ہے۔ ان حقائق سے قطع نظر، تمہارے ان خطوط کے مضامین جو تم نے ہمیں ارسال کیا ہے اور تمہارے ان پیغامات کا مفہوم جو تم سے ہم کئ پہنچا ہے، سے یہ ظامر ہوتا ہے کہ میں تم لوگوں کو دشمن کو تاہی نہ کروں۔ ابھی بھی تم لوگوں کو دشمن کے مقابل تنہانہ چھوڑوں اور تمہاری مدد میں کو تاہی نہ کروں۔ ابھی بھی تم لوگوں گو دشمن

عہد و پیان پر باقی رہو اور میرے وفادار رہو تو سعادت وکامیابی تمہارے قدم چوہے گی کیونکہ میں حسین بن علی تمہارے بی کا نواسہ اور علی کافرزند ہوں۔ میرا وجود تم مسلمانوں سے الگ نہیں ہے۔ تمہارے بیچ ہمارے بیچوں کی طرح اور تمہارے اہل خانہ ہمارے اہل ہوں۔ بیت کی طرح ہیں۔ تم لوگوں کو میراساتھ دینا چاہیے۔ تمہارے لئے میں نمونہ عمل ہوں۔ اگر تم لوگ ہماراساتھ نہیں دوگے اور اپنی بیعت توڑ دوگے اور بے وفائی کروگے توخدا کی قسم تمہارا ایہ عمل ہمارے لئے نیانہیں ہوگا کیونکہ اس سے پہلے بھی تم ہمارے بابا علی اور ہمارے بھائی حسن کے ساتھ بے وفائی کر چکے ہو۔ تم لوگوں نے ان کے ساتھ بھی غداری کی اور پیان شکنی کی۔ پس فریب خور دہ شخص وہ ہے جو تمہاری باتوں میں آئے اور تمہارے ظاہری عہد و پیان پر اعتاد کرے۔ تم ان لوگوں میں سے ہوجو اپنا حق لینے کے لیے غلط راستہ اختیار عہد و پیان پر اعتاد کرے۔ تم ان لوگوں میں سے ہوجو اپنا حق کھو دیا۔ جو بھی پیان گئی کرتا ہے، در کرتے ہیں۔ تم لوگوں نے بہت آسانی سے اپنا حق کھو دیا۔ جو بھی پیان گئی کرتا ہے، در حقیقت وہ خود اپنے آپ کو نقصان پہنچاتا ہے۔ میری خداسے یہی دعا ہے کہ مجھے تم جیسے حقیقت وہ خود اپنے آپ کو نقصان پہنچاتا ہے۔ میری خداسے یہی دعا ہے کہ مجھے تم جیسے کو گوں کامیان نہنگاتی نہ بنا جو کو کامیان نہنگاتا ہے۔ میری خداسے یہی دعا ہے کہ مجھے تم جیسے کو گوں کامیان نہنگاتا ہے۔ میری خداسے یہی دعا ہے کہ مجھے تم جیسے کو گوں کامیان نہ بنائے۔ "ا

امام کے اس خطبے میں ہر پہلوسے عقلانیت جھلک رہی ہے۔ امام نے لشکر حرکے سامنے یہ خطبہ اس وقت ارشاد فرمایا جب ظاہری اسباب و علل اس بات کی گواہی دے رہے تھے کہ اب عسکری فتح و ظفر ممکن نہیں ہے۔ دوسری جانب کو فہ میں عبید اللہ بن زیاد کے جاسوسوں نے یہ افواہ پھیلا دی کہ امام ایک باغی ہیں۔ ان حالات میں بھی امام حسین نے نہ صرف حکومت بنی امیہ کی مشر و عیت کا انکار کیا بلکہ احادیث پیغیر سے استناد کرتے ہوئے جو کہ لشکر حرکی نگاہ میں بھی معتبر ہے، بنی امیہ کی فاسد بنیادوں پر بھی حملہ کیا۔ اور صرف لشکر حرکی مذمت پر اکتفانہیں کی جو اس وقت بنی امیہ کی اطاعت میں تھے بلکہ ہر اس انسان کی سرزنش کی جو حکام جور کے ساتھ ہو یاان کے ظلم و ستم کے سامنے سکوت اختیار کرتا ہو۔ اور آپ ان کے اس فتیج اعمال کے نتائج سے بھی انہیں آگاہ کرتے ہیں۔

ا ـ مقتل الحسين ( جلد ۱) ، ص ۴۲۶؛ الكامل ( جلد ۳ ) ، ص ۲۸۰

چنانچہ ایسے حالات میں امام اور امام کے باوفا اصحاب کے گرد خطرات منڈلانے لگتے ہیں اور شہادت سے نزدیک ہو جاتے ہیں۔ امام حسین نے اپنے خطبے میں ایک طرف اپنے قیام کی سلبی ماہیت یعنی حکومت بنی امیہ کے ساہ چہرہ کو لوگوں کے سامنے پیش کیا اور دوسری جانب اپنے قیام کی نور انی ماہیت کو بھی بیان کیا یعنی لوگوں کی ہدایت اور حقیقی سعادت کا ذمہ دار کوئی ہے تو وہ صرف امام اور اہل بیت رسول ہیں۔ صرف یعنی نہیں بلکہ پنجمبر سے آپ کو کیا نسبت ہے اسے بھی یاد دلاتے ہیں تاکہ آپ کی حقانیت کو لوگ سمجھ سکیں۔ مختصر سے کہ امام کا بیہ خطبہ از روی ناچاری و تنہائی نہیں ہے بلکہ اتمام جمت کے لئے ہے اور ان لوگوں کے لیے ہے جو آپ کے مرتبے سے آگاہ ہونے کے باوجود بنی امیہ کہ خوف سے آپ کے ساتھ بے وفائی کرکے جہنم کو اپنا ٹھکانہ بنار ہے ہیں۔

# كربلاكي آمد برامام كاخطبه

سرزیین کربلامیں وارد ہونے کے بعد امامؓ نے جو خطبہ دیا ہے وہ عقلانیت کے اعتبار سے نہایت حکیمانہ اور پند آ موز ہے۔ گویا آپ اسی دن کے منتظر سے کہ آپ کا سامنا اس سرزمین پر ایسے لو گوں سے ہو۔ آپ ایک مختصر خطبے میں یوں فرماتے ہیں:

" ہمارے حالات یہی ہیں جو تم دیھ رہے ہو۔ زمانہ پوری طرح سے دگر گوں ہے۔
برائیاں آشکار اور نیکیاں اور انسانی فضائل معاشرے سے محو ہو چکے ہیں مگر پانی کے ان چند
قطروں کی طرح جو ظرف کے تہہ میں چ جاتے ہیں۔ لوگ ننگ وعار کی زندگی جی رہے ہیں
، نہ تو حق پر عمل کرتے ہیں اور نہ باطل سے منہ موڑتے ہیں۔ ایسے ذات بار ماحول میں
بہتر ہے باایمان اور باضمیر شخص فداکاری اور جانبازی کی راہ کو اختیار کرے اور اپنے پروردگار
کے فیض دیدار کی جانب پیشگام ہو۔ میں ایسے بے دین اور مردہ ضمیر ماحول میں موت کو
ہی سعادت وکامیابی سمجھتا ہوں اور ان ظالموں اور سمگروں کے ساتھ زندہ رہنا ننگ و عارکے
سوا کچھ نہیں ہے۔ بے شک لوگ مادی دنیا کے غلام اور اسیر ہیں۔ دین صرف ان کی زبانوں
پر ہے۔ دین اور انسانیت کی طرفداری صرف اس وقت تک کرتے ہیں جب تک ان کے فائی

عیش و آرام میں خلل نہ پڑے۔ اور جب ان کے امتحان اور آزمائش کا مرحلہ آتا ہے تو حقیقی دین داروں کی تعداد بہت کم نکلتی ہے۔ "ا

امام کا یہ درد مندانہ خطبہ اس زمانے کے لوگوں کی حقیقی شاخت کا پتہ دیتا ہے۔ انجی جب کہ رحلت پنج بھر کو تقریباً پچاس برس گزرے ہیں، آپ کی سنت مسخ کردی گئی اور اسلامی اقدار و فضیاتوں کو رذایل میں شار کیا جانے لگا۔ بنی امیہ کی فاسد حکومت کی یہی کوشش ہے کہ اسلام کو بالکل مٹادیا جائے۔ لوگوں میں روح ایمان ختم ہو پچی ہے اور وہ زبوں حالی اور پستی کا شکار ہیں۔ دین کے نام پران کے پاس سوائے الفاظ کے پچھ اور نہیں ہے۔ زمانے میں انسانی فضائل مٹ پچے ہیں اور رذائل کو بنام فضائل معاشرے میں روائ کے پچھ اور نہیں ہے۔ زمانے میں انسانی فضائل مٹ بچے ہیں اور رذائل کو بنام فضائل معاشرے میں روائ دیا جارہا ہے، توان حالات میں امام کا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لئے قیام کرنا در حقیقت بنی امیہ کی فاسد حکومت کے خلاف شورش اور بغاوت ہی سمجھی جائے گی۔ اب ایسے میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ اموی اسلام محمدی کا اصلی چرہ مسخ کرکے اس کی جگہ اموی اسلام کی تروی کر رہے ہیں۔ ایسے معاشرے میں امام کی تبول زندگی جینے کے لائق نہیں ہے، خصوصاً اگریہ حیات فاسد حکومت کی خدمت میں صرف ہو رہی ہو اور موت کو گئے لگانا بہتر ہے اس ذلت کی زندگی سے جو ظالموں کی فرمانبر داری میں بسر ہو کیونکہ حق کی جگہ باطل نے لے لی ہے۔

امام علیہ السلام اپنے خطبے میں اس معاشرے کی باطنی خباثت کو ظاہر کر رہے ہیں کہ جس کی پستی و زبوں حالی کے ذمہ دار بن امیہ سے۔ لوگوں نے خود اپنی حمایت اور مدد کے لیے امام کو دعوت دے کر بلایا لیکن عبید اللہ ابن زیاد کے آتے ہی اس کے ساتھ ہو گئے اور صرف یہی نہیں بلکہ اس کی حمایت میں تلوار کھنے کر امام کے مقابل آگئے۔ یہ وہ لوگ سے جنہوں نے بنی امیہ کے خلاف پرچم بغاوت بلند کیا، عدالت خواہی کا نعرہ لگایا، امام کو اپنی نصرت کے لئے دعوت دی لیکن جب ان کی مادی زندگی پر خطرات منڈلانے گئے توراہ حق میں جاں فشانی کرنے کے بجائے دبک کر بیٹھ گئے۔

امام ً کے اس خطبے نے ہر دور کے زبانی دینداروں کی تلعی کھول دی اور حقیقی دینداری کے معیار کو قیامت تک کے لئے واضح کر دیا۔ لیعنی شریعت کے صرف ظاہری آ داب کو بجالانا جیسے کہ نماز، روزہ، جج،

ا ـ مقتل الحسين (جلدا) ، ص ٢٣٤؛ لهوف ، ص ٢٩؟ حراني ، حسن بن شعبه ، تحف العقول ، ص ١٧٨

ز کات وغیرہ حقیقی دینداری نہیں ہے کیونکہ اہل کو فہ بھی شریعت کے ان امور کو کم و بیش انجام دیتے تھے بلکہ دینداری اور دنیا داری کا معیار صرف یہ ہے کہ انسان پر خطر ماحول اور سخت حالات میں دینی اصولوں کا پابند رہے للذادیٰی عقلانیت کا تقاضہ یہ ہے کہ ہم ہر دور میں دین کے بنیادی فضائل کو دل سے لگائے رکھیں اور چند روزہ دنیاوی زندگی کی خاطر اپنی آخرت کا سودانہ کریں اور لوگوں کی ظاہری دینداری کو دیچر کر انہیں دیندارنہ سمجھیں اور کھی بھی ان کے وعدوں پر بھروسہ نہ کریں۔

### عاشوركے روز امامٌ كاپہلا خطبه

روز عاشور جیسا اہم اور تاریخ ساز دن ، امام کے گفتار و کردار میں موجود عقلانیت و فراست کو سیجھنے میں نہایت موثر ہے۔ امام نے پہلا خطبہ لشکر عمر سعد کے سامنے ایسے عالم میں ارشاد فرمایا کہ وہ لوگ آپ پر پانی بند کئے ہوئے ہیں اور ہر لمحہ آپ کے قتل کی فکر میں ہیں۔ ایسے تاریک ماحول میں امام حسین لشکر عمر سعد کی جانب سے ہونے والے شور و غل کو خاموش کرتے ہوئے اپنا تعارف کراتے ہیں۔ اور ایک بار پھر ان کو ان کو وی یہ نہ کہہ سکے ان کو ان کو وی یہ دلاتے ہیں اور ان پر اتمام جسے کرتے ہیں تاکہ بعد میں کوئی ہے نہ کہہ سکے کہ ہمیں اس بات کا علم نہیں تھا کہ ہم کس سے جنگ کر رہے ہیں۔ امام نے لشکر عمر سعد کو خطاب کر کے با آ واز بلند فرمایا:

"اے لوگو! ہاری باتوں کو سنواور ہمارے قتل میں جلدی نہ کروتا کہ میں اپنے دینی فریضہ کو جو کہ نصیحت و موعظہ ہے، انجام دے سکوں اور اپنے سفر کے اہداف کو ایک بار پھر تم تک پہنچاسکوں۔ اگر ہمارے دلاکل کو مانو اور انصاف سے کام لو تو یقیناً اسی میں تمہاری سعادت ہے اور اگر ہماری بات مانے سے انکار کرتے ہو اور انصاف سے کام نہیں لیتے ہو تو یہ جان لو کہ تم اپنی تعداد میں جتنا چاہے اضافہ کر لو اور مل کرجو بھی فیصلہ کرلو، یقیناً وہ فیصلہ باطل ہی ہوگا۔ میں تم پریہ بات پوشیدہ نہیں رکھنا چاہتا کہ میرایار و مددگار وہ خدا ہے جس نے قرآن کو نازل کیا اور تمام مظلوموں اور نیک لوگوں کا حامی و مددگار ہے۔ "ا

ا ـ الكامل ( جلد ٣) ، ص ٢٨٧؛ الارشاد ، ص ٢٣٣؛ مقتل الحسين ( جلد ١) ، ص ٢٥٣

اس خطبہ میں امام کی بہی کوشش ہے کہ لشکر عمر سعد کو یہ بات معلوم ہو جائے کہ وہ کس کے قتل کے لئے صف آرا ہیں۔ ان لوگوں پر جنہوں نے امام کو کو فہ بلانے کے لئے خطوط پر خطوط لکھے تھے، امام کی جانب سے اتمام ججت ہونا بہت ضروری تھا اور ممکن تھا ان میں سے بعض اس حقیقت کی جانب توجہ کریں اور خواب غفلت سے بیدار ہو جائیں کیونکہ ان حالات میں بھی جب خود امام کی جان کو خطرہ تھا، پھر بھی امام کا الی اور عقلانی فریضہ یہی تھا کہ اس گراہ جماعت میں سے اگر ایک فرد بھی ہدایت پاسکتا ہے تواس کی ہدایت کا نظام کریں۔ اسی بناپر امام اسے خطبے میں دنیا کی نا یائیداری پر تاکید کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"اے لوگو! یہ دنیا فانی اور زود گزر ہے، ہمیشہ رہنے والی نہیں ہے۔ صحیح معنوں میں فریب خوردہ اور نقصان اٹھانے والا وہ ہے جو دنیا کے فریب میں آ جائے۔ چند روزہ دنیا پر فریفتہ ہونے والا حقیقی بد بخت ہے۔ دنیا کے فریب میں نہ آؤ۔ جس نے بھی دنیا پر بھر وسہ کیا ہے وہ ناامید ہوا ہے۔ جس نے بھی دنیا کی طمع کی وہ اس سے محروم ہوا۔ تم لوگوں نے اس وقت میرے قتل پر ہم پیان ہو کر خشم خدا کو برا بھختہ کیا ہے۔ خدا نے تم سے منہ موڑلیا ہے اور اپنے لئے خضب الی کاراستہ کھول دیا ہے۔ کتنا اچھا ہے میر اخدا اور تم اس کے کتنے برے بندے ہو کہ خدا کی اطاعت قبول کرنے اور اس کے نبی پر ایمان لانے کے بعد ، اسی نبی کے اہل بیت اور بچوں کے قتل پر آمادہ ہوگئے۔ شیطان تم پر مسلط ہو چکا ہے اور اس نے خدا ئے بررگ و برتر کی یاد تمہارے دلوں سے محو کر دی ہے۔ وائے ہو تمہاری فکر اور تمہارے بررگ و برتر کی یاد تمہارے دلوں سے محو کر دی ہے۔ وائے ہو تمہاری فکر اور تمہارے برتہ کی طرف سے ہیں اور اسی کی طرف یلٹنے والے ہیں۔ "ا

امام کے اس خطبے سے بنوبی پتہ چاتا ہے کہ اس پر خطر حالات میں بھی جب ان سمگروں کے ہاتھوں آپ کا شہید ہونا حتمی تھا، آپ نے ان کی نجات و ہدایت کا کوئی دقیقہ فرو گزار نہیں کیا۔ یعنی اس وقت بھی آپ اپنے الی اور عقلانی فریضے کی انجام دہی میں مصروف شے چونکہ اہل کوفہ کی اکثریت دنیا کی بندگی میں غرق تھی اور وہ لوگ دنیاوی مال و متاع کی لالج میں اموی لشکر کا حصہ بن کر ہاتھوں میں ننگی تلواریں لئے ہوئے امام کے مقابل صف آرا تھے، للذا امام نے اپنے خطبے میں دنیا کی ناپائیداری اور اس کے زود گزر

ا ـ مقتل الحسين (جلدا)، ص ٢٥٣؛ الكامل (جلد ٣)، ص ٢٨٨؛ الارشاد، ص ٢٣٣

ہونے کو ہی محور گفتگو قرار دیا۔ یعنی جس دنیا کی محبت میں اندھے ہو کروہ قتل امامؓ کے در پے تھے وہ دنیا زیادہ دیر باقی رہنے والی نہیں ہے۔ لہذا عقلانیت کا تقاضا یہ تھا کہ وہ لوگ خدائے باقی و لاز وال سے لولگاتے۔ امام علیہ السلام اہل کو فہ کے باطن کو انجھی طرح پہچانتے تھے، ان کے ماضی کی بے وفا کیوں سے آگاہ تھے، آپ جانتے تھے کہ بعید ہے کہ اہل کو فہ ان حقائق کی جانب توجہ کریں، کیونکہ دنیا کے ظاہری حسن و جمال نے ان کی عقلوں اور دلوں کو اندھا کر دیا تھا لہذا امام علیہ السلام اہل بیت رسول کے مقام و مرتب کا تعارف کراکر اور رسولؓ سے ان کی نسبت کو بیان کرکے اہل کو فہ کو آگاہ کرنا چاہتے تھے کہ وہ لوگ جان لیس کہ وہ ایک گناہ عظیم کے مرتکب ہونے والے ہیں اور غضب الی کو اینا مقدر بنانے والے ہیں۔ ظاہری طور پر اگر دیکھا جائے توامام حسینؓ نے اہل کو فہ کے سامنے اس خطبے کو ارشاد فرمایا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ امامؓ نے اس خطبے میں قیامت بک کے انسانوں کو مورد خطاب قرار دیا ہے کہ جب کبھی وہ کسی انسان کا خون بہانے کے اس خطبے میں اتریں تو انہیں یہ غور کرنا چاہیے کہ وہ کس سے، کس لئے اور کس قیمت پر جنگ کر رہے ہیں۔ کسی بھی جنگ میں کو دنے سے پہلے ، جنگ کے فائدے اور نقصان کا موازنہ کرنا ضروری ہے یعنی کسی میں۔ کسی بھی جنگ میں کو دنے سے پہلے ، جنگ کے فائدے اور نقصان کا موازنہ کرنا ضروری ہے یعنی کسی مظلوم یا ہے گناہ کی جان لینے کے برلے ہم نے کیا یا یا اور کیا گھو یا ؟

امام اپنے اس خطبے میں دیگر اہم نکات کو بیان کرتے ہوئے پیغمبر اسلام سے اپنی نسبت کو بھی بیان کرتے ہیں اور اہل کو فیہ کوآگاہ کرتے ہیں تاکہ وہ جان لیں کہ انہوں نے اپنے رسول کی ذریت پر تلوار تھینچی ہے:

" اے لوگو! بتاؤمیں کون ہوں اور کس کافرزند ہوں؟ غفلت سے بیدار ہواور اپنے کو سرزنش کرواور آئھیں کھولو۔ کیا مجھے قتل کرنا اور میری حرمت کا پامال کرنا تمہارے کی علی کا فرزند نہیں ہوں؟ کیا میں تمہارے نبی کے جائز ہے؟ کیا میں تمہارے نبی کی بیٹی کا فرزند نہیں ہوں؟ کیا میں تمہارے نبی کے وصی اور بھائی کا بیٹا نہیں ہوں؟ کیا میں اس کا بیٹا نہیں ہوں جو سب سے پہلے خدا پر ایمان لا یا اور سب سے پہلے خدا پر ایمان کی گواہی دی؟ کیا سید الشداء ہمزہ ہمارے با باعلی کے لا یا اور سب سے پہلے نبی کی رسالت کی گواہی دی؟ کیا سید الشداء ہمزہ ہمارے با باعلی کے پچا نہیں ہیں؟ کیا تم نے ہمارے اور ہمارے بوائی کے بارے میں رسول خدا کی اس حدیث کو نہیں سنا کہ آپ نے فرمایا میرے یہ دو نوں بارے میں رسول خدا کی اس حدیث کو نہیں سنا کہ آپ نے فرمایا میرے یہ دو نوں خواس کی تصدیق کرتے ہو تو جان لویہ وہ خواس کی جس میں ذرہ برابر کسی شک کی گنجائش نہیں ہے۔ روز اول سے میں نے خائق ہیں کہ جس میں ذرہ برابر کسی شک کی گنجائش نہیں ہے۔ روز اول سے میں نے

کبھی جھوٹ نہیں بولا ہے کیونکہ میں جانتا ہوں خداوند جھوٹوں پر غضبناک ہوتا ہے اور جھوٹ کے نقصانات کو جھوٹ بولنے والے کے دامن میں ہی ڈال دیتا ہے۔ اگر تہہیں ہماری باتوں پر یقین نہیں ہے تو مسلمانوں کے در میان ابھی بھی اصحاب پیغیر موجود ہیں۔ ان سے جاکر پوچھ لو۔ جابر ابن عبداللہ انصاری، ابو سعید خدری، سہل بن سعد ساعدی، زید بن ارقم اور انس بن مالک سے پوچھو، وہ تہہیں بتائیں گے۔ انہوں نے میرے اور میرے بول خراکی احادیث کو سنا ہے۔ یہی ایک جملہ تہہیں میرا خون بہانے سے روک سکتا ہے۔ "

## پھرامامؓ فرماتے ہیں:

"اگر میرے اور میرے بھائی کے متعلق احادیث پیغیر میں شک ہے تو کیااس حقیقت سے بھی انکار کرتے ہو کہ میں تمہارے نبی کی بیٹی کا فرزند ہوں اور دنیا میں میرے سواکوئی اور فرزند رسول نہیں ہے؟ وائے ہو تم پر-کیا میں نے تمہارے کسی عزیز کو قتل کیا ہے جس کے بدلے تم مجھے قتل کر رہے ہو۔ کیا میں نے تمہارا کوئی مال لوٹا ہے یا تمہیں کوئی فقصان پہنچایا ہے جس کی تم مجھے سزادے رہے ہو؟"

امام حسین کے اس خطبے کا دوسرا حصہ عقلانی اور دینی حوالے سے ہدایت و معرفت کی آخری منزل پر ہے۔ خطبے کے اس جصے نے اہل کوفہ کی بہانہ تراشیوں کے سارے راستے بند کر دئے۔ البتہ اس خطبے میں اپنے حسب و نسب اور پینیبر اسلام سے اپنی نسبت کو بیان کرنے سے ہر گزامام کا مقصد بہ نہیں تھا کہ وہ موجودہ خطرے سے نجات پا جائیں بلکہ آپ چاہتے سے کہ اہل کوفہ پر یہ بات ثابت ہو جائے کہ وہ امام کی منزلت اور پینمبر سے آپ کی نسبت کو بخوبی جانے ہیں للذااب ان کے پاس کوئی ایساسیاسی، قانونی اور ساجی عذر نہیں رہ جاتا کہ جس کی وجہ سے وہ قتل امام کو اپنے لئے جائز گھر اسکیں۔ اہل کوفہ کی نگاہ سے حتی اگر فرض کیا جائے کہ خلیفہ کے خلاف قیام کرنے والے اور آ واز اٹھانے والے مہدور الدم ہیں اور ان کا

ا\_الارشاد، ص ۲۳۵

۲\_ مقتل الحسين ( جلد ۱) ، ص ۲۵۲؛ بلاذري ،احمد بن يجيٰ، انساب الاشراف، ص ۱۸۸

راه است لا)

خون حلال ہے تو یہ کام امام سے پہلے خود کو فہ والوں نے انجام دیا تھا یعنی سب سے پہلے خود اہل کو فہ ہی سے جنہوں نے خلیفہ کے خلاف آ واز اٹھائی تھی اور امام کو اپنی قیادت کے لئے دعوت دی تھی تاکہ امام کو فہ آئیں اور انہیں بنی امیہ کے خلاف آ واز اٹھائی تھی اور امام کو اپنی قیادت کے لئے دعوت دی تھی تاکہ امام کو فہ آئیں اور انہیں بنی امیہ کے ظلم و سے ستم سے نجات دلائیں۔ اس منظر سے اگر دیکا جائے تو پھر امام کا یہ اصلاحی قیام کسی عنوان سے بھی ایباجرم نہیں ہے جس کے باعث آپ کاخون مباح کر دیا جائے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ امام کا یہ خطبہ عقل و منطق کے اس مقام پر ہے کہ جس کے جواب میں اہل کو فہ کے پاس اب کہنے کے لئے پچھ نہیں بچا ہے یعنی امام کے اس خطبے نے ان کے سارے عذر و بہانوں کو خاک میں ملادیا۔

# عاشوره کے روز امامؓ کا دوسر اخطبہ

عاشور ہ کے دن امام ہے نے دوسرا خطبہ اس وقت ارشاد فرمایا جب عمر سعد نے امام کے مقابل اپنے لشکر کو صف آ راکیا، جنگ کی ڈھول و تا شے سے فضا گونج رہی تھی اور دشمن کا لشکر دونوں طرف سے اہل بیت کے خیموں کا محاصرہ کر کے امام پر بلغار کے لئے تیار ہو چکا تھا۔ ایسے حالات میں امام حسین اپنے لشکر سے باہر آئے اور اہل کو فیہ کو خطاب کر کے کچھ کہنا چاہا لیکن وہ لوگ اسی طرح شور و غل کرتے رہے تا کہ امام خطبہ نہ دے سکیں۔ لیکن امام نے پھر بھی انہیں خاموش رہنے کی نصیحت کر کے فرمایا:

"وائے ہوتم پر! تم خاموش کیوں نہیں ہوتے تاکہ میں اپنی وہ بات کہہ سکوں کہ جس میں تمہاری ہدایت و سعادت وخوشبختی میں تمہاری ہدایت و سعادت ہے۔ جان لو! جو میری پیروی کرے گاوہ میں سعادت وخوشبختی سے ہمکنار ہوگا اور جو ہماری مخالفت کرے گاوہ ہلاک ہونے والوں میں ہوگا۔ تم سب کے سب عاصی اور سرکش ہو، ہمارے حکم کی مخالفت کرتے ہو اور ہماری گفتگو کو سن نہیں رہے ہو کیونکہ تمہاری جھولیاں حرام تحفول سے پر ہیں اور تمہارے شکم حرام غذاؤں سے بھرے ہوئے ہیں لنذا اللہ نے تمہارے دلوں پر مہر لگادی ہے۔ وائے ہو تم پر! کیا تم خاموش نہیں ہوگے تاکہ میری باتوں کو سن سکو۔"

اله سخنان امام حسین از مدینه تا کربلا، ص ۲۴۵

امام حسین کی اس سرزنش کے بعد، لشکر عمر سعد کے سپاہی ایک دوسرے کی ملامت کرنے لگے کہ تم لوگ کیوں نہیں خاموش ہوتے اور پھر ایک دوسرے کو خاموش کرانے لگے۔ جب کو فیہ والے پچھ خاموش ہوئے توامامؓ نے فرمایا:

"اے لوگو! اے ذلت و خواری کے پیکر! حسرت ویاس تمہارا مقدر ہو۔ پہلے تو تم نے بڑے شوق سے اپنی نفرت و مدد کے لئے مجھ سے فریاد کی اور جب میں فریاد سن کر تمہاری مدد کے لئے تم تک آگیا تو تم لوگ اپنی تلواریں سونت کر اب ہمارے ہی قتل کے در پہاری مدد کے لئے تم تک آگیا تو تم لوگ اپنی تلواریں سونت کر اب ہمارے ہی قتل کے در پہاری تھو۔ فتنے کی جس آگ کو دشمن نے بھڑ کا یا تھا اب اس آگ میں مجھے ہی جلانا چاہتے ہو؟ اپنے دشمنوں کا ساتھ دے رہے ہواور اپنے قائد ور ہبر سے رخ موڑ لیا ہے؟ جب کہ دشمنوں نے نہ ہی اب تک تمہیں کوئی فائدہ پہنچایا ہے اور نہ ہی آئندہ ان سے کسی نفع اور فائدے کی امید ہے۔ سوائے دنیا کے ان چند سکوں کی خاطر جو تمہیں اب تک ملے ہیں یا اس ذلت بار زندگی کی مختفر آسائش کے خاطر کہ جس کی تمہیں لالج دی گئی ہے۔

ذرا آہتہ! وائے ہوتم پر کہ تم نے ہم سے منہ موڑ لیا اور میری مدد کرنے سے متبردار ہوگئے جب کہ نہ تو مجھ سے کوئی خطا ہوئی ہے اور نہ ہی تم نے مجھ سے کسی باطل عقیدے کا مشاہدہ کیا ہے۔ جب شمشیریں نیام میں تھیں، دل آ سودہ تھے اور حالات معمول پر تھے تو تم لوگ ٹڈیوں کی مانند ہر جانب سے ہم پر ٹوٹ پڑے اور پر وانوں کی طرح ہمارے گرد منڈلانے لگے۔ تمہارا بخت سیاہ ہو کہ تم لوگوں نے ایک سر کش امت اور فاسد جماعت کی طرح قرآن کو لیس پشت ڈال دیا ہے۔ تم شیطان کے چیلے اور جرم و جنایت کے متوالے ہو، کتاب خدا میں تحریف کرنا اور سنت رسول کو پامال کرنا تمہارا شیوہ ہے، تم اپنے نبی کی دریت کے قبل پر آ مادہ ہو اور وصی نبی کی نسل کو مٹانا چاہتے ہو۔ تم لوگ بد نسب کو نسب واللہ بنانے والے اور مومنوں کو تکلیف پہنچانے والے ہو۔ دین اور مذہب کا مصحکہ اڑانے والے ہو اور تم سب مل کر قرآن کا مذاق اڑا نے پر تلے ہوئے ہوں.. ہوشیار رہو! خدا کی وقتم اس جنگ کے بعد تمہیں اتنی مہلت نہیں ملے گی کہ تم اپنی آ رزو کو پورا ہوتا دیکھ سکو۔ تم وسم ساس جنگ کے بعد تمہیں اتنی مہلت نہیں ملے گی کہ تم اپنی آ رزو کو پورا ہوتا دیکھ سکو۔ تم وسم سے گی کہ تم اپنی آ رزو کو پورا ہوتا دیکھ سکو۔ تم وسم سے گئ اسے تھوڑ وں پر سوار ہوت تک خوش ہو لوکہ عنقریب تمہارے حالات اس قدر حب تک اپنے گوڑوں پر سوار ہوت تک خوش ہو لوکہ عنقریب تمہارے حالات اس قدر حب تک اپنے گوڑوں پر سوار ہوت تک خوش ہو لوکہ عنقریب تمہارے حالات اس قدر

دگر گوں ہو نگے کہ تم حالات کی چکی میں پس کررہ جاوگے۔ بے شک بیہ وہ پیشنگوئی ہے جسے ہمارے با با علی نے ہمارے جد رسول خدا سے نقل کیا ہے - تم اپنے شرکا کو بلالواور اپنے باطل فیصلے کو عملی کرلواور جو جی چاہے کر گزرواور مجھے کسی طرح کی مہلت نہ دو۔ میرا باعلی فیصلے کو عملی کرلواور تمہاراسب کا خدا ہے اور کوئی زمین پر چلنے والاالیا نہیں ہے جس پراس کا قبضہ نہ ہو۔"ا

امام گا دوسرا خطبہ کافی مفصل ہے۔ امام نے اس خطبے میں حقائق کو روشن کرتے ہوئے اہل کو فہ پر جت تمام کردی۔ اس خطبے کے بعض جملوں میں اہل کو فہ کے باطل عقائد اور ان کے ساہ انجام کو بھی آشکار کیا ہے جیسے کہ امام گااس بات پر زور دینا کہ حرام لقمے اور حرام غذاؤں سے پیٹ بھر نے کے باعث ان کے کان اس قدر عگین ہو چکے ہیں کہ حق کی باتوں کو سننے کے قابل نہیں ہیں۔ امام علیہ السلام نے ان جملوں میں اہل کو فہ کے گذشتہ کر توت اور معاویہ کے سکوں کی کھنگ کو یاد دلاتے ہوئے، ان کے ماضی کی بے وفائیوں میں اہل کو فہ کے گذشتہ کر توت اور معاویہ کے سکوں کی کھنگ کو یاد دلاتے ہوئے، ان کے ماضی کی بے وفائیوں کے اسباب سے بھی پر دہ کشائی کی ہے کہ ان لوگوں نے کس طرح معاویہ کی جانب سے ملنے والے چند سکوں کی غاطر مولائے کا ننات اور امام حسن کی عادلانہ حکومت کو چھوڑ کر معاویہ کے پرچم سلے اکھٹا ہو گئے۔ گویا آج پھر تاریخ دم رائی جار ہی ہے اور ایسے لوگوں کو دنیا نے اس قدر اندھا کر دیا ہے کہ یہ حق کو دیکھنے سے معذور پیں۔

نیزامام نے اس بات کی تشر تے کر دی کہ اہل کو فہ میں اتنا شعور کیوں نہیں ہے کہ وہ پاسداران وحی خصوصاً امام حسین کی شخصیت کو بہچان سکیں کہ جن کی شخصیت اور فضیلت کے بارے میں وہ بارہا پیغیر سے مستے رہے ہیں۔ دوسرااہم نکتہ جواس خطیے میں ہے وہ یہ کہ امام نے بارہا اس بات پر تاکید کی ہے کہ آپ خود نہیں آئے ہیں بلکہ اہل کو فہ کے دعوت ناموں کے سیلاب نے امام کو آنے پر مجبور کیا۔ یعنی امام علیہ السلام نے اہل کو فہ کے دعوت ناموں کے سیلاب نے امام کو آنے پر مجبور کیا۔ یعنی امام علیہ السلام نے اہل کو فہ کے لئے یہ بات بالکل واضح کر دی کہ جب تم لوگوں نے خود ہی خط لکھ کر اپنی مدد کے لئے مجھے بلایا ہے تو پھر اب اپنے کئے ہوئے وعدوں کے خلاف کیوں جارہے ہو۔ آخر میں امام علیہ السلام اس مسئلہ کو بھی واضح کر دیتے ہیں کہ اس جنگ میں آپ اور آپ کے اصحاب کا شہید ہو نا آپ کے لئے سب سے بڑی

ا- تحف العقول، ص ا 11؛ مقتل الحسين ( جلد ۲ ) ، ص ٧

سعادت ہے کیونکہ میدان جنگ میں اپنے دسمن کو قتل کر دیناہی کامیابی نہیں ہے بلکہ حق کی راہ میں خواہ ہم قتل کریں یا قتل ہو جائیں، ہر حال میں ہم کامیاب ہیں۔ شکست ہمارے لئے کوئی معنی نہیں رکھتی۔ امام حسین اپنے خطبے کے آخری جملوں میں اہل کوفہ کے دنیوی اور اخروی انجام کے بارے میں بھی پیشنگوئی کرتے ہیں۔ اور تاریخ گواہ ہے کہ جسیاالمام نے فرمایا تھا ویساہی ہوا۔ آپ اور آپ کے اصحاب کے قاتل جن غیر انسانی جرائم کے مرتکب ہوئے تھے، مختار ثقفی کے ہاتھوں اسی انداز میں اپنے انجام کو پہنچے۔

# امامٌ كاآخرى خطبه

امام حسین کے دوسرے خطبے کے بعد جنگ شروع ہو گئی، امام کے باوفا اصحاب ایک ایک کر کے میدان میں گئے اور پوری شجاعت و بہادری کے ساتھ جام شہادت نوش کیا، یہاں تک کہ سپاہ امام کے علمدار حضرت عباس بن علی جو دریائے فرات پر پانی لینے گئے تھے تاکہ بچوں کی بیاس بجھا سکیں، انہیں بھی دریائے فرات سے والی پر شہید کر دیا گیا۔ اب جب کہ امام بالکل اکیلے رہ گئے اور اہل بیت کی تنہا امید آپ تھے، آپ خیمے میں واپس آئے اور اہل حرم کو خطاب کر کے فرمایا:

"رنج وغم اور مصیبتوں کے لیے تیار ہو جاؤ, جان لو کہ خدا تمہارا حافظ و بگہبان ہے جو عنقریب دشمن تمہیں نجات دے گااور تمہاراانجام ختم بخیر ہوگا۔ یہ دشمن تمہیں خقر یب دشمن تمہیں نجات دے گااور تمہاراانجام ختم بخیر ہوگا۔ یہ دشمن تمہیں طرح طرح کے عذاب میں مبتلا کرے گالیکن خدائے وحدہ لاشریک تمہاری ان مصیبتوں کے عوض تمہیں طرح طرح کی نعمتوں اور کرامتوں سے نوازے گا۔ پس گلہ اور شکوہ نہ کرو، ایسے الفاظانی زبان پر نہ لانا جس سے تمہارے صبر ویائیداری کی قدر کم ہو جائے۔"

امام علیہ السلام نے اپنی اور اپنے باوفا اصحاب کی عور توں اور بچوں کو اس وقت یہ اطمینان دلایا جب وہ تنہائی کے خوف اور خیموں کے غارت ہونے کے ڈر سے مضطرب و پریشان تھے چو نکہ امام ان کے حالات سے آگاہ تھے اور آپ جانتے تھے کہ انہیں قتل نہیں کیا جائے گا اور اللہ کی مرضی بھی یہی تھی کہ رسول اللہ کے اہل بیت خصوصاً جناب زینب سلام اللہ علیہا اور امام زین العابدینؓ (جو کہ اس وقت بیاری کی وجہ سے جنگ کرنے بیت خصوصاً جناب زینب سلام اللہ علیہا اور امام زین العابدینؓ (جو کہ اس وقت بیاری کی وجہ سے جنگ کرنے

ا ـ مقرّم ، سيد عبدالرزاق ، مقتل الحسين ، ص ٢٣٣٤؛ سخنان امام حسين از مدينه تا كربلا، ص ٣٣٠٠

سے معذور تھے) اس واقعہ کے بعد بھی زندہ رہیں تا کہ اپنے خطبوں کے ذریعہ قیام عاشورہ کے حقائق کو دوسری نسلوں تک منتقل کریں۔

اییا لگتا ہے کہ امام کی انہیں تفیحتوں کے باعث جناب زینب (ص) نے جن کے کاند ھوں پر اسیر وں کی قیادت اور پاسداری کی ذمہ داری تھی، جب اہل کو فہ کے سامنے خطبہ دیا یا جب عبیداللہ بن زیاد کی بیہودہ گوئی کے جواب میں لب کشائی کی تو آپ (ص) کی گفتگو نہایت محقول و مدلل اور مد مقابل کو رسوا کر دینے والی تھی۔

امام حسین ، امام سیاڈ کو ضروری تھیجتیں کرنے کے بعد رخصت ہوئے اور میدان جنگ میں آئے اور رجز کے طور پر جو اشعار پڑھے اس میں اس بات پر تاکید کی کہ اللہ کی راہ میں قتل ہو جانا ننگ و عارسے بھری زندگی جینے سے بہتر ہے اور اس چند روزہ دنیا میں رسوا ہونا جہنم کی آگ سے بہتر ہے۔ دوران جنگ جب آپ دشمن سے تن بہتن مقابلہ کر رہے تھے، لشکر عمر سعد کے کچھ سپاہی آپ کو روحی تکایف پہچانے کے لئے جب آپ کے خیموں کی جانب بڑھے، تب آپ نے ان لفظوں میں انہیں للکارا:

"اے آل ابی سفیان کے شیعو اور اس کے چاہنے والوں! اگر تمہارے پاس دین نہیں ہے تو کم سے کم اپنے ہو تو کم سے کم اپنے بررگوں کی سیرت پر چلواور انسانی شرافت کو پامال نہ کرو۔"

امام گایہ خطاب در حقیقت ایک عالمی منشور آزادی و آزادگی ہے جسے امام نے عصر عاشور بیان کیا۔ اس کلام کا مطلب یہ ہے کہ اگر انسان بے دین بھی ہے تو پھر بھی اسے آزاد مر در ہنا چا ہے اور انسانیت و شرافت کا احترام کرنا چا ہے۔ اسی طرح آپ کی زندگی میں لشکر عمر سعد کا المبیت کے خیام کی جانب حملہ کرنا، عمر سعد کا احترام کرنا چا ہے۔ اسی طرح آپ کی زندگی میں لشکر عمر سعد کا المبیت کے خیام کی جانب حملہ کرنا، عمر سعد کے سیابیوں کی پہتی و ر ذالت کی نشان دہی کرتا ہے کہ دین صرف ان کی زبانوں پر تھا اور حقیقت دین اور آداب انسانیت سے وہ بالکل بے بہرہ تھے۔ امام کے اس کلام سے یہ بھی پتہ چاتا ہے کہ بشر کے لئے اللہ کاسب سے بڑا مدیہ آزادگی ہے جس کی حفاظت مرح یت پند انسان کا اولین فریضہ ہے۔ اسی حریت و آزادی کی راہ میں شہید ہونے والے انسان اعظم کا نام حسین بن علی ہے۔

ا يحار الانوار (جلدهم)، ص٥٥

\_\_\_\_

### نتيجه:

امام حسین کی تحریک عاشورہ میں مختلف پہلوؤں سے عقلانیت کا عضر پایاجاتا ہے جیسے تحریک کے اہداف اور ان اہداف اور تیا تحریک کے لئے بہت ضروری ہیں۔ امامؓ کے دینی فریضے اور قیام کے نتائج کے متعلق میہ کہنا ضروری ہے کہ امام حسینؓ کی نظر دو طرح کے نتیجوں پر تھی۔ ایک وہ نتائج جسے قیام کا ابتدائی اور فوری متیجہ کہا جاسکتا ہے۔ دوسرے وہ نتائج جو آپ کے قیام و شہادت کے بعد حاصل ہونے والے تھے۔

قیام کے اہم ترین فوری نتائج میں سے اموی عکومت کی قانونی حیثیت پر ضرب لگانا اور خواب غفلت میں سوئے ہوئے لوگوں کو بیدار کرنا تھا جیسا کہ قیام کے بعد لوگوں کی یہی بیداری سبب بنی کہ وہ بنی امیہ کی جابرانہ سلطنت کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے جس سے ان کی حکومت کافی حد تک کمزور ہوئی۔ اور آخر کار قیام امامؓ کے تقریباستر سال بعد ان کاسلسلہ حکومت خاک میں مل گیا اور امامؓ کے اکثر و بیشتر قاتل بھی اپنے کیفر کردار تک پہنچ۔ تحریک عاشورہ کے طویل مدت نتیجوں میں سے ایک یہ تھا کہ دنیا کے تمام حریت پند انسانوں خصوصاً شیعوں کے اندر ظلم ستیزی کا جذبہ پیدا ہو گیا اور اسلامی معاشرے میں سنت نبوی و سیرت علوی دوبارہ زندہ ہونے گی اور مسلمانوں کی طرز زندگی کو ایک نیارخ ملا۔

امام حسین کے دینی فریضے میں عضر عقلانیت کی تشر تے اس طرح ہوتی ہے کہ امام علیہ السلام ہر موقع پر سدنت نبوی و قرآن کریم سے اپنے قیام کی تائید کرتے رہے یعنی ظلم و ظالمانہ حکومت کے خلاف آواز اٹھانا اور عدالت و آزادی کی راہ میں جد و جہد کرنا اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر عمل کرنا ایک ایسا عمل ہونے کی ایک ایسا عمل ہے جو تمام مسلمانوں پر واجب ہے۔ حتی اگر فوری طور پر کوئی مادی نتیجہ حاصل ہونے کی امید نہ ہو پھر بھی ہم حریت پیند انسان خصوصاً مسلمانوں کا دینی فریضہ ہے کہ وہ ظلم و ستم کے خلاف قیام کریں۔

#### منابع ومآخذ

- 🖈 ابن اثير ، عز الدين على بن محمه ، الكامل ، بيروت ، ١٣٨٧ق
- 🖈 ابن طاووس، رضی الدین علی بن موسی، لهوف، اسوه، تهران
  - بلاذری، احمد بن یحیٰی، انساب الاشراف، بیروت، ۱۳۹۷ق

راه است لا)

حرانی، حسن بن شعبه، تحف العقول، نشراً ل علی، قم، ۱۳۹۴ش

- 💠 خوارزی، احمه، مقتل الحسین، انوار الهدی، تهران، ۱۳۶۷ ش
- 💠 مجلسی، باقربن محمد تقی، بحار الانوار، چاپ اسلامیه، تهران، ۱۲۸اق
- مفید، محمد بن محمد بن نعمان ، الارشاد ، دار الکتب الاسلامیه ، تهر ان ، ۱۳۸۸ ش
  - مقرم، سيد عبد الرزاق، مقتل الحسين، مطبعة آ داب، نجف، ١٣٩١ق
- 💠 منجى، محمد صادق، سخنان امام حسينً از مدينه تا كربلا، بوستان كتاب، قم، ١٣٩٣ش

# جناب زینب(س) کے کوفہ وشام کے خطبوں میں قرآنی استنادات

تالیف: اصغر طههاسبی بلداجی ترجمه: مولانا ڈاکٹر گلزار احمد خان

جناب زینب (اس) حقیقت اور کمال کے متلاشی انسانوں کے لئے ایک نمونہ اور اسوہ ہیں۔ آپ کی علمی و عملی سیرت سب کے لئے سبق آ موز ہے۔ آپ کی عظمت کے لئے اتناہی کافی ہے کہ آپ کا نام اللہ تعالی نے خود رکھا ہے اور حضرت علی نے آپ کو قدر کی نگاہوں سے دیکھا ہے اور حضرت علی نے آپ کو تفییر قرآن کی اجازت عطافر مائی ہے۔ آپ کا لقب نائبة الزهر اسے، آپ حسنین کی یار و عمخوار تھیں اور واقعہ کر بلاکی جاود انگی کاراز آپ کے خطبوں میں مضمرہے۔

جناب زینب (<sup>()</sup>) کی شخصیت کا ایک اہم پہلوآ پ کے کلام میں قرآنی آیات کی بخل ہے جو آپ کی سیرت میں بھی متجلی ہے۔ اس مقالہ میں کوفہ وشام میں جناب زینب <sup>()</sup> کے خطبوں میں موجود قرآنی حوالوں کا مطالعہ کیا گیا ہے۔

# جناب زينب (<sup>س)</sup> كى قرآنى خاندان ميں پرورش

جناب زینب (<sup>(1)</sup> کے کلام میں قرآنی آیات کی مجلی کو سمجھنے کے لئے آپ کی شخصیت کا مطالعہ ضروری ہے۔ کسی بھی فرد کی شخصیت کے پروان چڑھنے میں اس کے خاندان اور مر بی کااہم کردار ہوتا ہے۔ جناب زینب (<sup>(1)</sup> نے خانوادہ وحی میں آ تکھیں کھولیں۔ اس حوالے سے آپ کو عقیلہ وحی، عقیلۃ النبوہ اور رضیعہ وحی جیسے القاب سے یاد کیاجاتا ہے۔ ان القاب سے آپ کی المی تربیت اور قرآنی شخصیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ قرآن جناب زینب (<sup>(1)</sup>) کے گوشت و پوست میں پیوست ہو چکا تھا اور سے بات آپ کے قول و فعل میں واضح طور پر

نمایاں ہے۔ آپ کے قرآنی مقام و منزلت کو سیجھنے کے لئے سب سے پہلے آپ کے خاندان کے افراد کو پہچاننا ضروری ہے۔

آپ کے جد بزر گوار حضرت محمد مصطفیؓ روئے زمین پر کامل ترین انسان ہیں جن کے بارے اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے:

وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ - ترجمہ: اور آپ بلند ترین اخلاق کے درجہ پر ہیں۔ ا

مَّن يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدُ أَطَاعَ اللَّهَ وَمَن تَوَلَّى فَمَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِ مُحَفِيظًا - ترجمہ: جو رسول کی اطاعت کرے گااس نے اللہ کی اطاعت کی اور جومنہ موڑ لے گاتو ہم نے آپ کو اس کاذمہ دار بناکر نہیں بھیجا ہے۔ ا

\*\*

وَمَا يَنطِقُ عَن الْهُوَى ل ترجمه: اور وه اني خوابش سے كلام بھی نہيں كرتا ہے۔"

جناب زینب (<sup>۱)</sup> کی ولادت کے بعد پیغیبر اسلامؓ نے آپ کو سینہ سے لگا یا اور آپ پر پڑنے والی مصیبتوں کو یاد کرکے گریہ کیا اور فرمایا میں اس امت کے حاضر و غائب سبھی کو وصیت کرتا ہوں کہ اس بچی کی حرمت کو برقرار رکھیں۔"

آپ کے پدر بزر گوار حضرت علیؓ ہیں جن کی شان میں ستّر آیتیں نازل ہو کیں ہیں <sup>6</sup>،جو قرآن ناطق تھے اور آپ کے کلام میں قرآن صاف ظاہر تھا۔ پیغیبر رحمت نے آپ کو اپناسب سے قریبی فرد، دنیا وآخرت

ا۔سورہ قلم ،آیت ہم

۲۔ سورہ نساء ، آیت ۸۰

٣ ـ سوره نجم ،آيت ٣

۴- سید مصطفیٰ موسوی خرم آبادی، سیر ه واندیشه حضرت زینب، ص ۳۳ ۵- شیخ صدوق، خصال ( جلد ۲)، ص ۳۶۸

میں اپنا بھائی '،سب سے پہلے ایمان لانے والا، سب سے زیادہ جاننے والا، سب سے زیادہ بہادر اور صبر کرنے والا اور سب سے زیادہ یقین والا بتایا ہے۔ '

آپ کی والدہ گرامی جناب فاطمہ زمرا (اللہ) جو قرآن ناطق تھیں اور جن کی ثنان میں سورہ کوثر نازل ہوئی ہے "۔ آپ کے دونوں بھائی امام حسن مجتبی اور امام حسین اپنے والد کے بعد سب سے بازل ہوئی ہے "۔ آپ کے دونوں بھائی امام حسن مجتبی اور امام حسین اپنے بر اسلام نے فرمایا جو برے مفسر قرآن تھے "۔ یہ حضرات بھی قرآن ناطق تھے جن کے بارے میں پیغیبر اسلام نے فرمایا جو حسن و حسین کو دوست رکھے گا وہ گویا مجھے دوست رکھتا ہے اور جو ان سے دشمنی کرے گا وہ گویا مجھے سے دشمنی کررہا ہے "۔

جناب زینب (<sup>۱۷)</sup> کی اس خاندان میں پرورش ہوئی اور آپ نے ایس عظیم شخصیات سے درس حاصل کیا۔ ایسا خاندان جس کے بارے حضرت علی فرماتے ہیں: فیھِم کَرائِمُ القرآن وَ هُم کُنوزُ الرَّحمن ' ۔ سارے قرآنی فضائل اس خاندان کے لئے ہیں اور وہ زمین پر اللہ تعالی کے خزانے ہیں۔

# جناب زینب (<sup>()</sup> کے خطبوں میں قرآن کی عجل

کوفہ و شام میں جناب زینب (<sup>()</sup>) کے خطبوں نے کفر ، نفاق و ظلم و ستم کی بنیادوں کو ہلادیا اور حق کو آشکار کردیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جناب زینب (<sup>()</sup> اور امام سجاڈ کے خطبوں کے بدولت ہی امام حسین گی تحریک کامیابی سے ہمکنار ہوئی۔ کوفہ و شام میں آپ کے خطبوں نے ظلم و ستم کی حکومت کو ذلیل و خوار کیا اور امام حسین کے قیام کو دنیا کے حریت پیندوں کے لئے ایک نمونہ بنادیا۔

کوفہ و شام میں جناب زینب (<sup>()</sup> کے خطبوں کو سمجھنے سے پہلے ہمارے لئے اس ماحول کو سمجھنا ضروری ہے جس میں یہ خطبے دئے گئے ہیں۔ اتن مصیبتوں کو برداشت کرنے کے بعد اور اسیری کی حالت

ا ـ جلال الدين عبدالرحمٰن سيوطي، تاريخ الحلفا، ص ٠ ٧ ا

٢\_محب الدين طبري، الرياض النضره في مناقب العشره، ص ٩٥

۳ ـ سید محمد حسین مؤمنی، فاطمه زمرا بانوی بهشت، ص ۲۲

۴- شوشتری،الحضائص الحسینیه، ترجمه میر زامچمه حسین شهر ستانی، ص ۳۳۵-۳۲۵

۵\_ محمد باقر مجلسی، بحار الانوار ( جلد ۳۳)، ص ۲۶۴

۲ منج البلاغه، خطبه ۱۵۴

راه اسلا

میں تقریر کرنااور وہ بھی ایسے شہر میں جہاں کبھی معلم و مفسر قرآن کی حیثیت سے آپ کا ایک نام رہا ہو، بہت مشکل کام ہے لیکن ان مصیبتوں اور حالات نے آپ کے دل و دماغ کو متأثر نہیں کیا اور آپ ایک خطیب و مفسر کی طرح تقریر کرتی ہیں اور آپ کی تقریر میں اتنی قاطعیت ہوتی ہے کہ پوراماحول بدل جاتا ہے۔آپ اپنی تقریر میں بار بار قرآنی آیوں کا حوالہ دیتی ہیں ا۔

#### كوفه ميں جناب زينب (الله) كا خطبه

قَالَ بَشيرُ بن خُزيمٍ الأسَدِى : وَنَظَرْتُ اللَّى زَيْنَبَ بِنتِ عَلَيٍّ عَلَيهِ السَّلامِ يَوْمَئِذٍ وَلَمْ اَرَ وَاللهِ خَفِرَهُ قَطُّ أَنْطَقَ مِنهَا، كَانَّمَا تُفَرِّعُ عَنْ لِسَانِ أُميرِ الْمُومِنِينَ عَلَيّ بنِ أَبِي طَالِبٍ عليهِ السَّلام وَقَد أَوْمَأْتَ اللَّى النَّاسِ أَنِ اسْكُتُوا فَارْتَدَّتِ الْاَنْفَاسُ وَسَكَنَتِ الْاَجْرَاسُ، ثُمَّ قَالَت:

الحمدُ الله والصّلاة على أبي مُحمّدٍ وآلِهِ الطّيّبِيْنَ الْاَحيَارِ؛ أَمَّا بَعْدُ يَا أَهْلَ الْكُوفَه! يَا أَهْلَ الخَيْلِ وَ الغَدْرِ؛ أَتَبْكُونَ؟! فَلا رَقَاتِ الدَّمْعَهُ وَلاَ هَدَأْتِ الرَّنَّهُ! النَّمَا مَثَلُكُمْ كَمَثُلِ (الَّتِي نَقَضَت غَزْلَها مِن بَعدِ قُوّةٍ أَنْكَاثاً تَتَجِدُونَ ايمانَكُمْ دَحَلاً إِنَّمَا مَثَلُكُمْ كَمَثُلِ (الَّتِي نَقَضَت غَزْلَها مِن بَعدِ قُوّةٍ أَنْكَاثاً تَتَجِدُونَ ايمانَكُمْ دَحَلاً بَيْنَكُم ) ألا وَهل فِيْكُم إلاَّ الصَّلِفُ وَالنَّطِفُ وَمَلقُ الإمَاء، وَ غَمْزُ الأَعْدَاءِ أو كَفِضَة عَلَى مَلحُودَه؟! ألا سَاءَ مَا قَدَّمَتْ لَكُمْ أَنفُسُكُم أَن سَخِطَ الله عَلَيْكُم وَ فِي مَلحُودَه؟! أي والله فَبكُوا كثيراً واضْحَكُوا قليلاً؟ أن سَخِطَ الله عَلَيْكُم وَ فِي مَلحُودَه؟! أي والله فَبكُوا كثيراً واضْحَكُوا قليلاً؟ فَلَقَدْ ذَهَبْتُم بِعَارِهَا وَ شَنَآنِهَا، وَلَنْ تَرْحَضُوهَا بِغَسَلٍ بَعْدَهَا أبداً، وَأَنِّي تَرحَضُونَ فَلْقَدْ ذَهَبْتُم بِعَارِهَا وَ شَنَآنِهَا، وَلَنْ تَرْحَضُوهَا بِغَسَلٍ بَعْدَهَا أبداً، وَأَنِّي تَرحَضُونَ فَلْقَدْ ذَهْبُتُم بِعَارِهَا وَ شَنَآنِهَا، وَلَنْ تَرْحَضُوهَا بِغَسَلِ بَعْدَهَا أبداً، وَأَنِّي تَرحَضُونَ فَلْقَدْ ذَهْبُتُم بِعَارِهَا وَ شَنَآنِهَا، وَلَنْ تَرْحَضُوهَا بِغَسَلِ بَعْدَهَا أبداً، وَأَنِّي تَرحَضُونَ فَلْقَدْ خَاتِهِ الْأَنْبِيَاءِ وَسَيِّدِ شَبَابٍ أهلِ الجَنَّةِ وَمَلاَذِ حِيْرَتِكُم وَمُفَانَ نَوْ بُعداً لَكُم وَسُحْقاً! فَلَقَدْ خَابَ وَضُربَتْ عَلَيْكُمُ الدِّلَةُ وَالمَسْكَنَةُ ، وَيْلَ لَكُم يَا اهْلَ الكُوفَه! أَيَّ كَبِدٍ فَلَا لَكُمْ وَسُحُقاً المَاتَ وَضُربَتْ عَلَيْكُمُ الدِّلَةُ وَالْمَسْكَنَةُ ، وَيْلَ لَكُم يَا اهْلَ الكُوفَه! أَيَّ كَبِدٍ فَلَا لَا اللهُ اللهُ وَلَا لَكُم يَا اهْلَ الكُوفَه! أَيَّ كَبِدٍ

ا ـ عبدالكريم، پاك نيا، خطبه حضرت زينب در كوفه وشام، ص ٢٥-٨٨

لِرَسُولِ اللهِ فَرَيتُم، وَأَى كَرِيمَه لَهُ أَبرَزْتُم، وَأَى دَم لَهُ سَفَكْتُم، وَأَى حُرمَة لَهُ الرَّسُولِ اللهِ فَرَيتُم، وَأَى حُرمَة لَهُ الرَّصُ الْتَهَكْتُم ؟ ( لَقَد جِئْتُم شَيْئاً إِذًا تَكَادُ السَّمَاواتُ يَتَفَطَّرُنَ مِنهُ وَتَنْشَقُّ الأرْضُ وَتَخِرُ الجِبَالُ هَدًا ) لَقَدْ جِئتُم بِهِم صَلْعَاءَ عَنَقَاء سَوَّاءَ فَقَمَاء (و فِي بَعضها خَرقَاءَ شُوهاء) كَطِلاعِ الأرضِ وَمُلاءِ السَّمَاء، أَفَعَجِئتُم أَن قَطَرَتِ السَّمَاءُ دَماً، وَلَعَذَابُ الآخِرَةِ الخَزى وَانتُم لاتُنصَرُونَ فلايَسْتَخِقَّنَّكُمُ المَهَلُ فَإِنَّه لا تَحْفِزُهُ ولَعَذَابُ الآخِرَةِ اَخزى وَانتُم لاتُنصَرُونَ فلايَسْتَخِقَّنَكُمُ المَهَلُ فَإِنَّه لا تَحْفِزُهُ اللّهِ الرَّه ولايُخافُ فَوتُ الثَّار ، وَإِنَّ رَبَّكُم لَبِالمِرصَادِ .

قَالَ: فَوَاللهِ لَقَدْ رَأَيتُ النَّاسَ يَومَئِذٍ حَيَارَى، يَبكُونَ وَقَد وَضَعُوا أَيدِيَهُم فِي وَرَأَيتُ شَيخاً وَ اقِفاً اِلَى جَنبِي، يَبكي الكَهَلِ وَشَبَابُكُم خَيرُ الشَّبَابِ وَنِسَاؤُ كُم خَيرُ الشَّبَابِ وَنِسَاؤُ كُم خَيرُ النَّسَاءِ وَنَسْلُكُم خَيْرُ نَسْلِ لاَيُحزَى وَلا يُبزَى

ترجمہ: بشیر بن خزیم اسدی کہتا ہے: عاشورہ کے بعد اہل بیت کے اسیر وں کو بازار کو فہ میں لایا گیا۔ اس دن میں زینب بنت علی کو دیچر رہا تھا؛ خدا کی قشم میں نے کبھی کسی خاتون کو خطابت میں ان کی طرح قصیح و بلیغ تقریر کرتے ہوئے نہیں دیکھا؛ گویا امیر المؤمنین علی بن ابیطالبؓ کی زبان سے بول رہی تھیں۔ آپ نے لوگوں سے مخاطب ہو کر غضبناک لیجے میں فرمایا: "خاموش ہوجاؤ"! تونہ صرف لوگوں کاوہ ججوم خاموش ہوا لگی اون ٹیس بند ہوگئے۔ پھر آپ نے فرمایا:

یہ کیفیت ہے کہ جیسے کثافت کی جگہ سبزی یااس جاندی جیسی ہے جو دفن شدہ عورت کی قبر پر رکھی جائے۔

آگاہ رہو! تم نے بہت ہی برے اعمال کاار تکاب کیا ہے جس کی وجہ سے خداوند عالم تم پر غضب ناک ہے۔ اس لئے تم اس کے ابدی عذاب و عتاب میں گرفتار ہوگئے۔ اب کیوں گریہ و بکا کرتے ہو؟ ہاں! بخداالبتہ تم اس کے سزاوار ہو کہ زیادہ رو اور ہنسو کم۔ تم امام علیہ السلام کے قتل کی عار و شنار میں گرفتار ہو چکے ہواور تم اس دھبے کو کبھی دھو نہیں سکتے اور بھلا تم خاتم نبوت اور معدن رسالت کے سلیل (فرزند) اور جوانان جنت کے سروار، جنگ میں اپنے بیث و پناہ، مصیبت میں جائے پناہ، منارہ جت، اور عالم سنت کے قتل کے الزام سے کیوں کربری ہو سکتے ہو۔ لعنت ہو تم پر اور ہلاکت ہے تمہارے لئے، تم نے بہت ہی برے کام کاار تکاب کیا ہے اور آخرت کے لئے بہت برا ذخیرہ جمع کیا ہے۔ تہراری کو شش رائیگان ہو گئے اور تم بر باد ہو گئے۔ تمہاری تجارت خمارے میں رہی اور تم خداکے غضب کا شکار ہو گئے۔ تم ذات و رسوائی میں مبتلا ہوئے۔

افسوس ہے اے اہل کو فہ تم پر ایکھ جانتے بھی ہو کہ تم نے رسول کے کس جگر کو پارہ پارہ پارہ کردیا؟ اور ان کا کون ساخون بہایا؟ اور ان کی کون سی چک حرمت کی؟ اور ان کی کن مستورات کو بے پردہ کیا؟ تم نے ایسے اعمال شنیعہ کار تکاب کیا ہے کہ آسان گرپڑیں، زمین شگافتہ ہوجائے اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہوجائیں۔ تم نے قتل امامٌ کا جرم شنیع کیا ہے جو بہنائی و وسعت میں آسان و زمین کے برابر ہے۔ اگر آسان سے خون برسا ہے تو تم تعجب کیوں کرتے ہو؟ یقیناً آخرت کا عذاب اس سے زیادہ سخت اور رسواکن ہوگا۔ اور اس وقت تہاری کوئی امداد نہ کی جائے گی۔ تنہیں جو مہلت ملی ہے اس سے خوش نہ ہو کیونکہ خداوند عالم بدلہ لینے میں جلدی نہیں کرتا کیونکہ اسے انقام کے فوت ہوجانے کا خدشہ خبیں ہے۔ یقیناً تمہار اخداا ہے نافر مان بندوں کی گھاٹ میں ہے۔

بثیر بن خزیم اسدی کہتا ہے: خدا کی قتم! اس دن لوگ جیران و پریثان تھے اور رورہے تھے۔ایک ضعیف شخص کو میں نے دیکھا کہ اس کی داڑھی آنسوؤں سے تر ہو گئ تھی اور وہ کہہ رہا تھا: تمہارے بوڑھے سب سے بہترین بوڑھے، تمہارے جوان سب سے بہترین جوان، تمہاری نسل بہترین نسل ہے بہترین جوان، تمہاری عور تیں سب سے بہترین عور تیں اور تمہاری نسل بہترین نسل ہے اور کھی بھی ذلت وخواری سے دوجارنہ ہو تگیں۔"

ایک برائت سے خطبہ کاآغاز: کوفہ میں جناب زینب (<sup>U)</sup>کا خطبہ بغیر بھم اللہ کے آغاز ہوتا ہے۔ ہم سب جانتے ہیں کہ ہم کام کاآغاز بھم اللہ سے ہوتا ہے جس سے اس کی اہمیت ظاہر ہوتی ہے اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کے علاوہ کسی چیز میں بقانہیں ہے اور جو کام اس کے نام سے شروع ہوگا اسے بقاحاصل ہوگی کیونکہ وہ خود ہمیشہ باتی رہنے والا اور فنانا پذیر ہے ارسول گرامی اسلام نے ارشاد فرمایا:

كلُّ امرٍ ذى بال لَم يُذكر فيهِ اسمُ اللهِ فَهُوَ اَبتَر - ترجمہ: كوئى بھى كام اگر الله ك نام عن الله عنه من الله عنه عنه عنه الله عنه ال

اب یہاں پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جناب زینب (۱) ان باتوں کو جانتے ہوئے بھی اپنے خطبہ کو بغیر بسم اللہ کے کیوں آغاز کرتی ہیں۔اس کا جواب ہمیں سورہ توبہ (برائت) میں مل جائے گا۔سورہ توبہ واحد سورہ ہے جو بنا بسم اللہ کے شروع ہوتی ہے اور اس کی وجہ بھی یہ ہے کہ بسم اللہ رحمت خداوندی کا مظہر ہے اور برائت و بیزاری کا اعلان رحمت کے ساتھ مناسب نہیں ہے ۔حضرت علی اس بارے میں فرماتے ہیں کہ سورہ توبہ بسم اللہ سے شروع نہیں ہوتی کیونکہ بسم اللہ رحمت کی علامت ہے اور یہ سورہ رفع امان اور اعلان جنگ کے لئے نازل ہوئی ہے ۔

عالمہ غیر معلّمہ جناب زینب (<sup>۷)</sup> نے سورہ توبہ سے استناد کرتے ہوئے اپنی تقریر کا بغیر بسم اللہ کے آغاز کیا کیونکہ آپ ایسے لو گول کے در میان تقریر کر رہی تھیں جنہوں نے اپنے عہد و پیان کو توڑ کر مشر کین و منافقین سے عہد و پیان کرلیا تھا۔ جناب زینب (<sup>۷)</sup>اپنی تقریر کے آغاز میں ہی ایسے مشر کین سے اعلان برائت

ا\_مراد على ، شمس، بإعلامه درالميزان ( جلدا) ، ص ٩٣٩

٢\_ بحار الانوار (جلد ١٦)، باب ٥٨

۳۰ محمد حسین جعفری، گلشان سوره با( جلد ۱)، ص ۲۸

٣- سيد ہاشم بحرانی، البرہان فی تفسیر اُلقرآن (جلد۲)، ص ۲۷۷

کرتی ہیں جنہوں نے اسلام کا لبادہ اوڑھ کر رسول خدا کی جانشینی کا دعوی کیا ہے۔ آپ اپنے کلام کو بسم اللہ کے بغیر آغاز کرتی ہیں کیونکہ اس قوم نے جت خدا کے ساتھ الیا سلوک کیا جس کی وجہ سے وہ دائمی عذاب کے مستحق ہوگئے۔

مر حال میں اللہ تعالی کا شکر: جناب زینب (اس) کی تقریر کا آغاز اللہ کی حمد و ثنا ہے ہوتا ہے۔ الحمد للہ۔ قرآن مجید کی مختلف آیات میں اللہ تعالی کی حمد و ثنا کی گئی ہے، سورہ فاتحہ آیت نمبر ۲، سورہ انعام آیت نمبر ۴۵ ، سورہ اعراف آیت نمبر ۳۵ اور دوسری آیتیں۔ جناب زینب (اس) کی تقریر کے اس حصہ میں قرآنی آیات کا انعکاس صاف طور پر دکھائی دے رہا ہے۔ جناب زینب (اس) ایسے وقت میں اللہ تعالی کی حمد و ثنا کر رہی ہیں جب آپ کا سب کچھ لٹ چکا ہے لیکن یہ حمد و ثنا عرفان و عبودیت کی وجہ سے ہے۔ جب ابن زیاد ملعون نے کہا کہ دیکھا اللہ نے تمہارے بھائی کے ساتھ کیسا سلوک کیا تو آپ نے فرمایا: ما رایتُ الا جمیلاً۔ میں نے خوبصورتی کے علاوہ کچھ نہیں دیکھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآنی معارف آپ کے حمیلاً۔ میں عبل جگہ بناچکا تھا جو آپ کے کلام سے ظاہر ہورہا تھا کہ آپ ہر چیز کو اللہ سے متعلق جانتی ہیں اور ہر حل میں حمد و ثنا بجالاتی ہیں۔

عبد و پیان تورنا: إنَّما مَثَلُكُم كَمَثَلِ الَّتى نَقَضَتْ غَزْلَها مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ الْكَاثَاء تمهارى مثال اس عرد تى سے جوابین دھاگے كوكاتنے كے بعد اسے عمرے عمرے كردیتى ہے۔ جناب زینب (اس) كے خطبہ كاس حصد میں سورہ نحل كى آیت نمبر ۹۲ كى طرف اشارہ كیا گیا ہے جہال ارشاد ہوتا ہے:

وَلَا تَكُونُوا كَالَّتِي نَقَضَتْ غَزُلَهَا مِنُ بَعُدِ قُوَّةٍ أَنْكَاثًا تَتَّخِذُونَ أَيُمَانَكُمُ دَخَلًا بَيْنَكُمُ أَن تَكُونَ أُمَّةٍ إِنَّمَا يَبُلُوكُمُ اللَّهُ بِهِ وَلَيُبَيِّنَ لَكُمُ يَوُمَ بَيْنَكُمُ أَلَى إِن أُمَّةٍ إِنَّمَا يَبُلُوكُمُ اللَّهُ بِهِ وَلَيُبَيِّنَ لَكُمُ يَوُمَ الْقَيْمَا مَةِ مَا كُنتُمُ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ - ترجمہ: اور خبر دار اس عورت کے مائند نہ ہوجاؤجس الْقِيّا مَةِ مَا كُنتُمُ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ - ترجمہ: اور خبر دار اس عورت کے مائند نہ ہوجاؤجس نے اپنے دھاگہ کو مضبوط کا تنے کے بعد پھر اسے گئڑے مُکڑے کرڈالا-کیاتم اپنے معاہدے کو اس چالا کی کا ذریعہ بناتے ہو کہ ایک گروہ دوسرے گروہ سے زیادہ فائدہ حاصل کرے-اللہ میں باتوں کے ذریعہ آزمار ہاہے اور یقیناً روزِ قیامت اس امرکی وضاحت کردے گاجس میں تم آپس میں اختلاف کررہے تھے۔

یہ آیت وفائے عہد کے بارے اس وقت نازل ہوئی جب مسلمانوں کی تعداد کم اور دشمنوں کی تعداد کم اور دشمنوں کی تعداد زیادہ تھی اور اس بات کا خطرہ تھا کہ بعض ست عقیدہ مسلمان اپنے عہد پیان سے بلیٹ جائیں لہذا اللہ تعالی انہیں اس آیت میں انتہاہ کررہا ہے ۔ دوسری آیوں میں بھی اس مضمون کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ ا

جناب زینب (<sup>س)</sup> کی تقریر بھی وفائے عہد اور اسے نہ توڑنے کے سلسلہ میں ہے جب کہ کو فیوں نے اپنے عہد و پیان کو توڑا تھا۔ عہد و بیان کی اہمیت کے بارے میں اتناہی کافی ہے کہ رسول خدائے فرمایا :

لادین لمن لا عهد له۔ ترجمہ: جو شخص اپنے عہد کا پابند نہیں وہ دیندار نہیں ہے ۔

جناب زینب (<sup>۱)</sup> نے اپنے خطبہ کے اس حصہ میں قرآنی استنادات کے ساتھ کو فیوں کی عہد شکنی کو ظاہر کیا ہے۔

عمد توڑ نے والوں کے لئے عذاب الی: اَلَا ساءَ مَا قَدَّمَت لَکُم اَنفُسَکُم اَن سَخِطَ عَلَيکُم وَ فِی العَذابِ انشُم خَالِدونَ۔ ترجمہ: تمہارے نفس نے تمہارے لئے قیامت میں جو سامان پہلے سے فراہم کیا ہے وہ بہت براہے اور عذاب میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔

اسی مضمون کو متعدد قرآنی آیتوں میں بیان کیا گیاہے:

تَرَىٰ كَثِيرًا مِّنُهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ أَنفُسُهُمْ أَنفُسُهُمْ أَنفُسُهُمْ أَن سَخِطَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَفِي الْعَذَابِ هُمْ خَالِدُونَ - ترجمه: ان ميں سے اکثر کو

ا ـ فضل بن حسن طبرس، مجمع البيان (جلد ٣)، ص ٢٨٣

٢-وَالَّذِينَ يَنقُضُونَ عَهْدَ اللَّهِ مِن بَعْدِ مِيثَاقِهِ وَيَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَن يُوصَلَ وَيُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ أُولَئِكَ لَهُمُ اللَّهُ بَيْ الرَّبِنَ عَلَيْتُ كَا اللَّهُ مَنْ اللَّهُ عَلَيْهُ اللَّهُ عَلَيْهُ اللَّهُ اللَّهُ اللَّهُ عَلَيْهُ اللَّهُ اللَّهُ اللَّهُ اللَّهُ عَلَيْتُ كَا اللَّهُ اللَّهُ اللَّهُ عَلَيْتُ كَا اللَّهُ اللَّهُ اللَّهُ عَلَيْتُ كَا اللَّهُ اللَّلَةُ اللَّهُ اللَّلَّةُ اللَّلَّةُ اللَّلُولُ اللَّهُ اللَّلُهُ اللَّلُولُ اللَّلَّةُ اللَّلُولُولُ اللَّهُ اللَّهُ اللَّلَّةُ اللَّلُولُولُولَ اللَّلَّةُ اللَّلَّةُ اللَّلُولُولُولُولَ اللَّلَّةُ اللَّلِي اللَّلِي الللللَّلُولُولُ اللَّلِلْمُ اللَّلِمُ الللللَّلُولُولُولَ اللَّلِلْمُ الللللَّلَّةُ الللللَّلُولُولُولُ اللَّلِلْمُ اللَّلِي اللللللَّلُولُولُولَ الللَّلْمُ الللللِلْمُ الللِي الللللْمُولِمُ الللللِّلِلْمُ ال

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَوْفُوا بِالْحُقُودِ-ترجمه: ايمان والواپي عهد و پيان اور معاملات کی پابندی کرو- (سوره مامُده، آیت ۱) ۳- بحار الانوار ( جلد ۲) ، ص ۱۴۴

آپ دیکھیں گے کہ یہ کفار سے دوستی کرتے ہیں-انہوں نے اپنے نفس کے لئے جو سامان پہلے سے فراہم کیا ہے وہ بہت براسامان ہے جس پر خداان سے ناراض ہے اور وہ عذاب میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ا

\*

جَلَىٰ مَن كَسَبَ سَيِّئَةً وَأَحَاطَتْ بِهِ خَطِيئَتُهُ فَأُولَئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمُوفِيهَا خَالِدُونَ - ترجمہ: یقیناً جس نے کوئی برائی حاصل کی اور اس کی غلطی نے اسے گھیر لیاوہ لوگ اہل جہنم ہیں اور وہیں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ '

وَهَنْ خَفَّتُ مَوَازِينُهُ فَأُولَئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنفُسَهُمُ فِي جَهَنَّمَ خَالِدُونَ حَسِرُوا أَنفُسَهُمُ فِي جَهَنَّمَ خَالِدُونَ سَرَجَمہ: اور جن کی نیکیوں کا پلہ ہاکا ہوگا وہ وہی لوگ ہوں گے جنہوں نے اپنے نفس کو خیارہ میں ڈال دیا ہے اور وہ جہنم میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ "

عقیلہ خاندان وحی اپنے خطبہ میں قرآنی آیوں سے الہام لیتے ہوئے عہد و پیان توڑنے والوں کو متنبہ کرتی ہیں: اَلا ساءَ مایَذرونَ، اور یہ جان لو کہ تم نے بہت براکیا۔ قرآن بھی اللہ تعالی کے بجائے دنیا کو پہند کرنے والوں کو اس طرح انتباہ کرتا ہے۔ ارشاد ہورہاہے:

قَدُ خَسِرَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِلِقَاءِ اللَّهِ حَتَّىٰ إِذَا جَاءَهُمُ السَّاعَةُ بَغُتَةً قَالُوا يَا حَسُرَتَنَا عَلَىٰ مَا فَرَّطْنَا فِيهَا وَهُمُ يَخْمِلُونَ أَوْزَارَهُمْ عَلَىٰ ظُهُورِهِمُ أَلَا سَاءَ مَا يَرْدُونَ - ترجمہ: بِ شَك ان لوگوں نے گھاٹا اٹھایا ہے جنہوں نے اللہ كی بارگاہ میں عاضری كو جھٹلایا۔ یہاں تک كہ جب اچانك قیامت آ جائے گی تو وہ لوگ كہیں گے ہائے

ا۔سورہ مائدہ، آیت ۸۰

۲\_سوره بقره ، آیت ۸۱

سـ سوره مؤمنون، آیت سا۱۰

افسوس، ہم سے اس کے بارے میں کیسی کوتا ہی ہوئی؟ اور وہ اپنے (گنا ہوں کے) بوجھ اپنی پشتوں پر اٹھائے ہوں گے۔ کیابر ابوجھ ہے جو وہ اٹھائے ہوئے ہیں۔ ا

خوارى و ذلت ظالمول كا مقدر: وَ بؤتُم بِغَضَبِ مِنَ الله وَ ضُرِبَت عَلَيكُمُ الذِّلَةَ وَالمَسكَنَة ـ ترجمه: بشك تم الله تعالى كے غضب سے دوچار ہوئ اور ذلت و مسكنت تم پر سايه كان ہو گئ ـ

جناب صدیقہ صغری اپنے خطبہ میں قرآنی آیوں سے استناد کرتے ہوئے کو فیوں کو ان کے انجام کے بارے میں بتاتی ہیں۔ بعض قرآنی آیتوں میں بھی اس مسئلہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے:

وَضُرِبَتُ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَاءُوا بِغَضَبٍ مِّنَ اللَّهِ ذَلِكَ بِأَنَّهُمُ كَانُوا يَكُفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ النَّبِيِّينَ بِغَيْرِ الْحَقِ ذَلِكَ بِمَا عَصَوا وَّكَانُوا يَعْتَدُونَ - ترجمہ: يَكُفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ النَّبِيِّينَ بِغَيْرِ الْحَقِ ذَلِكَ بِمَا عَصَوا وَّكَانُوا يَعْتَدُونَ - ترجمہ: اس لئے اب ان پر ذَلّت اور محتاجی کی مار پڑ گئ اور وہ غضب اللی میں گر فتار ہوگئے۔ یہ سب اس لئے ہوا کہ یہ لوگ آیات اللی کا انکار کرتے تھے اور ناحق انبیائے خدا کو قتل کردیا کرتے تھے۔ اس لئے کہ یہ سب نافر مان تھے اور ظلم کیا کرتے تھے۔ "

ضُرِبَتُ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةَ أَيْنَ مَا تُعَفَّوا إِلَّا بِحَبْلِ مِّنَ اللَّهِ وَحَبْلٍ مِّنَ اللَّهِ وَكَبْلٍ مِّنَ اللَّهِ وَكَبْلٍ مِّنَ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ مِنَ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ مِنَ اللَّهِ وَضُرِبَتُ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ذَلِثَ بِأَنَّهُمُ كَانُوا يَكُفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ مِّنَ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ اللَّهِ وَلَا كَمْ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ اللَّهُ عَلَى اللَّهِ عَلَى اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ عَلَيْهِ مَل اللَّهِ عَلَى اللَّهِ عَلَيْهِ وَيَعْتُلُونَ عَلَيْهِ مَل اللَّهِ عَلَى اللَّهُ عَلَيْكُونَ عَلَى اللَّهُ عَلَى الللَّهُ عَلَى اللَّهُ عَلَى اللَّلْمُ عَلَى اللَّهُ عَلَى اللَّهُ عَلَى اللَ

ا ـ سوره انعام ، آیت اس

۲ ـ سوره بقره ، آیت ۲۱

۳۔ سورہ آل عمران ، آیت ۱۱۲

کو فیوں کے گناہ اور جرم پر تاکید: آپ کو فیوں کی عہد گئی اور ان کے مستحق عذاب ہونے کے بارے گفتگو کرنے کے بعد ایک بار پھر کو فیوں کے جرم اور گناہ کو قرآنی حوالوں کے ساتھ اس طرح بیان فرماتی ہیں: اَیَّ کریمۃ لَهُ ابْرَزْتُم وَ اَی دَم لَهُ سَفَکْتُم وَ اَیّ حُرْمۃ له اِنتَهَکْتُم۔ ترجمہ: کس طرح تم نے عصمت و طہارت کی ناموس کو پردہ سے باہر نکالا۔ کس طرح رسول خدا کے خون کو بہایا اور ان کی حرمت کو یامال کیا۔

آپ اپنے خطبہ کے دوسرے حصہ میں اس بات کو قرآنی آیت سے اخذ کرتی ہیں جہال ارشاد ہوتا ہے:

لْقَدُ جِئْتُهُ شَيْئًا إِذًا (٨٩) كَادُ السَّمَاوَاتُ يَتَفَطَّرُنَ مِنْهُ وَتَنشَقُّ الْأَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدَّا - ترجمہ: یقینا تم لوگوں نے بڑی سخت بات کہی ہے - قریب ہے کہ اس سے آسان پھٹ بڑے اور زمین شگافتہ ہو جائے اور پہاڑ گلڑے گلڑے موکر گربڑیں۔ ا

یہ عبارت قرآن میں کافروں کے لئے استعال ہوئی ہے۔ پہلے قرآن کافروں کے اس قول کو نقل کرتا ہے کہ خدا صاحب فرزند ہے اور پھر سخت الفاظ میں ان کی مذمت کرتا ہے اور کہتا ہے کنتی بری بات تم نے زبان پر لائی ہے، قریب ہے کہ اس سے آسان پھٹ پڑے اور زمین شگافتہ ہوجائے اور پہاڑ گلڑے کہ زبان پر لائی ہے، قریب ہے کہ اس سے آسان پھٹ پڑے اور زمین شگافتہ ہوجائے اور پہاڑ گلڑے کو گلڑے ہو کر گرپڑیں کے گویا پوری ہستی جو توحید کی بنیاد پر قائم ہے، اس غلط انتساب سے وحشت واضطراب میں ہے کہ یہ واحد آیت ہے جمے ممکل طور پر جناب زینب (س) نے اس خطبہ میں بیان فرمایا ہے۔ آیت کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کو فیوں کا یہ عمل اس حد تک برا تھا کہ پوری کا کنات وحشت واضطراب میں مبتلا ہو جاتی ہے۔

ذليل كرنے والے عذاب سے ظالموں كو كوئى بچا نہيں سكتا: اَفَعَجَبْتُم اَن قَطَرَتَ السّماءُ دماً و لِعَذَابُ الاحرة أحرى و َهُم لايُنصرون - ترجمہ: كيا تم كو تجب بورہا ہے كہ آسان خون كے آنسورورہا ہے، جب كہ آخرت كاعذاب زيادہ رسواكرنے والا ہے اوروہاں كوئى تمہارى مدد نہيں كرے گا۔

ا ـ سوره مريم، آيت ۸۹-۹۰

۲-سید محمد علی طباطبائی، مجلی قرآن در کلام حضرت زینب، ص ۲۳ ۳- مکارم شیر ازی، ناصر، برگزیده تفییر نمونه ( ج ۳)، ص ۱۰۲

خطبہ کے اس حصہ میں جناب زینب (<sup>()</sup> قرآن کی اس آیت کی طرف اشارہ کرتی ہیں جس میں کہا گیا ہے کہ ظالموں کی مدد نہیں کی جائے گی:

أُولَا بِكَ الَّذِينَ المُتَرَوَّا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا بِالْآخِرَةِ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمُ يُنصَرُونَ - ترجمہ: یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے آخرت کو دے کر دنیا خریدلی ہے اب نہ ان کے عذاب میں تخفیف ہوگی اور نہ ان کی مدد کی جائے گی۔ ا

\*

وَجَعَلْنَاهُمْ أَنِعَةً يَدْعُونَ إِلَى النَّارِ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ لَا يُنصَرُونَ - ترجمہ: اور ہم نے ان لو گول کو جہنم کی طرف وعوت دینے والا پیشوا قرار وے دیا ہے اور قیامت کے دن ان کی کوئی مدد نہیں کی جائے گی۔ ا

لیکن اس حصه کااصل استناد سوره فصلت کی سولہویں آیت ہے:

فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا صَرْصَرًا فِي أَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ لِنَّذِيقَهُمْ عَذَابَ الْخِزُي فِي الْحَيَاةِ اللَّذِنْيَا وَلَعَذَابُ اللَّخِرَةِ أَخْزَىٰ وَهُمْ لَا يُنصَرُونَ - ترجمہ: تو ہم نے بھی ان کے اوپر تیزو تند آندھی کو ان کی نحوست کے دنوں میں بھی دیا تاکہ انہیں زندگانی دنیا میں بھی رسوائی کے عذاب کامزہ چکھائیں اور آخرت کاعذاب توزیادہ رسواکی ہے اور وہاں ان کی کوئی مدد بھی نہیں کی جائے گی۔

آپ تاکید کرتی ہیں کہ قیامت کے دن کوفیوں کی کوئی مدد نہیں کی جائے گی اوران پر ذلیل کرنے والا عذاب نازل ہوگا۔

الله تعالى ظالموں كى تاك ميں ہے: جناب زينب (١٠) اپنے خطبہ كے آخرى حصہ ميں سورہ فجر كى چود ہويں آيت سے استفادہ كرتے ہوئے كو فيوں كو مخاطب كرتى ہيں: ان ربك لبالمرصاد ـ اس آيت ميں

ا ـ سوره بقره ، آیت ۸۲ ۲ ـ سوره قصص ، آیت ۴

راه است لا)

الله تعالى بيه اعلان كرتا ہے كه اس كى ذات اور اس كے فرشتے انسان كو احاطه كئے ہوئے ہیں اور ظالموں كى ساز شوں كا كو كى فائدہ نہيں ہے۔

### در بارشام میں جناب زینب <sup>(س)</sup> کا خطبہ

شام کے دربار میں بھی جناب زینب (<sup>()</sup> نے ایک فصیح و بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا جس سے امام حسین کے قیام کے اہداف و مقاصد اور زیادہ واضح ہوتے ہیں۔ یہ خطبہ کوفہ کے خطبہ سے زیادہ طویل ہے اور اس میں قرآنی استناد ات بھی زیادہ ہیں جس سے آپ کی قرآن دانی ظاہر ہوتی ہے۔ ہم یہاں پر پہلے اس خطبہ کے متن کو پیش کرتے ہیں اور پھر اس کی تفسیر بیان کریں گے:

(ٱلْحَمْدُ بِلَةٍ رَبِّ الْعَالَمِين) وَصَلَّى اللهُ عَلَى جَدِّى سَيِّدِ المُرْسَلِينَ (صَدَقَ اللهُ) شُبْحَانَهُ كَذَلِكَ يَقُولَ: (ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةَ الَّذِينَ أَسَاؤُا السَّواى أَن كَذَّبُوا بآياتِ اللهِ شُبْحَانَهُ كَذَلِكَ يَقُولَ: (ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةَ الَّذِينَ أَسَاقُ السَّواى أَن كَذَّبُوا بآياتِ اللهِ وَكَانُوا بِهَا يَسْتَهْزِؤُنَ) أَظَنَنْتَ يَا يَزِيدُ حِيْنَ أَخَذْتَ عَلَيْنَا اَقْطَارَ الارْضِ وَضَيِّقْتَ عَلَيْنَا آفَاقَ السَّمَاءِ فَأَصْبَحْنَا لَكَ فِي إِسَارٍ نُسَاقُ الِيُكَ سَوقاً فِي قِطَار وَٱنْتَ عَلَيْنَا فَوْ السَّمَاءِ فَأَصْبَحْنَا لَكَ فِي إِسَارٍ نُسَاقُ النَّيْكَ سَوقاً فِي قِطَار وَٱنْتَ عَلَيْنَا فَوْ اللهِ هَوَاناً وَعَلَيكَ مِنهُ كَرَامَةً وَامْتِنَاناً وَأَنَّ ذٰلِكَ لِعِظَمِ خَطَرِكَ وَجَلَالَهِ قَدر كَ ! فَشَمَحْتَ بِأَنْفِكَ وَنظَرْتَ فِي عِطْفٍ، تَصْرِبُ أَصَدَريكَ فَرِحاً وَجَلَالَهِ قَدر كَ ! فَشَمَحْتَ بِأَنْفِكَ وَنظَرْتَ فِي عِطْفٍ، تَصْرِبُ أَصَدَريكَ فَرِحاً وَجَلَالَهِ قَدر كَ ! فَشَمَحْتَ بِأَنْفِكَ وَنظَرْتَ فِي عِطْفٍ، تَصْرِبُ أَصْرِبُ أَصَدَريكَ فَرَحا وَتَمْ اللهِ اللهِ اللهِ اللهِ اللهِ اللهِ اللهِ اللهُ اللهُ اللهُ اللهِ اللهُ اللهِ اللهُ اللهُ اللهِ اللهُ اللهُ اللهِ اللهِ اللهِ اللهِ اللهِ اللهِ اللهِ اللهُ اللهِ اللهُ اللهِ اللهُ اللهُ اللهُ اللهُ اللهُ اللهِ اللهِ اللهِ اللهِ اللهِ اللهُ اللهُ اللهُ اللهِ اللهُ اللهِ اللهُ اللهُ اللهُ اللهُ اللهُ اللهِ اللهُ اللهُ اللهُ اللهُ اللهُ اللهُ اللهُ اللهُ اللهِ اللهُ اللهُ اللهُ اللهِ اللهُ اللهُ اللهُ اللهُ اللهُ اللهِ اللهُ اللهِ اللهُ اللهُ

أمِنَ العَدلِ يَا ابْنَ الطَّلُقَاءِ تَخْدِيرُ کَ حَرَاثِرَ کَ وَسَوقُکَ بَنَاتِ رَسُولِ اللهِ سَبَايَا؟ قَد هَتَكْتَ سَتَورَهُنَّ وَأَبْدَيْتَ وُجُوهَهُنَّ يَحْدَو بِهِنَّ الأَعْدَاءُ مِنْ بَلَدٍ الَّى بَلَدٍ وَيَسْتَشْرِفُهُنَّ أَهْلُ المَنَاقِلِ وَ يَبْرَزْنَ لِآهْلِ المَنَاهِلِ وَيَتَصَفَّحُ وُجُوهَهُنَّ القريبُ وَالبَعِيدُ وَيَسْتَشْرِفُهُنَّ أَهْلُ المَنَاقِلِ وَ يَبْرَزْنَ لِآهْلِ المَنَاهِلِ وَيَتَصَفَّحُ وُجُوهَهُنَّ القريبُ وَالبَعِيدُ ، وَالغَائِبُ وَالشَّهِيدُ، وَالشَّريفُ وَ الوَضِيعُ وَالدَّنِيُّ وَالرَّفِيعُ ؟ لَيْسَ مَعَهُنَّ مِنْ رِجَالِهِنَّ ، وَالغَائِبُ وَالشَّهِيدُ، وَالشَّريفُ وَ الوَضِيعُ وَالدَّنِيُّ وَالرَّفِيعُ ؟ لَيْسَ مَعَهُنَّ مِنْ رِجَالِهِنَّ وَلِي مِن حُمَاتِهِنَّ حَمِيمٌ ؟ عَتَوَّا مِنكَ عَلَى اللهِ ، وَجَحُوداً لِرَسُولِ اللهِ ، و دَفعاً لِمَا

جَاءَ بِه مِن عِندِ اللهِ وَلَا غَرُو َ مِنْكَ وَلَاعَجَبَ مِن فِعْلِكَ ؛ وَ أَنّى يُرتَجَى مُرَاقَبَهُ مَن لَفَظَ فَوهُ أَكْبَادَ الشُّهِدَاءِ، وَنَصَبَ الحَرْبَ لِسَيِّدِ الأَنْبِيَاء وَجَمَعَ الأَحْزَابَ وَ شَهرَ الحِرَابَ وَهُوَ أَكْبُهُم وَهُوَ أَكْبُهُم اللهُ عَليهِ وَآله أَشَدُّ العَرَبِ لِلهِ جُحُوداً وَ أَنْكُوهُم وَهُزَّ السُّيُوف فِي وَجْهِ رَسُولِ اللهِ صَلى اللهُ عَليه وَآله أَشَدُّ العَرَب لِلهِ جُحُوداً وَ أَنْكُوهُم لَهُ عَدُواناً، وَأَعْتَاهُم عَلَى الرَّبِ كُفْراً وَطُغْيَاناً ، إلّا إنَّهَا نَتِيجَةُ خِلالِ الْكُفرِ وَضَبُّ يُحَرْجِرُ فِي الصَّدْرِ لِقَتْلَى يَومِ بَدرٍ فَلا يَسْتَبْطِئ فِي بُغْضِنَا أَهْلَ خِلالِ الْكُفرِ وَضَبُّ يُحَرْجِرُ فِي الصَّدْرِ لِقَتْلَى يَومِ بَدرٍ فَلا يَسْتَبْطِئ فِي بُغْضِنَا أَهْلَ النَّيْتِ مَن كَانَ نَظُرُهُ الْكُفر وَضَبُّ يُحَرِّحِرُ فِي الصَّدْرِ لِقَتْلَى وَاحْنَاوش ضَغَناً؛ يَظْهِرُ كُفْرَهُ بِرَسُولِهِ ، الْبَيْتِ مَن كَانَ نَظُرُهُ الْكِنَا شَنَفَا وَشَنَاناً، وَأَحْنَاوش ضَغَناً؛ يَظْهرُ كُفْرَهُ بِرَسُولِهِ ، وَهُو يَقُولُ فَرِحاً بِقَتْلِ وُلْدِه وَسَبِي ذُرِّيَتِهِ ،غَيرَ مُتَحَوِّب وَلَامُسْتَعْظم:

## لَاهَلُوا فَرَحاً وَاستَهلُوا فرحا وَلَقَالُوا يَا يَزيدُ لَاتُشَلَ

مَنْتَحِياً عَلَى ثَنَايَا أَبِى عَبْدِاللهِ وَكَانَ مُقَبَّلَ رَسُولِ اللهِ؛ تَنْكُتُهَا بِمِحْصَرتهِ، وَاستأصَلْتِ الشَّافَة، بِإِرَاقَتِكَ دَمَ سَيِّدِ شَبَابِ أهلِ الحَنَّهِ، وَابْنِ يَعسُوبِ العَرب، وَشَمسِ آلِ عَبْدِالمُطَّلِبِ؛ وَهَتَفْتَ بِأشيَاحِكَ وَتَقَرَّبْتَ بِدَمهِ إِلَى الكَفَرَهِ مِن أَسْلَافِكِ ، ثُمَّ عَبْدِالمُطَّلِبِ؛ وَهَتَفْتَ بِأشيَاحِكَ وَتَقَرَّبْتَ بِدَمهِ إِلَى الكَفَرَهِ مِن أَسْلَافِكِ ، ثُمَّ صَرَحْتَ بِنِدَائِكَ وَلَعَمرِى قَد نَادَيتَهُم لَو شَهِدُوكَ وَ وَشِيكاً تَشْهَدُهُم وَ لَتَوَدُّ يَمِينَكَ كَمَا زَعَمْتَ شُلَّتْ بِكَ عَنْ مِرْفَقِهَا، وَأَحْبَبْتَ أَمَّكَ لَم تَحْمِلْكَ وَأَبَاكَ لَمْ يَلِد كَ، كَمَا زَعَمْتَ شُلَّتْ بِكَ عَنْ مِرْفَقِهَا، وَأَحْبَبْتَ أَمَّكَ لَم تَحْمِلْكَ وَأَبَاكَ لَمْ يَلِد كَ، حَمَا زَعَمْتَ شُلُدُ بِكَ عَنْ مِرْفَقِها، وَأَحْبَبْتَ أَمَّكَ لَم تَحْمِلْكَ وَأَبَاكَ لَمْ يَلِد كَ، وَمَا فَيْتُ بِكَ عَنْ مِرْفَقِها، وَأَحْبَبْتَ أَمَّكَ لَم تَحْمِلْكَ وَأَبَاكَ لَمْ يَلِد كَ، وَمَا فَيْ اللهِ اللهُ اللهِ اللهِ اللهِ اللهُ اللهُ اللهُ اللهُ اللهِ اللهِ اللهُ الله

197

وَحَسْبُکَ بِاللهِ وَلَيَّا وَحَاكِماً وَبِرَسُولِ اللهِ خَصِيماً وَبِجِبرِئيلَ ظَهِيرًا وَسَيَعْلَمُ مَنْ بَوَّاکَ وَ مَكَّنَکَ مِن رِقَابِ المسْلِمِينَ، أَنْ (بِئْسَ لِلظَّالِمِينَ بَدلاً) وَأَنَّكُم (شَرُّ مَكَاناً وَ أَضَلُّ سَبِيلاً) وَمَا اسْتِصْغَارِى قَدْرَک، وَلَا اسْتِعْظَامِي تَقْرِيعَک، تَوَهُّما لَا نَتِحاعِ الخِطَابِ فِيکَ ، بَعْدَ أَنْ تَرَكْتَ عُيُونَ المُسْلِمِينَ بِهِعَيرَى وَ صُدُورَهُم لَا نِتِحاعِ الخِطَابِ فِيکَ ، بَعْدَ أَنْ تَرَكْتَ عُيُونَ المُسْلِمِينَ بِهِعَيرَى وَ صُدُورَهُم عِندَ ذِكْرِهِ حَرّى، فَتِلْکَ قُلُوبٌ قَاسِيَةٌ، وَ نُفُوسٌ طَاغِيَةٌ وَأَجْسَامٌ مَحْشُوّهٌ بِسَخَطِ اللهِ وَلَعْنَة الرَّسُولِ ، قَد عَشَّشَ فيهِ الشَّيْطَانُ وَفَرَّخَ، وَمَن هُنَاکَ مِثْلُکَ مَا دَرَجَ وَ لَنَهُ صَلَ

فَاالْعَجَبَ كُلُّ العَجَبِ لِقَتْلِ الأَنْقِيَاء وَأَسْبَاطِ الأَنْبِيَاءِ وَسَلِيلِ الأُوصِيَاءِ، بِأَيْدِى الطُّلُقَاءِ الخَبِيثَةِ وَ نَسَلِ العَهَرَةِ الفَجَرَهِ؛ تَنْطِفُ أَكُفُّهُم مِن دِمَائِنَا وَتَتَحَلَّبُ أَفْوَاهَهُم مِن الطُّلُقَاءِ الخَبِيثَةِ وَ نَسَلِ العَهَرَةِ الفَجَرَهِ؛ تَنْطِفُ أَكُفُّهُم مِن دِمَائِنَا وَتَتَحَلَّبُ أَفْوَاهَهُم مِن لَطُّلُقَاءِ الخَبِيثَةِ وَ نَسَلِ العَهَرَةِ الفَجَرَهِ؛ تَنْطِفُ أَكُفُّهُم مِن دِمَائِنَا وَتَتَحَلَّبُ أَفْوَاهَهُم مِن لَلْتَجِيدِ وَاللَّهُ الفَرَاعِلُ لَحَبُوبِ الضَّاحِيَةِ، تَنْتَابُهَا العَوَاسِلُ، وَتَعَفُرِهَا الفَرَاعِلُ ، فَلَئِنِ اتَّتَحَدُّلَنَا مَعْنَماً، لَتَتَّخِذُنا وَ شِيكاً مَعْزَماً، حِينَ لاَتَجِدُ إلَّا مَا قَدَّمَتْ يَداك وَمَا اللهُ بِظَلاَم للعَبِيدِ وَ إِلَى اللهِ المَسْتَكِى وَالمُعَوَّلُ ، وَإليهِ المَلْجَا وَالمَوْ مَّلُ۔

ثُمَّ كِد كَيدك وَاجْهَد جَهْدَك ، فَوَالَّذِى شَرَّفَنَا بِالوَحْي وَالكِتَابِ وَالنَّبُوَّةِ وَالكِتَابِ وَالنَّبُوَّةِ وَالإِنْتِحَابِ، لاَتَدْرِكُ أَمَدَنَا وَلاَ تَبْلُغُ غَايَتَنَا وَلاَ تَمْحَو ذِكْرَنَا وَلاَ تَرْحَضُ عَنْكَ عَارُنَا وَلاَ تَمْحَو ذِكْرَنَا وَلاَ تَرْحَضُ عَنْكَ عَارُنَا وَلاَ تَرْحَضُ عَنْكَ عَارُنَا وَلاَ تَمْحَو ذِكْرَنَا وَلاَ تَرْحَضُ عَنْكَ عَارُنَا وَلاَ تُحَدِّر وَهَل رَأَيُكَ أَلَّا فَنَدٌ وَ أَيَامُكَ إلّا عَدَدٌ وَجَمْعُكَ اللّا بَدَدٌ، يَومَ يُنَادِى المُنادِى : اِللا لُعِنَ الظَّالِمُ العَادى۔

وَالْحَمْدُ اللهِ الَّذِي حَكَمَ لِأُولِيَائِهِ بِالسَّعَادَةِ وَخَتَمَ لِأُوصِيَائِهِ بِبُلُوغِ الارَادَه؛ نَقَلَهُم اللَى الرَّحمَهِ وَالرَّافِهِ وَ الرِّضوَانِ وَالمَغْفِرِه، وَلَم يَشْقَ بِهِم غَيرُكَ وَلَا ابْتَلَى بِهِم غَيرُك، وَلَا ابْتَلَى بِهِم سِوَاكَ وَ نَسَأَلُهُ أَن يُكْمِلَ لَهُمُ الأَحْرَ، وَيُحْزِلَ لَهُمُ الثَّوَابَ وَالذُّحرَ وَنَسَأَلُهُ حَسنَ الخِلَافَهِ وَ جَمِيلَ الانَابَه؛ إنَّهُ رَحِيمٌ وَدُود (كَشَبُنَا اللهُ وَنِعمَ الوَكِيلُ) "بہم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ سب تعریفیں اس خدا کے لئے ہیں جو کا گنات کا پروردگار ہے۔ اور خدا کی رحمین نازل ہوں پنجم را کرمؓ پر اور ان کی پاکیزہ عترت واہل بیت پر۔ اما بعد! بالاخر براہے ان لوگوں کا جنہوں نے اپنے دامن حیات کو برائیوں کی سیابی سے داغدار کرکے اپنے خدا کی آیات کی کلڈیب کی اور آیات پروردگار کا مذاق اڑایا۔ اے بزید! کیا تو سمجھتا ہے کہ تو نے ہم پر زمین کے گوشے اور آسمان کے کنارے نگ کردئے ہیں اور کیاآل رسول کورسیوں اور زنجیروں میں جکڑ کر در بدر پھرانے سے تو خدا کی بارگاہ میں سر فراز اور ہم رسوا ہوئے ہیں۔ کیا تیرے خیال میں ہم مظلوم ہو کر ذلیل ہوگئے اور تو ظالم بن کر سر بلند ہوا ہے۔ کیا تو سمجھتا ہے کہ ہم پر ظلم کرکے خدا کی بارگاہ میں تجھے شان و مقام حاصل ہو گیا ہے۔ آج تو اپنی ظام کی فوشی میں سر مست ہے اور ناک بھوں پڑھاتا ہوا مسرت و شادمانی سے سر شار ہو کر اپنی غالب ہونے پر اتراز ہا ہے۔ اور زمامداری کے ہمارے مسلّمہ حقوق کو غصب کرکے خوشی و سرور کا جشن منانے میں مشغول ہے۔ اپنی غلط سوچ پر مغرور حقوق کو غصب کرکے خوشی و سرور کا جشن منانے میں مشغول ہے۔ اپنی غلط سوچ پر مغرور خوت کی جو اور زمامداری کے ہمارے مسلّمہ حقوق کو غصب کرکے خوشی و سرور کا جشن منانے میں مشغول ہے۔ اپنی غلط سوچ پر مغرور خوت کی جو تی و سرور کا جشن منانے میں مشغول ہے۔ اپنی غلط سوچ پر مغرور خوت کی جو تو تو در کا جشن منانے میں مشغول ہے۔ اپنی غلط سوچ پر مغرور خوت کی جو تک کا جو تو تو کو خوش کی در کا جشن منانے میں مشغول ہے۔ اپنی غلط سوچ پر مغرور خوت کی خوشی و سرور کا جشن منانے میں مشغول ہے۔ اپنی غلط سوچ پر مغرور

کیا تو نے خداکا یہ فرمان بھلادیا کہ حق کا انکار کرنے والے یہ خیال نہ کریں کہ ہم نے جو انہیں مہلت دی ہے وہ ان کے لئے بہتر ہے۔ بلکہ ہم نے اس لئے ڈھیل دےر کھی ہے کہ جی بھر کراپئے گنا ہوں میں اضافہ کرلیں۔ اور ان کے لئے خوفناک عذاب معین و مقرر کیا جاچکا ہے۔

اے طلقا کے بیٹے! کیا یہ تیراانصاف ہے کہ تو نے اپنی مستورات اور لونڈیوں کو چار دیواری کا تحفظ فراہم کرکے پر دے میں رکھا ہے۔ جب کہ رسول زادیوں کو سربر ہنہ در بدر پھرارہا ہے۔ تو نے مخدرات عصمت کی چادریں لوٹ لیس اور ان کی بے حرمتی کا مرشک ہوا۔ تیرے حکم پراشقیاء نے رسول زادیوں کو بے نقاب کرکے شہر بہ شہر پھرایا۔ تیرے حکم پر دشمنان خدااہل بیت رسول خدا کی پاک دامن مستورات کو نگے سرلوگوں کے ہجوم میں لے آئے اور لوگ رسول زادیوں کے کھلے سر دیکھ کر ان کا مذاتی اڑارہے ہیں۔ اور دور و

نزدیک کے رہنے والے سب لوگ ان کی طرف نظریں اٹھااٹھاکر دیکھ رہے ہیں۔ اور مر شریف و کمینے کی نگامیں ان پاک بی بیول کے نگے سرول پر جمی ہیں۔

آج رسول زادیوں کے ساتھ ہمدردی کرنے والا کوئی نہیں ہے۔آج ان قیدی مستورات کے ساتھ ان کے مرد موجود نہیں ہیں جو ان کی سرپرستی کریں۔آج آل محمد کا معین ومددگار کوئی نہیں ہے۔اس شخص سے بھلائی کی توقع ہی کیا ہوسکتی ہے جو اس خاندان کا چشم و چراغ ہو جس کی بزرگ خاتون (یزید کی دادی) نے پاکیزہ لوگوں کے جگر چبا کر تھوک دیا۔وہ شخص کس طرح ہم اہل بیت پر مظالم ڈھانے میں کمی کرسکتا ہے جو بغض و عداوت اور کینہ سے بھرے ہوئے دل کے ساتھ ہمیں دیجتا ہے۔

اے یزید! کیا تجھے شرم نہیں آتی کہ تواتنے بڑے جرم کاار تکاب کرنے اور اتنے بڑے گزاہ کو انجام دینے کے باوجود فخر و مباہات کرتا ہوا یہ کہہ رہا ہے کہ میرے اسلاف اگر موجود ہوتے تو ان کے دل باغ باغ ہوجاتے اور مجھے دعائیں دیتے ہوئے کہتے کہ یزید شرے باتھ شل نہ ہوں۔

اے یزید! کیا تھے حیا نہیں آتی کہ توجوانان جنت کے سردار حسین بن علی کے دندان مبارک پر چھڑی مار کران کی بےادبی کررہاہے۔

اے یزید! تو کیوں نہ خوش ہواور فخر و مباہات کے قصیدے پڑھے کیونکہ تو نے اپنے ظلم واستبداد کے ذریعہ ہمارے دلوں کے زخموں کو گہرا کر دیا ہے اور شجرہ طیبہ کی جڑیں کاٹنے کے گھناؤ نے جرم کا مر تکب ہوا ہے۔ تو نے اولاد رسول کے خون میں اپنے ہاتھ رنگیں کئے ہیں۔ تو نے عبدالمطلب کے خاندان کے نوجوانوں کو تہہ تیخ کیا ہے جن کی عظمت و کردار کے چیکتے ستارے زمین کے گوشہ گوشے کو منور کئے ہوئے ہیں۔ آج تو آل رسول کو قتل کے کے اپنے برنہاد اسلاف کو یکار کر انہیں اپنی فتح کے گیت سنانے میں منہک ہے۔

تو عنقریب اپنے ان کافر بزر گوں کے ساتھ مل جائے گا اور اس وقت اپنی گفتار و کر دار پر پشیمان ہو کریہ آرزو کرے گا کہ کاش میرے ہاتھ شل ہو جاتے اور میری زبان بولنے سے عاجز ہوتی اور میں نے جو کچھ کیا اور کہا اس سے بازر ہتا۔ اے یزید! تو نے جو ظلم کیا ہے، وہ اپنے ساتھ کیا ہے، تو نے کسی کی نہیں بلکہ اپنی ہی کھال چاک کی ہے اور تو نے کسی کا نہیں بلکہ اپنا ہی گوشت کاٹا ہے۔ تو رسول خدا کے سامنے ایک مجرم کی صورت میں لایا جائے گا اور تجھ سے تیرے اس گھناؤ نے جرم کی بازپرس ہوگی کہ تو نے اولادر سول کاخون ناحق کیوں بہایا اور رسول زادیوں کو دربدر کیوں پھرایا نیزر سول کے جگریاروں کے ساتھ ظلم کیوں روار کھا۔

اے یزید! یاد رکھ کہ خداآل رسول کا تجھ سے انتقام لے کران مظلوموں کاحق انہیں دلائے گااور انہیں امن وسکون کی نعت سے مالامال کردےگا۔ خداکا فرمان ہے کہ تم گمان نہ کرو کہ جولوگ راہ خدامیں ماریں گئے وہ مرگئے ہیں بلکہ وہ ہمیشہ کی زندگی پاگئے اور بارگاہ الهی سے روزی یارہے ہیں۔

اے یزید! یادر کھ کہ تونے جو ظلم آل محمد پر ڈھائے ہیں اس پر رسول خدا عدالت الی میں تیرے خلاف شکایت کریں گے اور جبر ئیل امین آل رسول کی گواہی دیں گے۔ پھر خدا اپنے عدل و انصاف کے ذریعہ مجھے سخت عذاب میں مبتلا کردے گا۔ اور یہی بات تیرے برے انجام کے لئے کافی ہے۔

عنقریب وہ لوگ بھی اپنے انجام کو پہنچ جائیں گے جنہوں نے تیرے لئے ظلم واستبداد کی بنیادیں مضبوط کیں اور آ مرانہ سلطنت کی بساط بچھا کر تجھے اہل اسلام پر مسلط کر دیا۔ ان لوگوں کو بہت جلد معلوم ہوجائے گا کہ سٹمگروں کا انجام برا ہوتا ہے اور کس کے ساتھی ناتوانی کا شکار ہیں۔

اے بزید! یہ گردش ایام اور حوادث روزگار کا اثر ہے کہ مجھے تچھ جیسے بدنہاد سے ہمکلام ہو ناپڑ رہا ہے لیکن یاد رکھ میری نظر میں توایک نہایت پست شخص ہے جس سے کلام کرنا شریفوں کی توہین ہے۔ میری اس جرات سخن پر تو مجھے اپنے ستم کا نشانہ ہی کیوں نہ بنادے لیکن میں اسے ایک عظیم امتحان اور آزمائش سمجھتے ہوئے صبر واستقلال اختیار کروں گی اور تیری بدکلامی و بدسلوکی میرے عزم واستقلال پر اثر انداز نہیں ہوسکتی۔

اے یزید! آج ہماری آئمیں اشکبار ہیں اور سینوں میں آتش غم کے شعلے بھڑک رہے ہیں۔افسوس تو اس بات پر ہے کہ شیطان کے ہم نواؤں اور بدنام لوگوں نے رحمان کے سپہوں اور پاکباز لوگوں کو تہہ تیخ کرڈالا ہے۔ اور ابھی تک اس شیطانی ٹولے کے ہاتھوں سے ہمارے پاک خون کے قطرے ٹیک رہے ہیں۔ان کے نا پاک دہن ہمارا گوشت چبانے میں مصروف ہیں اور صحر اکے بھیڑئے ان پاکباز شہیدوں کے مظلوم لاشوں کے ارد گرد گھوم رہے ہیں اور جنگل کے نجس درندے ان پاکباز شہوں کی بے حرمتی کررہے ہیں۔

اے یزید! اگر آج تو ہماری مظلومیت پر خوش ہور ہا ہے اور اسے اپنے دل کی تسکین کا باعث سمجھ رہا ہے تو یاد رکھ کہ جب قیامت کے دن اپنی بد کرداری کی سزا پائے گا تواس کا برداشت کرنا تیرے بس سے باہر ہوگا۔ خدا عادل ہے اور وہ اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا ہے۔ ہم اپنی مظلومیت کو اپنے خدا کے سامنے پیش کرتے ہیں اور مرحال میں اس کی عنایات اور عدل وانصاف پر ہمارا بھر وسہ ہے۔

اے یزید! تو جتنا چاہے مکر و فریب کرلے اور بھر پور کوشش کرکے دیجے لے مگر تھے معلوم ہونا چاہئے کہ تو نہ تو ہماری یاد لوگوں کے دلوں سے مٹاسکتا ہے اور نہ ہی وحی الهی کے پاکیزہ آثار کو محو کر سکتا ہے۔

تونے جس گھناؤنے جرم کا ارتکاب کیا ہے اس کا بدنما داغ اپنددامن سے نہیں دھوسکتا۔ تیرا نظریہ نہایت کمزور اور گھٹیا ہے۔ تیری حیات اقتدار میں گنتی کے چند دن باقی بیں۔ تیرے ساتھی تیرا ساتھ چھوڑ جائیں گے۔ تیرے پاس اس دن کے لئے حیرت و پریشانی کے سوا کچھ نہیں ہے جب منادی ندا کرے گاظالم لوگوں پر خدا کی لعنت ہے۔

ہم خدائے قدوس کی بارگاہ میں سپاس گزار ہیں کہ ہمارے خاندان کے پہلے فرد کو سعادت و مغفرت سے بہرہ مند فرمایا او رہمارے آخری کو بھی شہادت و رحمت کی نعمتوں سے نوازا۔ ہم بارگاہ ایز دی میں دعا کرتے ہیں کہ ہمارے شہیدوں کے اجر و ثواب میں اضافہ و جمیل فرمائے اور ہم باقی سب افراد کو اپنی عنایتوں سے نوازے ،

بے شک خدا ہی رحم کرنے والا اور حقیقی معنوں میں مہربان ہے۔خدا کی عنایتوں کے سوا ہمیں کچھ مطلوب نہیں اور ہمیں صرف اسی کی ذات پر بھروسہ ہے اس لئے کہ اس سے بہتر کوئی سہارا نہیں ہے۔ "

•:•

یہ خطبہ بھی دوسرے خطبہ کی طرح بغیر بسم اللہ کے آغاز ہوتا ہے اور اس کی وجہ اس سے پہلے بیان کی جاچکی ہے۔ یہاں پر ہم اس خطبہ میں موجود قرآنی استنادات کو پیش کریں گے۔

بركاروں كا نجام: جناب زينب (<sup>()</sup> يزيد اوريزيديوں كو اور ان لو گوں كو مخاطب كرتى ہيں جنہوں نے اللہ كى نشانيوں كى جن ميں امام معصوم بھى شامل ہے، تكذيب كى اور ان كو شہيد كركے ان كے المل بيت كو اسر كيا۔ آپ قرآنى آيت سے استناد كرتے ہوئے اس ظالم گروہ كا انجام بتاتى ہيں:

ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةَ الَّذِينَ أَسَاءُوا السُّوأَى أَن كَذَّبُوا بِآيَاتِ اللَّهِ وَكَانُوا بِهَا يَسْتَهُ رِنُونَ -ترجمہ: اس کے بعد برائی کرنے والوں کا نجام براہوا کہ انہوں نے خداکی نشانیوں کو جھٹلادیا اور برابر ان کامذاق اڑاتے رہے۔ ا

اس آیت میں کافروں کے کفر کا آخری مرحلہ بیان ہوا ہے۔ گناہ دیمک کی طرح روح ایمان کو کھاجاتا ہے اور ایک مرحلہ وہ آتا ہے جب انسان آیات الی کی تکذیب کرنے لگتا ہے اور کوئی بھی وعظ و نصیحت و اندار موثر واقع نہیں ہوتا ہے اور عذاب الی کے درد ناک تازیانہ کے علاوہ کوئی راستہ نہیں بچتا ہے۔ ہمذکورہ آیت سے پہلے کی آیات کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ جناب زینب (س) اس آیت کی تلاوت کرکے کتنی ظرافت سے ظالموں کو ان کے انجام کے بارے میں بتاتی ہیں۔

كافرول كومهلت دينا: جناب زينب (٢٠) اسى خطبه مين سوره آل عمران كى ١٥٨ آيت كى تلاوت فرماتى بين: وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّمَا نُمْلِي لَهُمْ خَيْرٌ لِّلَا نَفُسِهِمْ إِنَّمَا نُعْلِي لَهُمْ ليَزُدَادُوا إِثْمًا وَلَهُمْ عَذَابٌ هُمِينٌ - ترجمه: اور خبر داري كفاريه نه سمجمين كه بهم جس قدر راحت وآرام

ا ـ سوره روم ، آیت ۱۰

۲\_مکارم شیرازی، بر گزیده تفسیر نمونه ( جلد ۳)، ص ۲۱

راه است لا)

دے رہے ہیں وہ ان کے حق میں کوئی بھلائی ہے۔ ہم تو صرف اس لئے دے رہے ہیں کہ جتنا سناہ کر سکیں کرلیں ورنہ ان کے لئے رسواکن عذاب ہے۔

یہ آیت مشرکان مکہ کے لئے نازل ہوئی ہے اور اللہ فرماتا ہے کہ کافروں کو مہلت دینے کا کوئی فائدہ نہیں ہے کیونکہ وہ عذاب الی کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ اس استناد کی خاص بات ، آیت کی شان نزول ہے۔
یہ آیت ابوسفیان جو کہ بزید کادادا تھااور مکہ کے دوسرے مشر کوں کے لئے نازل ہوئی ہے اور جناب زینب (اس نے آیت ابوسفیان جو کہ بزید کادادا تھااور مکہ کے دوسرے مشر کوں کے لئے نازل ہوئی ہے اور جناب زینب (اس نے در بار شام میں اس آیت کی تلاوت فرما کر اس کی شان نزول کو دوبارہ زندہ کر دیا اور ابوسفیان کے بوتے بزید کو مخاطب کرکے فرمایا کہ اس وقتی مہلت سے خوش نہ ہو کیونکہ عنقریب اللہ تعالی کا عذاب تیر سیامل حال ہوگا اور ذلت ور سوائی تیر امقدر بنے گا۔

شہدائے کر بلاکار تبہ: یزید ملعون کچھ کفر آمیز اشعار پڑھتا ہے اور کہتا ہے کاش قریش کے بزرگ ہوتا اور اس کامیابی پر مجھے مبارک باد دیتے۔ جناب زینب (<sup>U)</sup> فرماتی ہیں وَلا یَسْتَفِزَ نّکَ الفَرحُ بِقَتْلِهِ۔ غرور وخوشی میں مبتلانہ ہو۔اور پھر آپ سورہ آل عمران کی آیت نمبر ۱۲۹ کی تلاوت فرماتی ہیں:

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمُواتًا بَلُ أَحْيَاءُ عِندَ رَبِّهِمْ يُرُزُ فُونَ - ترجمه: اور خبر دار راه خدامين قتل مونے والوں كو مرده خيال نه كرنا وه زنده بين اور اپني پروردگار كے يہال رزق پارہے ہيں۔

آپ واقعی خوشی کو شہدائے لئے مخصوص کرتی ہیں اور اس آیہ کریمہ سے استناد کرتے ہوئے بزید کو سے بتاتی ہیں کہ تمہاری یہ خوشی ظاہری اور وقتی ہے اور اس کے بعد دائی عذاب ہے لیکن واقعی خوشی شہدائے کر بلاکے لئے ہے جو اللہ تعالی کے فضل و کرم سے مستفیض ہور ہے ہیں:

فَرِحِينَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِن فَضُلِهِ وَيَسْتَبْشِرُونَ بِالّْذِينَ لَمُ يَلُحَقُوا بِهِم مِّنْ خَلْفِهِمُ أَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمُ وَلَاهُمُ يَحْزَنُونَ - ترجمه: خداكي طرف سے ملنے والے نظل و كرم سے خوش خوف عَلَيْهِمُ وَلَاهُمُ يَحْزَنُونَ - ترجمه: خداكي طرف سے ملنے والے نظل و كرم سے خوش

الـ طبرسي، مجمع البيان (جلد ۴) ، ص ۳۵۶

میں اور جو ابھی تک ان سے ملی نہیں ہوسکے ہیں ان کے بارے میں یہ خوش خبری رکھتے ہیں کہ ان کے واسطے بھی نہ کوئی خوف ہے اور نہ حزن۔ ا

جنگ احد میں مسلمانوں کی ظاہری شکست اور جناب حمزہ کی شہادت کے بعد مشر کین مکہ خوشی منارہے تھے، اور اسی وقت یہ آیت نازل ہوئی اور واقعی خوشی اور حقیقی زندگی کے مفہوم کو بیان کیا۔ ایز ید ملعون بھی شہدائے کر بلاکی شہادت کے بعد بہت خوش تھااور جناب زینب (<sup>ر)</sup> نے اس آیت کی تلاوت فرما کریہ بتادیا کہ شہدائے کر بلا، شہدائے بدر واحد کی طرح اللہ تعالی کے بے انتہا فضل و کرم سے مستفیض ہورہے ہیں۔

برے انتخاب کا انجام: جناب زینب (۱) ،یزید ملعون کو خطاب کرتے ہوئے فرماتی ہیں کہ جس نے مہمیں مسلمانوں کی ریاست و حکومت سونپی ہے، اسے عنقریب میہ معلوم ہوجائے گا کہ اس کا انتخاب کتنا برا تھا۔ جناب زینب (۱) یہاں پر سورہ کہف کی آیت نمبر ۵۰سے استناد کرتی ہیں جہاں ارشاد ہوتا ہے:

وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ السُجُدُوا لِآدُمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِنِلِيسَ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ أَمُرِ

رَبِّةِ أَفَتَ الْخَدُونَةُ وَذُرِّيَّتُهُ أَوْلِيَاءَ مِن دُونِي وَهُمُ لَكُمُ عَدُوَّ بِنُسَ لِلظَّالِمِينَ بَدَلًا - ترجمه:

اور جب ہم نے ملائکہ سے کہا کہ آ دم کو سجدہ کرو تو البیس کے علاوہ سب نے سجدہ کرلیا کہ وہ

جنات میں سے تھا پھر تو اس نے حکم خداسے سرتابی کی توکیا تم لوگ مجھے چھوڑ کر شیطان اور

اس کی اولاد کو اپنا سرپرست بنار ہے ہو جب کہ وہ سب تمہارے دسمن ہیں یہ توظا کمین کے لئے

برترین بدل ہے۔

اس آیت میں شیطان اور اس کے ساتھیوں کی بات ہور ہی ہے۔ اللہ تعالی فرماتا ہے جن لوگوں نے اللہ تعالی فرماتا ہے جن لوگوں نے اللہ تعالی کے بجائے ابلیس کو اپنا پیشوا بنایا ہے وہ یہ جان لیس کہ انہوں نے براا نتخاب کیا ہے۔ جناب زینب (<sup>(v)</sup> کے کلام میں ظالمین سے مراد وہ تمام افراد ہیں جنہوں نے حب دنیااور غلبہ نفس کی وجہ سے خلیفہ خدا کی بیعت کے بجائے، شیطان کے جانشین لیمنی بزید سے بیعت کرلی ہے۔ آپ فرماتی ہیں کہ ان لوگوں نے براا نتخاب کیا ہے جس کی وجہ سے اس دنیامیں ذلت وخواری اور آخرت میں در دنائے عذاب ان کا مقدر بن گیا ہے۔

ا ـ سوره آل عمران ، آیت + ۱۷ ۲ ـ علی بن احمد واحد ی ، اساب النز ول ، ص ۱۳۳ راه است لا)

الله تعالی مظلوموں کاسب سے بڑاو کیل: جناب زینب (الله علی الله علی مصیبتوں کو یاد کرکے سورہ آل عمران کی آیت نمبر کا کی تلاوت فرماتی ہیں: حَسبُنا الله وَ نِعمَ الوَ کیل۔ اور یزید کو بتاتی ہیں کہ الله تعالی ہمارے لئے کافی ہے اور وہ سب دیکھ رہا ہے۔ حقیقت میں جناب زین (الله تعالی عابدہ اور عارفہ ہیں جو ہر چیز کو الله تعالی کی جانب سے جانتی ہیں اور کوئی بھی مصیبت آپ کو جھکانہیں سکی۔ آپ اپنے خطبہ کو الله تعالی کے شکر وحمدیر تمام کرتی ہیں: السحمدُ لللهِ اللّذی حَکَمَ لِاولیائه...

جناب زینب (<sup>۱)</sup> نے اپنے خطبول میں بہت ہی خوبصورت انداز قرآنی فقروں سے استناد کیا ہے۔ یہاں پر ہم ان کو مخضر طور پر پیش کرتے ہیں:

- وَمَا اللهُ بِظَلّام لِلعَبيد: ذَلِكَ بِمَا قَدَّمَتُ أَيُديكُمْ وَأَنَّ اللَّهَ لَيْس بِظَلَّام إِللَّعبيدِ ا
- الا لعن الظالم العادى: وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أُولَيِكَ يُعُرَضُونَ عَلَىٰ رَبِّهِمُ
   وَيَقُولُ الْأَشُهَادُ هَا وُلَاءِ الَّذِينَ كَذَبُوا عَلَىٰ رَبِّهِمُ أَلَا لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الظَّالِمِينَ '
- فلا يسبطى فى بغضنا اهل البيت: وَقَرْنَ فِي يُعُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجُن تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْلُأُولَى وَأَقِمْنَ الشَّهُ وَرَسُولُهُ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذُهِب عَنكُو الرِّجُس أَهُلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُونَ طُهِيرًا۔"
   وَيُطُهِّرَكُونَ طُهِيرًا۔"
- حين تصير الى سخط الله: أَفَهَنِ اتَّبَعَ رِضُوَانَ اللَّهِ كَمَن بَاءَبِسَخَطٍ مِّنَ اللَّهِ وَمَأُواهُ جَهَنَّمُ وَبِئُسَ
   المُصِيرُ۔ "
- و سيعلم...: إلَّا الَّذِينَ آمُنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَذَكَرُوا اللَّهُ كَثِيرًا وَانتَصَرُوا مِن بَعْدِ مَا ظُلِمُوا وَسَيَعْلَمُ النَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنقَلَبٍ يَنقَلِبُونَ- ٥
   وَسَيَعْلَمُ النَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنقَلَبٍ يَنقَلِبُونَ- ٥

ا۔ سورہ آل عمران ، آیت ۱۸۲

۲۔ سورہ ہود، آیت ۱۸

س<sub>-</sub>سوره احزاب، آیت ۳۳

م. سوره آل عمران ، آیت ۱۶۲

۵۔ سورہ شعرا، آیت ۲۲۷

- خ قلوب قاسيه: أَفَمَن شَرَحَ اللَّهُ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ فَهُوَ عَلَىٰ نُورٍ مِّن رَّبِّهِ فَوَيْلُ لِلْقَاسِيَةِ قُلُوبُهُم مِّن ذِكُر اللَّهِ أُولَئِكَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ الْمُعَالِ مُّبِينٍ اللَّهُ أُولَئِكَ فَي ضَلَالٍ مُّبِينٍ اللَّهُ عَلَىٰ اللَّهُ الللَّهُ اللَّهُ الللِّهُ الللللَّهُ اللَّهُ اللَّهُ اللِّهُ اللَّهُ الللللْمُ اللَّهُ اللللَّهُ اللَّهُ اللَّهُ الللللْمُ الللللِّهُ الللللْمُ الللللْمُ الللللْمُ اللَّهُ الللللْمُ اللْمُلْمُ الللللْمُ الللْمُ الللللْمُ اللَّهُ اللْمُ اللَّهُ الللْمُ اللْمُ اللْمُلْمُ اللَّهُ الللْمُ اللْمُ اللَّهُ اللْمُ اللَّهُ الللْمُ اللَّهُ الللْمُ اللَّهُ الللِمُ اللْمُ اللْمُ اللْمُ اللَّهُ اللللْمُ اللْمُ اللِمُ الل
  - القتل حزب الله النحبا: وَمَن يَتَوَلَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَالَّذِينَ آمُنُوا فَإِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ وَالْخَالِبُونَ اللَّهِ اللَّهُ اللّلَّهُ اللَّهُ الللَّهُ اللَّهُ الللَّهُ الللَّهُ اللَّهُ اللَّاللَّاللَّالَّا اللللَّالَّالَّالَةُ اللَّالَّالَّاللَّالَّالَّالَةُ الللَّالَّالَ
- بحزب الشيطان الطلقا: استَحُوذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطَانُ فَأَنسَاهُمْ ذِكْرَ اللَّهِ أُولَلِكَ حِزْبُ الشَّيْطَانِ أَلَا
   إنَّ حِزْبَ الشَّيْطَان هُمُ الْخَاسِرُونَ "
  - ينادى المنادى: وَاسْتَمِعُ يَوْمَ يُتَادِ الْمُنَادِ مِن مَّكَانٍ قَرِيبٍ "
  - رحية ودود: وَاسْتَغْفِرُ وَارَبَّكُمْ ثُعَّ تُوبُوا إِلَيْهِ إِنَّ رَبِّي رَحِيمٌ وَدُودٌ °
  - و فَعَلْتَ فَعَلْتَ فَعَلْتَ: وَفَعَلْتَ فَعُلْتَ فَعُلْتَ وَلَكُورِينَ -
- ایکم شر مکاناً واضعف جنداً: قُلُ مَن كَانَ فِي الضَّلَالَةِ فَلْيَمْدُدُ لَهُ الرَّحْمَانُ مَدًّا حَتَّىٰ إِذَا رَأَوْا مَا
   يُوعَدُونَ إِمَّا الْعَذَابَ وَإِمَّا السَّاعَةَ فَسَيَعُلَمُونَ مَنْ هُوَشَرُّ مَّكَانًا وَأَضْعَفُ جُندًا۔

#### منابع و مآخذ

💠 قرآن کریم، ترجمه: فولاد وند، مجمد مهدی، دارالقرآن الکریم، تهران، ۱۵ ۱۳۱۵

نچ البلاغه، ترجمه محمد دشتی، انتشارات الهادی، قم، ۱۳۸۵ش

💠 بحرانی، سیدہاشم، البرہان فی تفسیر القرآن، بنیاد بعثت، تہران، ۱۳۱۷ق

💠 یاک نیا، عبدالکریم، خطبه حضرت زینب در کوفه وشام، انتشارات فر ہنگ اہل بیت، قم، ۱۳۸۷ش

ا\_سوره زمر ، آیت ۲۲

۲ ـ سوره مائده ، آیت ۵۲

۳ \_ سوره مجادله ، آیت ۱۹

هم\_سوره ق،آیت اهم

۵\_سوره هود ، آیت ۹۰

۲۔ سورہ شعرا، آیت ۱۹

ے۔ سورہ مریم ، آیت ۵۷

- 💠 جعفری، محمد حسین، گلستان سوره ما، نشر فائز، قم، ۱۳۸۷ش
- 💠 حسینی ہمدانی، سید محمد حسین ، انوار در خشان ، کتاب فروشی لطفی ، تبران ، ۲۰۰۴ق
  - •<a>◄ سيدين طاووس، اللهوف في قتلي الطفوف، دار الاسوه، تهر إن، ١٣١٣ق</a>
- ◄ سيوطي، جلال الدين عبد الرحمٰن ، تاريخ الحلفاء ، انتشارات شريف رضى ، قم ، ١١٨ اق
  - 💠 سش، مراد على ، بإعلامه درالميزان ، انتشارات اسوه ، قم ، ۱۳۸۴ ش
- 💠 شوشتری،الحضائص الحسینیه، ترجمه میر زامحمه حسین شهر ستانی، دارالسرور، بیروت، ۱۴۱۴ ق
  - 💠 صدوق، خصال، انتشارات اسلامیه، تهران، ۸۰ ۱۳۸
- طباطبائی، سید محمه علی، عجلی قرآن در کلام حضرت زینب سلام الله علیها، نشرادیان، قم، ۹۰ ۱۳۹۰ش
  - 💠 طبرسی، فضل بن حسن، مجمع البیان، ناصر خسر و تهران، ۷۲ ساش
  - طبر ی، محب الدین، الریاض الفنره فی مناقب العشره، دار المعرفه، بیروت
  - کلینی، محد بن یعقوب، اصول کافی، مکتبه الاسلامیه، تهران، ۱۳۶۳ ش
    - مجلسی، محمد ماقر، بحار الانوار، مؤسسه الوفاء، بیروت، ۱۳۰۳ ق
- 💸 محلاتی، ذیج الله، ریاحین الشریعه در ترجمه دانشمندان بانوان شیعه، دار الکتب الاسلامیه، تهران، ۴۹ ساق
  - 💠 مکارم شیر ازی، ناصر، بر گزیده تفسیر نمونه، دار الکتب الاسلامیه، تهران ، ۲۷ ۱۴ ش

# جناب زینب <sup>(ں)</sup>کے خطبوں کا فلسفیانہ تجزیبہ

مؤلف: ڈاکٹر محمد رنجبر حسینی وطامرہ عطار مترجم: مولانا مقداد حیدر روحانی

جناب زینب (۱) نے اسم حسین کی تحریک کی بقامیں موٹراور اہم کردار اداکیا۔ آپ نے اسیر ول کے قافے کی ہمراہی اور پاسبانی کے علاوہ، کو فہ اور شام میں اپنے خطبوں اور تقریروں کے ذریعہ حکومت کے کارندوں اور لوگوں کو خطاب کرتے ہوئے احتجاج کیا جس کی وجہ سے امام حسین کی حقانیت اور مظلومیت ثابت ہوئی ، انقلاب عاشورہ کو حیات ابدی ملی اور بنی امیہ کی حکومت رسوا ہوئی۔ جناب زینب (۱) کے احتجاجوں میں ایک خاص منطق حکم فرما تھی جس کی وجہ سے اس دور کے معاشر بران کا بہت اچھااٹر پڑا۔ احتجاجوں میں ایک خاص منظر ہو وہ مطلوب اور موثر طریقہ ہے جس سے حضرت پیغیمرا کرمؓ نے اپنی رسالت الہی کو عوام تک پہونچانے میں مدد لی اور آپ کے بعد ائم معصوبین نے بھی اس سعادت بخش پیغام کی تبلیخ میں اسی طریقہ کو اپنیا جس کالو گوں پر اثر بھی ہوا۔

قرآن کریم انسانوں کے لئے ایک سعادت بخش کتاب ہے اور اس کے احکام پر عمل کرنا ہر مسلمان کا فریضہ ہے۔ اسی قرآن مجید میں ایک طرف مسلمانوں کو جدل اور بے فائدہ بحثوں سے منع کیا گیاہے اور دوسری طرف، بحث اور مباحث کی ہمت افنرائی کی گئی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

وَلَا تُجَادِلُو اَهلَ الكِتابِ اَلَّا بَالَّتِي هِي أَحسَن - ترجمہ: اہل كتاب كے ساتھ مجادلہ نه كرومگراحس طریقے ہے۔ ا

ا ـ سوره عنکبوت ، آیت ۴۶

دین مبین اسلام نے تبلیغ کے لئے خاص طریقہ اپنایا ہے جو دوسروں کے تبلیغی طریقوں سے الگ ہے لہذا اس کے احکام اور دستورالعمل کی شناخت ضروری ہے۔ قرآن کریم میں تبلیغ اور مدایت کے طریقہ کے سلسلہ میں ارشاد ہوتا ہے :

ادُعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحُسَنَةِ وَجَادِلُهُم بِالَّتِي هِي أَحْسَنُ الشَّيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهُ تَدِينَ - ترجمہ: آپ اپ إلتَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهُ تَدِينَ - ترجمہ: آپ اپ رب کے راستے کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت کے ذریعہ دعوت دیں اور ان سے اس طریقہ سے بحث کریں جو بہترین طریقہ ہے کہ آپ کاپروردگار بہتر جانتا ہے کہ کون اس کے راستے سے بہک گیا ہے اور کون لوگ ہدایت یانے والے ہیں۔ ا

خداوند متعال نے دین حق کی طرف دعوت کو حکمت کے پیرائے اور موعظہ حسنہ میں محدود کیا ہے لیکن جدال احسن کو جدل کرنے والوں کے شبہات کو دور کرنے کے لئے مخصوص کیا ہے ''۔اگر مناظرہ اور تادل فکر و نظر، تبلیغی طریقے کے عنوان سے اور اپنے اصول، شرائط و ضوابط کی رعایت کے ساتھ انجام دیا جائے تو دعوت و تبلیغ کے راستے میں ایک مقد س اور بامقصد فعل ہونے کی وجہ سے کامیابی ضرور ملے گی۔ '' جرات کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ اسلام سے زیادہ کسی بھی آئین میں فکر و عقیدہ کی آزادی نہیں پائی جاتی ہوں جاتی ہے یہاں تک کہ خالفین، حتی کہ اس آئین کہ قائدین کے سامنے بھی اپنے عقیدے کا ظہار کر سکتے ہوں جاتی ہے یہاں تک کہ خالفین، حتی کہ اس آئین کہ قائدین کے سامنے بھی اپنے عقیدے کا ظہار کر سکتے ہوں اور ان سے بحث و گفتگو کر سکیں اور نئے عقیدہ کو قبول کرنے یانہ کرنے میں آزاد ہوں۔ حیات پنیمبر خدا اور ائمہ معصومین میں ایسے بہت سے واقعات ملتے ہیں جہاں مخالفان اسلام نے ان سے مناظرہ اور بحث و گفتگو کی ہے اور مناکسی تو بین کے ،ان کے اعتراضات کا جواب دیا گیا ہے۔ '' ہے اور اصول و فروع اسلام بھی احتجاج میں صحیح منطق کے ذریعہ احقاق حق اور ابطال باطل کی حضرات معصومین علیم السلام بھی احتجاج میں صحیح منطق کے ذریعہ احقاق حق اور ابطال باطل کی حضرات معصومین علیم السلام بھی احتجاج میں صحیح منطق کے ذریعہ احقاق حق اور ابطال باطل کی خوشش کرتے تھے۔ اسی سیرت پر عمل کرتے ہوئے جناب زینب ('') نے واقعہ کر بلاکے بعد اسیری کے کوشش کرتے تھے۔ اسی سیرت پر عمل کرتے ہوئے جناب زینب (''') نے واقعہ کر بلاکے بعد اسیری کے کوشش کرتے تھے۔ اسی سیرت پر عمل کرتے ہوئے جناب زینب (''') نے واقعہ کر بلاکے بعد اسیری کے

ا\_سورہ نحل آیت ۱۲۵

۲\_ دیلمی، حسن بن محمر،ارشادالقلوب ( جلدا)،ص۳۱

۳- حسینی بهمدانی خجفی، محمد، در خشان پرتوی از اصول کافی، ص ۴۴۸؛ مجلسی، محمد باقرین محمد تقی، بحار الانوار، ص ۱۶۸ ۴- محمد ی ری شهری، محمد، مناظره و گفتنگو در اسلام، ص ۱۱

سخت دنوں میں ہر موقع پر لوگوں کو آگاہ کرنے کی کوشش کی اور امام حسین اور ان کے اصحاب کی مظلومیت اور بنی امیہ کے مظالم کو بیان کیا جس کے نتیجہ میں امام حسین کا پیغام عام ہوا اور لوگوں کو آپ کی حقانیت کا پینہ چلا۔

مناظرہ اور تبلیغ دین کی اہمیت کے پیش نظر اس مضمون میں معتبر روائی منابع سے استفادہ کرتے ہوئے، یہ بتانے کی کوشش کی گئ ہے کہ کس طرح جناب زینب (ر) نے اپنے خطبوں کے ذریعہ ظالم حکومت کے خلاف احتجاج کیااور اپنے بھائی امام حسینؑ کی حقانیت کو ہمیشہ کے لئے صفحات تاریخ پر قم کردیا۔

#### احتجاج اور مناظره

حبّت لغت میں بربان کے معنی میں آیا ہے۔ قرآن میں ارشاد ہوتا ہے:

قُلُ فَلِلَّهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ فَلَوْ شَاءَ لَهَذَاكُمُ اَجْمَعِينَ-ترجمه: كهه دو دليل كامل خداك كي عن الرَّجمة عنه الرَّاحة الله الله كويدايت كرتال

حجّت ایک ایسی دلیل ہے جو مقصد کوروش اور واضح کرتی ہے۔ اسی طرح محاجہ، حجّت لانے کے معنی میں ہے، یعنی کوئی شخص اپنی حجّت اور دلیل کے ذریعہ دوسروں کو اپنی دلیل سے منصرف کرنا جاہے۔ اعلم کلام کی خاص اصطلاح میں احتجاج، ایک قسم کی علمی اور استدلالی بحث ہے جو کہ امام علیہ السلام نے گراہ لوگوں سے کیا ہے، یعنی اگر لوگ غلطی اور گراہی میں پڑے ہیں یا جہالت اور نادانی میں غوطہ کھارہ ہیں یا فکری طور پر منحرف ہیں توامام علیہ السلام کافرض ہے کہ ان لوگوں سے مناظرہ اور احتجاج کریں اور انہیں شبہات اور فکری انحراف سے بحث و انحراف سے خات دلائیں۔ مناظرہ کسی چیز کی حقیقت اور ماہیت کے بارے میں ایک دوسرے سے بحث و گفتگو کو کہتے ہیں۔ مناظرہ، آمنے سامنے کی گفتگو اور نظریاتی بحث، سخن اور خطابہ کو بھی کہتے ہیں۔ "

اسلام کی نظر میں احتجاج اور مناظرہ میں جو چیز زیادہ حائز اہمیت ہے، وہ اتمام حجّت ہے یعنی احتجاج و مناظرہ میں بوچنا چاہئے مناظرہ میں سوچنا چاہئے کہ ہم الزامی طور پر سامنے والے کو اپناہم فکر بنالیں گے بلکہ یہ سوچنا چاہئے کہ اگر انسان اس نکتہ کو کہ اگر ہم سامنے والے کو اپناہم فکر نہ بھی بناسکے تو کم از کم ہم نے اتمام حجّت کرلی ہے۔ اگر انسان اس نکتہ کو

الـ سوره انعام ، آیت ۴ یما

۲\_ راغب اصفهانی، حسین بن محمه، ترجمه و تحقیق مفردات الفاظ قرآن ( جلد ۴)، ص ۳۶۵

٣ \_الضاً، ص٣٦٥

ذہن میں رکھے گاتو وہ کبھی بھی مناظرہ میں زور زبر دستی اپنی بات نہیں منوائے گابلکہ صرف دلیل اور برہان پیش کرے گااور اس کا دو مقصد ہوگا: پہلے ہیہ کہ اس نے اپنافرض پورا کیا اور اور دوسرے ہیہ کہ قیامت کے روز، سامنے والا بیہ نہیں کہہ سکتا ہے کہ:

"اگر میں نے اس بر ہان اور استدلال کو سنا ہو تا تو ضرور ، ایمان لے آتا"۔

جناب زینب سلام الله علیہانے اپنے خطبوں کے ذریعہ حکومت بن امیہ اور کو فیوں اور شامیوں کے خلاف احتجاج کیا جس کے منتیج میں یزید رسوا ہوا اور امام حسینؑ اور آپ کے اصحاب کی مظلومیت ظاہر ہو گی۔اس مضمون میں ہم ان خطبوں کو تجزیہ کرکے ان میں موجود منطقی پہلو کو بیان کریں گے۔

اگر کوفہ وشام میں جناب زینب (۱) کی تقاریر کابہ نظر عائر مطالعہ کریں تو معلوم ہوگا کہ آپ نے کتنی خوبصورتی سے خطبہ کو شروع کیا ہے، بحث کو کیسے آگے بڑھایا ہے اور پھر کیسے اس سے مطلوبہ نتیجہ نکالا ہے۔ آپ کے خطبہ کے مطالعہ سے ہمارے ذہن میں امام حسین اور امام سجادگا خطبہ آتا ہے۔ بزید اپنے دربار میں امام حسین کے سراقدس کے ساتھ بدتمیزی کرتا ہے اور آپ کے خاندان کی توبین کرتا ہے جس کے جواب میں جناب زینب (۱) نے ایک خطبہ ارشاد فرمایا جس میں آپ نے بزیدیوں کے اعمال اور کردار پراس طرح شمیں جناب زینب (۱) خواب کی برم میں تبدیل ہو گئی۔ اس خطبہ میں جناب زینب (۱) حمد اور ثنائے الی اور رسول اکرم پر درود کے بعد، قرآن کریم سے استناد کرتے ہوئے، بدکاروں کی سزا کے بارے میں بناتی ہیں تاکہ مخاطب کاذبن حقایق کو در بافت کرنے کے لئے آمادہ ہو جائے۔

آپ مسلسل سوال کے ذریعہ یزید کے اعمال اور اس کے دعوے کی حقیقت کوواضح کرتی ہیں اور قرآن مجید کا حوالہ دیتے ہوئے ظالم کی ظاہری فتح اور زندگی کو پر وردگار کی جانب سے ایک مہلت بتاتی ہیں تاکہ وہ ایٹے گناہوں کا بوجھ اور بھاری کرلے۔

پھر پچھ سوالوں کے ذریعہ آپ خاندان پغیمڑ کی حالت کا یزید کی عور توں سے مقابلہ کرتی ہیں اور اس کی عدالت پر سوال اٹھاتی ہیں جس سے یزید کی رسوائی اور بڑھتی ہے۔ یہاں تک کہ خطبہ کے اختتام تک یزید کے لئے رسوائی کے علاوہ کچھ نہیں بچتااور اہل ہیت کی عزّت وعظمت پہلے کی طرح بر قرار رہتی ہے۔ ا

ا ـ جمالی، نصرت الله، روش گفتمان یا مناظره، ص۹ ۲ ـ طبرس، احمه بن علی ،الاحتجاج علی اہل اللجاج ( جلد ۲ ) ، ص ۳۰۸ ـ ۳۱۰

### پراٹر لہجہ سے فطرت کو بیدار کرنا

جناب زینب سلام الله علیها، کوفه میں ان لوگوں سے روبر و تھیں جوامام حسین سے اپنی بیعت توڑ چکے سے اور کر بلاکے درد ناک واقعہ کے وجود میں آنے کی وجہ سے کیونکہ اگر اہل کوفہ حضرت امام حسین کی مدد کرتے تو آپ کا کتنبہ اسیر اور پابند رسن نہ ہوتا۔ بنابرایں جناب زینب کبری (۱۰۰) کوفیوں کی ضمیراور فطرت کو بیدار کرنا چاہتی تھیں۔ آپ پرتا ثیر لہجہ میں کوفیوں کی خنعہ فطرت کو بیدار کرتی ہوئے آپ فرماتی ہیں:

اتَدرُونَ وَيلَكُم اَىَّ كَبَدٍ لِمُحَمَّدٍ فَرَثْتُم وَ اَىَّ عَهدٍ نَكَثْتُم وَ اَىَّ كَرِيمَةٍ لَهُ اَبَرُرْتُم وَ اَىَّ حُرْمَةٍ لَهُ هَتَكْتُم وَ اَىَّ دَمٍ لَهُ سَفَكْتُم لَقَد حِنْتُم شَيئاً إِذَّا تَكادُ السَّمَاواتُ يَتَفَطَّرُنَ اَىَّ حُرْمَةٍ لَهُ هَتَكْتُم وَ اَىَّ دَمٍ لَهُ سَفَكْتُم لَقَد حِنْتُم شَيئاً إِذَّا تَكادُ السَّمَاواتُ يَتَفَطَّرُنَ مِنْهُ وَ تَنْشَقُّ الأَرْضُ وَ تَخِرُّ الحِبَالُ هَدَّا لَقَد جِنْتُم بِهَا شَوهَاءَ صَلْعَاءَ عَنْقَاءَ سَودَاءَ فَقَمَاءَ خَرِقَاءَ كَطِلاعِ الأَرضِ اَو مِل اِلسَّمَاءِ اَفَعَجِبْتُم اَن تُمْطِرَ السَّمَاءُ دَماً وَ لَعَذابُ الإخرَةِ الحِرى وَ هُم لايُنصَرونَ فَلا يَسْتَخِفَّنَّكُم المَهْلُ فَإِنَّهُ عَرِّوجَلَّ لَايَحفِرُهُ البِدارُ وَ لايُحشَى عَلَيهِ فَوتُ النَّار كَلَّا إِنَّ رَبَّكَ لَنَا وَ لَهُم لَبِالْمِرْصَاد.

ترجمہ: کیا تم جانے ہو کس جگر گوشہ رسول کو پارہ پارہ کیا اور کس عہد و پیان کو توڑا ہے، کس پردہ نشین عور توں کو بے پردہ کیا اور ان کی حرمت کو پارہ پارہ کیا اور کس کا خون بہایا؟ تم نے عجیب عمل انجام دیا ہے کہ نزدیک ہے اس کے ہول سے آسان جھر جائے اور نمین پھٹ جائے اور پہاڑ آپس میں شکر اکر چور چور ہو جائیں۔ یہ ایس مصیبت ہے جو بڑی سخت اور منحوس ہے جس میں راہ چارہ بند ہے۔ اگر آسان سے خون کی بارش ہو تو حیرت کی کوئی بات نہیں ہے اور آخرت کا عذاب زیادہ رسوا کرنے والا ہے، اور کوئی مددگار نہ ہوگا، تاخیر اور مہلت تمہیں ہٹ دھر م نہ بنائے کہ خداوند عالم عجلت سے پاک اور منزہ ہے اور وہ ہماری اور تمہاری گھات میں ہے۔ ا

در باریزید میں ، فتح کے نشہ میں چوریزید کو مخاطب کرتے ہوئے جناب زینب (۱۲) نے فرمایا:

اله الاحتجاج على ابل اللجاج (جلد ٢)، ص ٣٠٠٣

اَمِنَ الْعَدْلِ يَابْنَ الْطُلُقَاءِ تَخْدِيْرُ كَ حَرَائِرَ كَ وَ اِمَاءً كَ وَ سَوفُكَ بَنَاتِ رَسُولِ اللهِ سَبَايَا قَد هَتَكْتَ سُتُورَهُنَّ وَ اَبدَيتَ وُجُوهَهُنَّ تَحْدُو بِهِنَّ الاَعدَاءُ مِن بَلَدٍ اِلَى بَلَدٍ وَ سَبَايَا قَد هَتَكْتَ سُتُورَهُنَّ وَ اَبدَيتَ وُجُوهَهُنَّ اَلْعَنَاهِلِ وَ يَتَصَفَّحُ وُجُوهَهُنَّ القَرِيبُ وَ البَعِيدُ وَ البَعِيدُ وَ النَّهِيدُ وَ الشَّهِيدُ وَ الشَّهِيدُ وَ الشَّهِيدُ وَ الشَّهِيدُ وَ الشَّهِيدُ وَ الوَضِيعُ وَ الدَّنِي وَ الرَّفِيعُ لَيْسَ مَعَهُنَّ مِن رِجَالِهِنَّ وَلِيُّ الْعَائِبُ وَ الشَّهِيدُ وَ الشَّهِيدُ وَ الشَّهِيدُ وَ الشَّهِيدُ وَ الشَّهِيدُ وَ الشَّهِيدُ وَ السَّرِيفُ وَالوَضِيعُ وَ الدَّنِي وَ الرَّفِيعُ لَيْسَ مَعَهُنَّ مِن رِجَالِهِنَّ وَلِيُّ الْعَائِبُ وَ الشَّهِيدُ وَ الشَّهِيدُ وَ السَّعِيدُ وَ اللَّهُ وَلِي السَّعِيمُ وَ اللَّهُ وَلِي السَّعِ بَعْولَ السَيرِ بَعْ فَا الْوَضِيعُ وَ الدَّانِي وَ الرَّفِيعُ لَيْسَ مَعَهُنَّ مِن رِجَالِهِنَّ وَلِي وَلَى اللَّهُ وَلِي اللَّهُ اللَّهُ وَلِي اللَّهُ وَاللَّهُ وَاللَّهُ وَلِي اللَّهُ وَلِي اللَّهُ وَلِي اللَّهُ وَاللَّهُ وَاللَّه

## استفهامى تقرير

استفہامی تقریر میں تقریر کرنے والا مخاطب سے ایسی باتوں کے بارے میں پوچھتا ہے جنہیں اس نے بھلادیا ہے لیکن وہ ان کا اقرار کرتا ہے۔ سوال کرنے والا گویا اس استفہام کے ذریعہ مخاطب سے اقرار لیتا ہے تاکہ حقیقت آشکار ہو جائے۔ جناب زینب سلام اللہ علیہاکے احتجاج میں اس بات کو بہ وضوح دیکھا جا سکتا ہے۔ مثال کے طور پر کوفیوں کو خطاب کرتے ہوئے آپ فرماتی ہیں:

اَتَبْكُوْنَ اَحِى اَحَلْ وَاللهِ فَابَكُوا فَإِنَّكُم اَحْرَى بِالبُكُاءِ...وَ اَنِّى تَرْحَضُونَ قُتِلَ سَلِيلُ خَاتَمِ النَّبُوَةِ وَ مَعدِنِ الرَّسَالَةِ وَ سَيِدُ شَبابِ اَهلِ الحَنَّةِ - ترجمه: كيا مير بِها لَى كَ لَيْ رَفِي مَعدِنِ الرَّسَالَةِ وَ سَيْدُ شَبابِ اَهلِ الحَنَّةِ - ترجمه: كيا مير بها لَى كَ لَيْ وَعَارَ كُو لَيْ رَفِي مَر وَوَكُهُ رُونَ لَهُ وَعَارَ كُو لِيْ مَعْرَى مَعْدَنَ مِعدَنَ رَسَالَتَ اور سيد جوانان اللّ جنّت كُو اللهِ عَنْ مَعدَنَ رَسَالَتَ اور سيد جوانان اللّ جنّت كُو قَلَ كيا ہے؟ "

ا۔الاحتجاج علی اہل اللجاج (جلد ۲)،ص ۳۰۸ ۲۔ایضاً، ص ۳۰۳

# ملک شام میں بزید ملعون کو مخاطب کرکے آپ نے فرمایا:

هَلْ رَاْيُکَ اِلَّا فَنَدٌ وَ اَيَّامُکَ اِلَّا عَددٌ وَ جَمْعُکَ اِللّهِ بَدَدٌ يَوْمَ يُنَادِى الْمُنَادِى: اَلاَ لَعْنَةُ اللّهِ عَلَى الظَّالِمِيْنَ - ترجمہ: كيا تمہارى رائے ستى اور خرافات كے سوا پچھ اور ہے۔ كيا تمہارى سلطنت كا مقدر انتشار كے علاوہ پچھ اور ہے۔ جس تمہارى شلطنت كا مقدر انتشار كے علاوہ پچھ اور ہے۔ جس روز منادى آواز دے گا: "ہوشيار ہوجاوہ ظالمين اور غاصبين پرخداكى لعنت ہے"۔ ا

# قاطع اور دندال شكن جواب

مناظرہ میں اگرسامنے والا کوئی غلط دعوی کرتا ہے تو متدل اور قاطع جواب سے اس کی غلطی کو ثابت کیا جاسکتا ہے۔ یہ حاضر جوابی اور مدلل کلام، سخن باطل کو نطفہ میں ہی ختم کر دیتا ہے۔ کوفہ کے داراالامارہ میں عبیداللہ بن زیاد اس کو شش میں تھا کہ کسی بھی طرح سے جناب زینب سلام اللہ علیہا سے شکست کا اقرار کرالے لیکن آپ اپنے مدلل اور قاطع جواب سے مسلسل اس کے حیلہ اور بہانے کو باطل کرتی رہیں۔ ابن زیاد نے کہا: اُلْحَمْدُ لِلهِ الَّذِی فَضَحَکُمْ وَ فَتَلَکُمْ وَاکْذَبَ اَحدو تُکم۔ ترجمہ: میں خداکی حمد کرتا ہوں جس نے تمہیں رسوااور قتل کیا اور تمہارے دعوے کی تکذیب کی۔

#### جناب زینب (اس) نے اس کے جواب میں فرمایا:

اَلْحَمْدُ بِلِهِ الَّذِى اَكرَمْنَا بِنَبِيهَ مُحَمَّد وَ طَهَرْنَا مِنَ الرِّحْس تَطهيرا ، إِنَّمَا يَفْتَضِح الفَاسق وَ يَكْذِبُ الفَاحر وَهُوَ غَيْرُنَا ترجمه: ميں تعريف كرتى بول اس الله كى جس نے بمیں اپنے بیغیر كے وسیلہ سے بزرگى عطافرمائى اور بمیں ہر رجس سے پاك بنایا، مفتضح اور رسوااور جھوٹے وہ ہیں جو فاسق اور فاجر ہیں اور ہم ان میں سے نہیں ہیں۔ ا

ا۔الاحتجاج علی اہل اللجاج ( جلد ۲ )، ص ۱۳۰؛ بحار الانوار ، ج ۴۵، ص ۱۲۰ ۲۔ایضاً (جلد ۱) ، ص ۷۱

\_

جناب زینب (<sup>()</sup> یہ بتانا چاہتی ہیں کہ صرف انسان نما فاسق اور خود پیند اور ہد کر دار لوگ رسوا ہوتے ہیں اور بد فکر اور بد کر دار عناصر ہی جھوٹ گھڑتے ہیں اور فاسق و فاجر وہ لوگ ہیں جو دوسروں کی آزادی اور حقوق کو پایمال کرتے ہیں اور دوسروں کی زندگی کو کھلونہ سمجھتے ہیں نہ کہ ہم خاندان وحی اور رسالت۔ ابن زیاد نے کہا: دیکھا خدا نے تمہارے بھائی حسین اور تمہارے خاندان کے ساتھ کیا کیا؟۔ فخر کا کنات شنرادی زینب (<sup>()</sup>) نے دلیر انہ انداز میں جواب دیا:

مَا رَأَيْتَ اِلْاَجَمِيْلاً ، هولاء قوم كتب الله عليهم القتل فبرزوا الى مضاجعهم و سيحمع الله بينك و بينهم فتحاج و تخاصم، فانظر لمن الفلح-ترجمه: ميں نے اچھائی اور نیکی کے علاوہ کچھ نہیں دیکا۔ وہ لوگ (امام حسین اور آپ کے اصحاب) ایسے لوگ تھے جن کے لئے خداوند عالم نے شہادت مقرر فرمائی اور وہ لوگ اپنے مقتل کی طرف دوڑ پڑے۔ بہت جلد خداا نھیں اور مجھے اکھا کرے گا۔ اس کے بعد تجھ سے خصومت کے ساتھ سوال وجواب ہوگا۔ دیکھنااس روز فتح کس کی ہوگی۔ ا

اسیر ان کر بلاکا قافلہ یز مدیے سامنے پیش کیا گیا۔ وہ خیز ران کی چھڑی سے امام حسینؓ کے سر مبارک کی بے ادبی کرتا ہے اور خوشی کا اظہار کرتے ہوئے اپنی فتح اور امام حسینؓ کی شکست پر شعر پڑھتا ہے۔ جناب زینب (<sup>۱)</sup> نے قرآن کریم سے استدلال کرتے ہوئے اس کے اس دعوے کو باطل قرار دیا:

فَمَهُلاً مَهُلاً لاَ تَطِشْ جَهُلاً! أَنسِيتَ قُولَ اللهِ عَزَّوَ جَلَّ وَلا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا النَّهَا نُمْلِى لَهُمْ لِيَزْ دَادُوا إِنْمَا وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ حَرْجمه: اتَّمَا نُمْلِى لَهُمْ لِيَزْ دَادُوا إِنْمَا وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ حَرْجمه: تحورُ الآمت ! جابلانه قدم نه الله! كيا خداوند متعال كے اس قول كو بھلا ديا : اور كافر م گزيد محورث الله على الله عند مهلت جو ہم نے انہيں دى ہے وہ ان كے لئے خير ہے۔ ہم نے توانحيس اس لئے مہلت دى ہے تاكه وہ اور زيادہ گناہ كريں اور ان كے لئے دردناك عذاب ہے؟ "

ا ـ ابن نما حلی، جعفر بن محمد، در سوگ امیر آزادی (ترجمه مشیر الاحزان)، ص ۳۰۳ ۲ ـ در سوگ امیر آزادی (ترجمه مشیر الاحزان)، ص ۹۰ ۳ ـ الاحتجاج علی اہل اللحاج ( جلد ۲)، ص ۴۰۸ بعض او قات مناظرہ میں ایسے الفاظ کا استعال کیا جاتا ہے جو کسی امر کے واقع ہونے کی حتمی طور تائید کرتا ہے، مثلًا قتم کے ساتھ بات کو شروع کرنا۔ جناب زینب (<sup>()</sup> کے خطبوں میں یہ بات کئی مقامات پر قابل ملاحظہ ہے۔ آپ بزید کے دربار میں ارشاد فرماتی ہیں:

فَوَاللهِ الَّذِى شَرَّفَنَا بِالوَحْيِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبُوَّةِ وَالانْتِخابِ، لَاتُدْرِ كُ أَمَدَنَا وَلَا تَبِخُ غَايَتَنَا وَلَا تَبْخُ غَايَتَنَا وَلَا تَمْخُو ذِكْرَنَا وَلَا يُرْحَضُ عَنكَ عَارُنَا۔ ترجمہ: قتم اس خدا كى جس نے ہميں وحى، كتاب اور نبوت كے ساتھ برترى عطافرمائى اور ابتخاب كيا، ہمارے ذكر كو ذہنوں سے مٹانہيں سكتے اور ہمارى وحى كو جسے خداوند متعال نے بھيجا ہے مٹانہيں سكتے اور ہمارى بندى كو نہيں بہو في سكتے اور اس ظلم كے نئگ و عارسے خود كو دور نہيں كر سكتے۔ ا

## آپ اسی خطبه میں ارشاد فرماتی ہیں:

لَعَمْرِى لَقَدْ نَكَاْتَ الْقَرْحَةَ و اسْتَأْصَلْتَ الشَّافَةَ بِئِارَاقَتِکَ دَمَ سَيِّدِ شَبَابِ اَهلِ الْحَنَّةِ وَ ابْنَ يَعسُوبِ دِينِ الْعَرَبِ وَشَمْسِ آلْ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ ترجمہ: میری جان کی قسم الْحَنَّةِ وَ ابْنَ يَعسُوبِ دِينِ الْعَرَبِ وَشَمْسِ آلْ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ ترجمہ: میری جان کی قسم سردار جوانان جنّت، پیشوائے عرب کے فرزنداور آل عبدالمطلب کے خورشیدکا خون بہاکر تم نے زخم کو ناسور بنادیا اور فضیلت و تقوی کی بنیادوں کو اکھاڑ پھینکا ہے '!

## مغالطے کی تردید

مناظرہ میں سامنے والے کے مغالطات کی تردید بھی بہت ضروری ہے۔ مغالطہ کرنے والا، مخاطب کو دھوکہ دیکراپی شکست کی بھر پائی کرناچاہتا ہے یا اپنے غلط مدعا کو ثابت کرنے کی کو شش کرتا ہے۔ مغالطہ کی سوسے زائد قشمیں ہیں "۔ دوسرول پر تہمت لگانا بھی ایک طرح کا مغالطہ ہے۔ مناظرہ سے بیخے، شکست کی بھر پائی یا مخاطب کے ذہن کو بدلنے کے لئے مد مقابل پر تہمت لگائی جاتی ہے، جیسے کافر اور مشرک اپنی

ا ـ الاحتجاج على ابل اللجاج ( جلد ٢ )، ص ١٣٠٠؛ بحار الانوار (ج٥٣)، ص ١٥٩

۳\_ خندان، علی اصغر ، منطق کاربر دی، ص ۱۲۰

۲\_ایضاً، ص ۳۰۹

راه اسکال

شکست کے بعد ، پیغیبروں پر جادو گراور ساحر ہونے کا الزام لگاتے تھے۔ جناب زینب (س) نے اپنی تقریر میں ابن زیاد اور بزید کے مغالطوں کو ظامر کرکے کلام حق اور امام حسین کی مظلومیت کو آشکار کیا۔

ی دندال شکن جواب سے جیران ہوگیا اور لا جواب ہو کوفہ کے دارالامارہ میں عبیداللہ بن زیاد،آپ کے دندال شکن جواب سے جیران ہوگیا اور لا جواب ہو کر کہا: هذه سیخاعة وَلَعمری لقد کان ابوک شاعراً سیخاعاً۔ترجمہ: یہ عورت با قافیہ کلام کرتی ہے، میری جان کی قتم تمہارے والد بھی شاعر اور قافیہ پرداز تھے۔ ا

مَا لِلْمراة والسجاعة إِنَّ لَى عَنِ السِجاعة لشُغلا وانى لاعجب ممَّن يشتفى بقتل ائمته و يعلم انهم منتقمون منه فى الآخرته ترجمه: الابن زياد، عورت كا قافيه سے كيا كام؟ مجھے تجب ہے اس سے جو اپنا اماموں كے قتل سے، اپنے دل كى شفا چا ہتا ہے اور جانتا ہے كہ كل روز قيامت وہ لوگ، اس سے انتقام ليس گے۔ ا

دوسرے لفظوں میں جناب زینب (<sup>()</sup> یہ کہنا چاہتی ہیں کہ اے ابن مرجانہ! مجھے قافیہ سرائی اور کلام سازی سے کیاکام؟ وہ ظلم جو خاندان وحی ورسالت کے حق میں ہوا ہے اس نے مجھے کہاں بولنے کے لائق چھوڑا کہ میں دل کے شعلوں کو پراگندہ کروں! میں ان لوگوں کی شقاوت سے جیران ہوں جو ائمہ نور کے قتل کواپنے دل کا مرہم سمجھ رہے ہیں، وہ بھی اس حال میں کہ جانتے ہیں کہ پائباز اور سر فراز شہدا، خدا کے در بار میں ان قاتلوں سے بدلہ لیں گے۔"

در باریزید میں ایک مرد شامی نے اس گمان میں کہ یہ اسرا، رومی اسیر ہیں، یزید لعین سے دختر امام حسین کو بطور کنیز خرید نے کامطالبہ کیا۔ اس وقت یزید لعین اور جناب زینب (<sup>(U)</sup> کے چی مناظرہ ہوااور بات یہاں تک پہونچی کہ یزید لعین نے کہا: فقط تمہارے باپ اور بھائی تھے جو دین سے خارج ہوئے! یہ یزید

ا ـ ابن نما، حلی، مثیر الاحزان، ص ۹۰ ۲ ـ مثیر الاحزان، ص ۹۱ ۳ ـ در سوگ امیر آزادی، ص ۳۰ ۲ لعین کا مغالطہ تھااور وہ امام علیؓ اور امام حسینؓ کو دین سے منحرف اور خارج بتانا چاہتا تھا۔ جناب زینب (۱۰) کے واضح اور مشحکم جواب نے اس کے مغالطہ کو باطل کردیا۔ آپ نے فرمایا:

بِدِیْنِ اللّهِ وَدِیْنِ اَبِی وَدِیْنِ اَجِی اهْتَدَیْتَ اَنْتَ اِنْ کُنْتَ مُسْلِماً۔ ترجمہ: خداکے دین،
میرے (جد) والداور میرے بھائی کا جلوہ تھا کہ تونے ہدایت پائی اگر واقعاً تو مسلمان ہے !

یہ بہترین جواب تھا کیونکہ کسی مخالطہ کا بہترین جواب، اس دعوے کا بطلان اور مقابل کے مغالطہ کو واضح کرنا ہوتا ہے۔

# مقابل کے دعوے کی حیمان بین

احتجاج میں کبھی یہ ضروری ہوتا ہے کہ مناظرہ کرنے والاسامنے والے کے دعوے کی چھان بین کرے تاکہ بعد میں اچھی طرح سے اس کاجواب دے سکے۔ یزید لعین نے عوام کو فریب دینے کے لئے اپنے آپ کو پیغمبر اسلام اور ان کے المبیت کاچاہنے والا بتانا چاہا اور واقعہ کر بلاسے اپنے آپ کو الگ دکھانا چاہا۔ جناب زینب (<sup>()</sup>) نے اسلام اور مسلمانوں کے طئے یزید کی ہمدر دی کو بے بنیاد اور فریب بتاتے ہوئے اسے رد کیا اور یہ ثابت کردیا کہ یزید نبوت اور قرآن کا منکر ہے:

عُتُوًا مِنْکَ عَلَى اللهِ وَ جُحُوداً لِرَسُولِ اللهِ وَدَفْعاً لِمَا جَاءَ بِهِ مِنْ عِنْدِ اللهِ وَلاَ غَرُو مِنْکَ وَلاَعَجَبَ مِن فِعْلِکَ وَ أَنّی تُرْتَحَی مُرَاقَبَةُ مَنْ لَفَظَ فَوهُ أَکبَادَ الشُّهدَاءِ و نَبَتَ لَحْمُهُ بِدِماءِ الشُّعداءِ وَنَصَبَ الحَرْبَ لِسَيِّدِ الأَنْبِيَاء وَجَمَعَ الأَحْزَابَ وَ شَهرَ الحِرَابَ وَ شَهرَ الحِرَابَ وَهَوَّ الشُّيُوفَ فِي وَجْهِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَليهِ وَآله أَشَدِ العَرَبِ جُحُوداً وَ أَنكرِهِمْ لَهُ وَهَوْ الشَّيُوفَ فِي وَجْهِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَليهِ وَآله أَشَدِ العَرَبِ جُحُوداً وَ أَنكرِهِمْ لَهُ رَسُولاً وَأَظْهَرِهِم لَهُ عُدُواناً، وَأَعْتَاهُم عَلَى الرَّبِّ كُفراً وَطُغْيَاناً، والا إِنَّهَا نَتِيجَةُ خِلالِ رَسُولاً وَأَظْهَرِهِم لَهُ عُدُواناً، وَأَعْتَاهُم عَلَى الرَّبِ كُفراً وَطُغْيَاناً، والا إِنَّهَا نَتِيجةُ خِلالِ الْكُولُ وَصَبِ يُحَرِّحِرُ فِي الصَّدرِ لِقَتْلَى يَومِ بَدرٍ - ترجمه: خدا كسامن تيرى اتن اللهُ عَلى الرَّبِ كُفراً وَمُعَلَى اللهُ عَلَى التَّالَى اللهُ عَلَى الرَّبَ مُعَلِي كُلُولُ وَصَبٍ يُحَرِّحِرُ فِي الصَّدرِ لِقَتْلَى يَومِ بَدرٍ - ترجمه: خدا كسامن تيرى اتن اللهُ عَلَى اللهُ عَلَى الرَّبِ مُعَلِي عَلَى الرَّبَ مُعَلَى اللهُ عَلَى اللهُ عَلَى الرَّبَ عَلَى اللهُ عَمَمَ عَلَى اللهُ عَلَى اللهِ عَلَى اللهُ اللهُ عَلَى اللهُ عَلَى اللهُ اللهُ عَلَى اللهُ اللهِ اللهُ اللهُ عَلَى اللهُ اللهُ اللهُ اللهُ اللهُ اللهِ اللهُ الله

اله حتجاج على امل اللجاج (٢٦)، ص ١٣٠٠

راه اسلا

جاسکتی ہے جن کے دہن پائباز لوگوں کے جگر چبائیں اور باہر پھینک دیں اور جن کے گوشت شہید وں کے خون سے بنیں اور سرور انبیا کے خلاف جنگ چھیڑیں، تمام قبیلوں کو جمع کرکے اعلان جنگ کریں اور تلواروں کورسول خدا پر کھنچ لیں؟ یہ تمام عرب میں خداکاسب سے زیادہ منکر تھا، رسول خداکانا شکرا تھا اور سب سے زیادہ خدا سے دشمنی کا اظہار کرتا تھا، کفر و طغیان میں پروردگار کے سامنے متکبر ترین فرد تھا! ہوشیار ہو جاؤیہ سجی کفر اور کینہ کا بچا ہوا نتیجہ ہے کہ تیرے سینے سے مردگان بدر کے لئے غراً ہٹ نکل رہی ہے۔ ا

اسی طرح جناب زینب (<sup>()</sup> نے خاندان پیغیر سے بزید لعین کی دشمنی کو ثابت کیا:

فَلَا يَسْتَبْطِيُ فِي بُغْضِنَا أَهْلَ الْبَيتِ مَن كَانَ نَظُوهُ اِلَيْنَا شَنَفَاً وَأَضْعَانَا يُظْهِرُ كُفرَهُ بِرَسُولِ اللهِ وَيُفْصِحُ ذَلِكَ بِلِسَانِهِ وَهُوَ يَقُولُ فَرِحاً بِقَتلِ وُلْدِه وَسَبي ذُرِّ يَتِهِ غَيرَ مُتَحَوِّبَ وَلَامُسْتَعْظِم:

لَاَهَلُّوا وَاسْتَهلُّوا فَرَحاً وَلَقَالُوا يَا يَزِيدُ لَا تَشَلَ

مَنْحَنِياً عَلَى ثَنَايَا أَبِي عَبدِاللهِ وَكَانَ مُقَبَّلُ رَسُولِ اللهِ يَنكُتُهَا بِمِحْصَرتِه قَدِ الْتَمَعَ السَّرُورُ بِوَجْهِهِ - ترجمہ: پھر کس طرح ہمارے خاندان سے دشمنی میں جلدی نہ کرے وہ شخص جوہماری طرف چثم کینہ اور افغض سے دیکتا ہے، رسول خداً سے ایخ بغض کا ظہار اور زبان سے اقرار کررہا ہے۔ اور اولادرسول کے قتل اور ان کی ذریت طاہرہ کی اسیری پر خوشی کا اظہار کررہا ہے اور باپ داداپر فخر کرتے ہوئے کہتا ہے: خوشی اور سرور سے چہک چہک کر کہہ رہے تھے بزید تیرے ہاتھ شل نہ ہوں!

اور اپنارخ ابوعبد اللہ کے دانتوں کی طرف کرتا ہے ،جو بوسہ گاہ رسول خداً تھے، اور اپنے خس عصاسے ان پر مارتاہے اور خوشی اور مستی اس کے رخسار وں سے ظاہر تھی۔ <sup>۲</sup>

> ا۔الاحتجاج علی اہل اللجاج (ج۲)،ص ۳۰۷ ۲۔ایضاً،ص ۳۰۹

یہاں پر سننے والے کے ذہن میں بیہ سوال اٹھتا ہے کہ کیا ایسے شخص کا دعوائے اسلام اور مسلمانوں کے خلیفہ اور رہبر ہونے کا دعوی قابل قبول ہے؟

جناب زینب (<sup>س)</sup> نے یزید لعین کی ظاہری فتح کو بنیاد سے ہی باطل بتایا اور دلیرانه انداز میں فرمایا:

أظَنَنْتَ يَا يَزِيدُ حِينَ أَحَدْتَ عَلَيْنَا أَقْطَارَ الارْضِ وَضَيِقْتَ عَلَيْنَا آفَاقَ السَّمَاءِ فَأَصْبَحْنَا لَكَ فَى إِسَاوٍ نُسَاقُ إِلَيْكَ سَوْقاً فِى قِطَارٍ وَآنْتَ عَلَيْنَا ذُواقْتِدَارٍ، أَنَّ بِنَا مِنَ الله فَأَصْبَحْنَا لَكَ فَى إِسَاوٍ نُسَاقُ إِلَيْكَ سَوْقاً فِى قِطَارٍ وَآنْتَ عَلَيْنَا ذُواقْتِدَارٍ، أَنَّ بِنَا مِنَ الله هَوَاناً وَعَلَيْكَ مِنهُ كَرَامَةً وَامْتِنَاناً وَأَنَّ ذَٰلِكَ لِعظم خَطَرِكَ وَجَلالَهِ فَدْرِكَ! فَشَمَحْتَ بِأَنْفِكَ وَنظُوتَ فِى عَطْفِكَ: تَضْرِبُ أَصْدَريْكَ فَرَحاً وَتَنْفُضُ مِذْرَويْكَ مَرَحاً حِيْنَ رَائِيتَ الدُّنِيَا لَكَ مُسْتَوسِقَةً وَالْامُورَ لَدَيْكَ مُتَّسِقَةً وَ حِينَ صَفَا لَكَ مُلْكُنَا وَحَلَصَ رَأَيْتَ الدُّنِيَا لَكَ مُسْتُوسِقَةً وَالْامُورَ لَدَيْكَ مُتَّسِقَةً وَ حِينَ صَفَا لَكَ مُلْكُنَا وَحَلَصَ رَأَيْتَ الدُّنِيَا لَكَ مُسْتُوسِقَةً وَالْامُورَ لَدَيْكَ مُتَّسِقَةً وَ حِينَ صَفَا لَكَ مُلْكُنَا وَحَلَصَ رَأَيْتَ الدُّنِيَا لَكَ مُسْتَوسِقَةً وَالْامُورَ لَدَيْكَ مُتَّسِقَةً وَ حِينَ صَفَا لَكَ مُلْكُنَا وَحَلَصَ لَكَ مُلْطَأَنُنَا وَ فَلَاللّهِ عَزَّ وَجَلَّ: (وَلَا يَحسَبَنَ لَكَ مُلْطَأَنُنَا وَ فَمَهُلاً مَهْلاً لاَ تَطِشْ جَهْلاً إِنَّهُ اللهِ عَلَى لَهُم لِيَزِدَادُوا إِنْمَا وَلَهُمْ عَذَابُ اللّهِ عَنَّ وَحَلَ اللهِ عَرَدُ اللّهُ عَنْ وَلَا يُعْمِى لَهُم عَيرٌ لِآنَفُسِهِمْ إِنَّمَا نُملِى لَهُم لِيَزِدَادُوا إِنْمَا وَلَهُمْ عَذَابُ مُعْمِنْ ) ـ

ترجمہ: اے بزید، کیا تو گمان کرتا ہے کہ چونکہ تو نے تمام زمین اور آسان کو ہارے
لئے بند کردیا ہے اور راہ چارہ مسدود کردی ہے اور ہمیں غلاموں اور کنیزوں کی طرح
چہار سو پھرایا ہے لہذا ہم خداکے نزدیک ذلیل ہیں اور تواس کے نزدیک با وقعت ہے اور ہم
پر تیرا سے غلبہ خدا کے نزدیک آبر و والا ہے۔ بس ناک بڑی کرلی اور تکبر کیا اور فخر محسوس
کرنے لگا، تو خوش ہو گیا کہ دنیا تیرے قبضہ میں ہے اور تیرے افعال اچھے ہیں، ہمارے ملک
اور بادشاہی مجھے خوبصورت گی۔ تھوڑ آآ ہستہ! جاہلانہ چال مت چل! کیا خداوند متعال کے
قول کو بھلادیا: کافریہ گمان نہ کریں کہ جو انھیں ہم نے مہلت دی ہے ان کے لئے بہت خیر
ہے۔ ایسانہیں ہے بلکہ ہم نے انھیں مہلت دی تاکہ وہ اور زیادہ گناہ کریں اور ان کے لئے
شدید عذاب آ مادہ ہے؟ ا

ا ـ الاحتجاج على ابل اللجاج (ج٢)، ص ٨٠٣

راه اسکا

### صبر کرنااور عظیہ سے پر ہیز

کربلاکے اسیر وں کو ابن زیاد کے پاس کوفہ میں لایا گیا۔ وہ غرور اور جیت کے نشہ میں اسیر ان کربلا کو ایک ایک کیے کرکے تحقیر آمیز نگاہ سے دیکھ رہا تھا۔ جناب زینب (<sup>()</sup> کے قریب پہونچ کر پوچھتا ہے ، یہ عورت کون ہے ؟ کسی نے اس کا جواب نہیں دیا۔ اس نے اپنے سوال کو دمرایا۔ جناب زینب (<sup>()</sup> کی کنیزوں میں سے ایک نے کہا: یہ شنرادی جناب زینب جناب فاطمۃ الزمرا (<sup>()</sup> کی بیٹی ہیں اور وہ رسول خدا کی بیٹی ہیں۔ ابن زیاد نے اپنارخ جناب زینب (<sup>()</sup> کی طرف کرکے کہا: میں تعریف کرتا ہوں خدا کی کہ اس نے تہمیں رسواکیا اور راستے سے ہٹادیا اور تمہاری باتوں کی تکذیب کی۔

جناب زینب (س) نے وقار ومتانت اور صبر وشکیبائی کے ساتھ فرمایا:

الْحَمْدُ بِلَهِ الَّذِى اَكْرَمْنَا بِنَبِيهَ مُحَمَّد وَ طَهَّرْنَا مِنَ الْرِّحْس تَطْهِيراً إِنَّمَا يَفْتَضح الفَاسِق وَ يَكْذِبُ الفَاجِر وَ هُوَ غَيرُنَا حَرَجَم : ميں تحريف كرتى ہوں اس خداكى جس نے ہميں اپنے پيغير كے ذريعه بزرگى عطافر مائى اور ہميں مررجس اور ناپاكى سے پاك بنايا - ذليل ورسوااور جموٹے لوگ وہ ہيں جو فاسق و فاجر ہيں اور ہم ان ميں سے نہيں ہيں ۔ ا

ابن زیاد لعین، جناب زینب (۱) کی دلیرانه منطق کے سامنے متحیر تھا۔ دوسرے ظالموں کی طرح وہ بھی بد گوئی پر آ مادہ ہو گیا اور کہنے لگا: لَقَدْ شَفَانِی الله مِن طَغاتک وَ العَصاة المردة من اَہْلِ بَيْتِکَ! ترجمہ: خدا نے تبہارے بھائی اور ان کے خاندان اور ان کے باغی اصحاب کو قتل کرکے میرے دل کے زخموں اور تکلیفوں پر مرہم رکھ دیا ۔

حضرت علی کی عالمہ غیر معلّمہ بیٹی نے فرمایا:

لَقَدْ فَتَلْتَ كهلى وَ قطعت فرعى و احتثثت اَصلِى فَإِن تَشْفَيتَ بهذا فَقَد إِشْتَفَيْتَ وَ لَقَدُ وَتَلْعَ كر الله عَلَى كو وَ الله عَلَى كرويا، عارى شاخول كو قطع كر الله عارى بنياد كو جراس الترجمه: عارك بزر كول كو قتل كرويا، عارى شاخول كو قطع كر الله عارى بنياد كو جراس

ا۔اعلام الوری باعلام الہدی(ج1)،ص اسم ۲۔ابضاً،ص ۲۷م اکھاڑ دیا،اگریمی تیری شفائھی تو تواس تک پہونچ گیا۔'

جناب زینب کبری (<sup>()</sup> نے ابن زیاد کو سمجھایا کہ تونے بہت ظالمانہ طریقہ سے ہمارے خاندان کے بزر گوں کو صرف دعوت حق اور انسانوں کی حمایت کے جرم میں شہید کردیااوراس درخت کی شاخوں کو کاٹ ڈالا اور اپنے گمان میں جیرت انگیز شرارت کے ساتھ ، اس تناور اور ثمر آ ور مقدس درخت کو اکھاڑ بچینکا! اب اگر میرے حسین اور ان کے اصحاب اور جوانوں کو قتل کرنے سے تیرے دل کو شفاملتی ہے تواپنی شیطانی گمان میں شفایا گیا ہے! <sup>۲</sup>

# شجاعت کے ساتھ واضح اور قطعی بیان

جناب زینب (<sup>()</sup> نے کوفہ کے دارالامارہ میں جو خطبہ دیا نیز وہ خطبہ جوآپ نے درباریزید میں ارشاد فرمایا، ان دونوں سے آپ کی بہادری اور صراحت بیان پوری طرح واضح اور آشکار ہے ، جس سے دربار میں موجود تمام افراد متاثر ہوئے اوریزید اور امویوں کا غرور چکنا چور ہو گیا۔ خاص کر اس وقت جب یزید ملعون سے آپ نے فرمایا:

وَمَا اسْتِصْغَارِى قَدْرَك، وَلَا اسْتِعْظَامِى تَقرِيعَك، تَوَهُّماً لَإِنْتَجَاعِ الحِطَابِ فِيكَ بَعَدَ أَنْ تَرَكْتَ عُيُونَ المُسْلِمِينَ بِهِ عَبْرَى وَصَدْرَهُم عِندَ ذِكْرِه حَرّى فَتِلْكَ فَيكَ بَعَدَ أَنْ تَرَكْتَ عُيُونَ المُسْلِمِينَ بِهِ عَبْرَى وَصَدْرَهُم عِندَ ذِكْرِه حَرّى فَتِلْكَ قُلُوبٌ قَاسِيَةٌ وَ نُفُوسٌ طَاغِيَةٌ وَأَحسَامٌ مَحشُوَّةٌ بِسَخَطِ اللهِ وَ لَعنَةِ الرَّسُولِ قَدْ عَشَّشَ فيهِ الشَّيطَانُ وَفَرَ خَ وَمَنْ هُنَاكَ مِثْلُكَ مَا دَرَجَ وَ نَهَضَ۔

ترجمہ: اور اگرچہ مصائب روزگار نے میرے ساتھ یہ ظلم کیا (اور مجھے اسیر بنا کر یہاں کا عثل اور مجبوراً تجھے سے کلام کررہی ہوں ، پھر بھی مجھے بہت پست جانتی ہوں، تجھ پر لعنت وملامت کرتی ہوں (اور تیری یہ جاہ وحشمت ، میرے لئے ڈر اور وحشت کا باعث نہیں اور نہ میں ڈرتی ہوں اور نہ ہاری ہوں اور یہ رونا اور بیتا بی تیری ہیت اور تمکنت کی وجہ سے نہیں ہے ) مسلمانوں کو میرے بھائی اور خاندان کے سوگ میں رلا چکا اور ان کے دلوں کو میرے دلوں کو

ا۔اعلام الوری باعلام الہدی(ج1)، ص ۷۲ ۲۔ در سوگ امیر آزادی، ص ۳۰۵

راه اسکا

بریان کردیا۔ تیرے اعوان و انصار اس راہ میں شقی القلبی دکھا چکے۔ ان کی سرکش روحیں خداور سول کے غضب ولعنت سے بھریں جن کے جسم میں شیطان نے گھونسلہ بنا کر انڈے دے دے ہیں،اور اسی گروہ پر تکیہ کرکے تونے یہ قدم اٹھایا۔ ا

یزید لعین کے ناشائستہ افعال کو بیان کرنے کے بعد جناب زینب <sup>(س)</sup>نے اس طرح کے اعمال کی وجہ کو واضح اور قطعی طور پر اس طرح بیان فرمایا :

عَتَوَّا مِنْکَ عَلَى اللهِ ، وَجَحُوداً لِرَسُولِ اللهِ وَدَفْعاً لِمَا جَاءَ بِهِ مِن عِنْدِ اللهِ وَلاَ غَرُوَ مِنْکَ وَلاَ عَرُو اللهِ وَدَفْعاً لِمَا جَاءَ بِهِ مِن عِنْدِ اللهِ وَلاَ عَرُو مَمْدُكَ وَلاَ عَرُو اللهِ عَلَى اللهِ مَنْکَ وَلاَ عَجَبَ مِنْ فِعْلِکَ - ترجمه: تیرے بیسارے اعمال خداکے ساتھ تیری گستا خیال ان مجید کو رد کرنے کی وجہ سے ہیں اور تجھ جیسے انسان سے اس طرح کے اعمال تعجب خیز نہیں ہیں۔ ا

جناب زینب (<sup>()</sup> کے کلام کی صراحت اور قاطعیت پر دوسری دلیل وہ جواب تھا، جوآپ نے بزید لعین کو دیا۔ مر دشامی نے جناب فاطمہ بنت امام حسین کو کنیز کے عنوان سے بزید سے مطالبہ کیا۔ جناب زینب (<sup>()</sup> نے مر دشامی سے کہا: جموٹ گڑھتا ہے اور ذلیل حرکت کرتا ہے، خدا کی قتم یہ کام نہ تجھ سے اور نہ اس (بزید) سے ہوسکے گا۔

یزید لعین نے غصہ میں آ کر کہا: یہ میری طاقت میں ہے اگر حپاہوں تو یہ کرسکتا ہوں۔ جناب زینب سلام اللّه علیهانے ولیرانه انداز میں فرمایا:

كُلّاً وَاللهِ مَا جَعَلَ اللهُ ذَلِكَ لَكَ إِلَّا أَنْ تَخْرُجَ مِنْ مِلَّتِنَا وَ تَدِينَ بَغَيرِ دِيننَا۔ ترجمہ: خداكی قتم م ركز خداوند عالم نے اسے تیرے لئے قرار نہیں دیا ہے، مگریہ كه اگر چاہے، ہمارے دین اور آئین سے خارج ہو جااور دوسرادین اختیار كر لے۔ "

ا ـ اعلام الورى باعلام الهدى (٢٦)، ص ٢٠٩

۲\_الضّاً، ص ۴۰ ۴؛ بحار الانوار (ج۴۵)، ص ۱۵۸

س\_الاحتجاج على الل اللجاج (ج٢)، ص ١٣٠٠

امام حسین کے قیام کے سلسلہ میں جناب زینب (اس) کے مناظر وں اور احتاجوں کی تشر تا اور تحلیل سے یہ بات واضح ہو گئ ہے کہ گرچہ جناب زینب (اسائیٹ عورت تھیں اور معصومہ نہ تھیں لیکن پینمبر اکرم کے دین کو زندہ وجاوید بنانے میں آپ کے احتجاج کا طریقہ وہی ائمیہ معصوبین کا طریقہ کار اور راہ حق اور حقیقت تھا۔ جناب زینب (اس) نے نہ صرف کر بلا میں اسلام کو ختم ہونے سے بچایا بلکہ روزعا شورہ سے ہی ایک مرپرست کے عنوان سے مختلف مقامات پر روشن فکر انہ خطبوں کے ذریعہ ،اموی حکومت کی عوام فر بی ،مرپرست کے عنوان سے مختلف مقامات پر روشن فکر انہ خطبوں کے ذریعہ ،اموی حکومت کی عوام فر بی ،حقیقی اسلام سے ان کا انحراف اور اہل ہیت پینمبڑ سے ان کی برسلو کی کو سب پر واضح کیا اور امویوں کے اصلی چیرہ کو لو گوں کے سامنے پیش کیا اور امام حسین کے قیام کے اصل پیغام کو ان کے ذہنوں تک پہنچایا۔
جرہ کو لو گوں کے سامنے پیش کیا اور امام حسین کے قیام کے اصل پیغام کو ان کے ذہنوں تک پہنچایا۔
اس بانو کے مکرمہ نے کو فہ میں امام حسین سے بے وفائی کرنے والوں کے وجدان کو مخاطب کرتے ہوئے ، گنا ہوں کے وجدان کو مخاطب کرتے مارضاد فرمایا اور حقیقت کو ہر ایک پر روشن کردیا۔ ہمیں جناب نرینب (اس) کی سیرت اور روش سے سبق ارشاد فرمایا اور حقیقت کو ہر ایک پر روشن کردیا۔ ہمیں جناب نرینب (س) کی سیرت اور روش سے سبق حاصل کرنا چاہئے۔ جس وقت عوام غلط پر و پگنڈے کی وجہ سے غطلت کا شکار ہوں اور حق اور باطل میں تمیز کرنا مشکل ہوجائے تواس وقت غاموش نہیں رہنا چاہئے بلکہ ہمیں چاہئے کہ صبحے منطق کے ساتھ احتجاجوں کے ذریعے حق اور حقیقت کا دفاع کریں۔

### منابع و مآخذ

- **❖** قرآن کریم
- 💠 ابن نماحلی، جعفر بن محمد، درسوگ امیر آزادی (ترجمه مشر الاحزان)، مترجم: علی کرمی، نشر حاذق، قم، ۸ سااش
- 💠 ابن نماحلی، جعفر بن محمد، مثیر الاحزان، به تصحح مدرسه امام مهدی، نشر مدرسه امام مهدی، قم، ۲۰ ۱۳ اق
  - 🖈 جمالی، نصرت الله، روش گفتهمان یا مناظره، نشر مهدیه، قم، ۱۳۸۷ ش
  - 💸 حرعاملی، محمد بن حسن، وسائل الشبعه، انتشارات مؤسسة آل البیت ، قم، ۹ ۴ ۴ ال
  - 💠 حسيني بهداني خجفي، محمه، در خشان پر توې از اصول کافي (۲۶)، چاپخانه علميه، قم، ۱۳۶۳ ش
    - 💠 خندان، علی اصغر، منطق کاربر دی، انتشارات سمت، تهر ان، ۲۵ ساش
    - 💠 دیلمی، حسن بن محمد، ارشاد القلوب (ج۱) ، ترجمه رضایی، تهران، ۷۷ ساش

راه اسلا

💠 ە تىخدا، على اكبر، لغت نامە، زير نظر محمد معين وسيد جعفر شهبيدى، انتشارات وچاپ دانشگاه تهران، ۷۷ سااش

- پ راغب اصفهانی، حسین بن محمد، ترجمه و تحقیق مفردات الفاظ قرآن (ج ۴)، مترجم: غلامر ضا خسروی، محقق المصحح: غلامر ضا خسروی حسینی، مرتضوی، تهران، ۱۳۷۴ ش
- پ سید بن طاووس، علی بن موسی، سوگنامه کر بلا (ترجمه لهوف)، مترجم: محمد طام ر دز فولی، انتشارات مؤمنین، قم، ۱۳۷۸ ش
  - شریف قرشی، شخ باقر، زندگانی حضرت امام حسین (ج۱)، بنیاد معارف اسلامی، ۱۳۸۰ش
  - 🚓 طبرسی، احمد بن علی، الاحتجاج علی اہل اللجاج، به تصحیح محمد باقر خرسان، نشر مرتضی، مشهد، ۱۴۰۳ ق
  - 💠 طبرسی، فضل بن حسن، الکافی، به تصحیح علی اکبر غفاری و محمد آخوندی، تهران، دار الکتب الاسلامیه، ۱۳۱۷ق
    - 💠 محمدی ری شهری، محمد، مناظره و گفتگو در اسلام، دار الحدیث، سازمان حیاب ونشر، قم، ۱۳۸۳ ش
  - مجلسی، مجمد باقر بن مجمد تقی، بحار الانوار، به تضحیح جمعی از محققان، انتشارات داراحیای اکتراث العربی، بیروت، ۱۳۰۳ ق
    - مظفر، محدرضا، المنطق، انتشارات جامعه مدرسین، قم، ۱۳۸۸ش

1 ت



An Urdu Quarterly Research Journal of Islamic and Cultural Studies

NO: 242-243-244 June 2018-February 2019



### **Editorial Board**

Prof. S.M. Azizuddin Husain, Prof. Akhtarul Wasey, Prof. Syed Ali Mohd Naqvi

ca • 80

#### **Chief Editor**

Dr. Ali Dehgahi

### **Editor**

Prof. Syed Akhtar Mahdi Rizvi

### **Joint Editor**

Khan Mohd Sadiq Jaunpuri

ભ્ય 🗨 છા

Composing : Qari Mohd Yasin Designing of the Cover Page : Aisha Fozia

\*

ISSN: 2349-0950 Printed at: Alpha Art, Noida, U.P.

Iran Culture House-18 Tilak Marg- New Delhi-110001 Phone No: 23383232, 33, and 34 Fax: 23387547 ichdelhi@gmail.com newdelhi.icro.ir راه اسلا



An Urdu Quarterly Research Journal of Islamic and Cultural Studies

NO: 242-243-244

June 2018-February 2019

Iran Culture House 18 Tilak Marg New Delhi-110001